300

سوال و جواب

برائے

میاں بیوی

لأصحاب الفضيلة

- محمد ناصر الدين الألبانی
- عبدالعزيز بن عبدالله بن باز
- محمد بن صالح العثيمين
- محمد بن ابراهيم آل الشيخ
- عبدالله بن حميد
- مقبل بن هادی الوادعی
- صالح بن فوزان بن عبدالله الفوزان
- عبدالرزاق عفيفی
- عبدالله بن عبدالرحمن الجبرين
- عبدالله بن سليمان المنيع

ترجمہ | حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

مکتبہ بیت السلام

لاہور، الریاض

300

سوال جواب

برائے

میاں بیوی

لأصحاب الفضيلة

☆ محمد ناصر الدين الألبانی
☆ عبدالعزيز بن عبدالله بن باز
☆ محمد بن صالح العثيمين
☆ محمد بن ابراهيم آل الشيخ
☆ عبدالله بن حميد
☆ مقبل بن هادی الوادعی
☆ صالح بن فوزان بن عبدالله الفوزان
☆ عبدالرزاق عفيفی
☆ عبدالله بن عبدالرحمن الجبرين
☆ عبدالله بن سليمان المنيع

ترجمہ
حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

فہرس

تحدید نسل، خاندانی منصوبہ بندی، عزل اور اسقاط حمل کے متعلق فتویٰ جات

طلاق کے متعلق فتوے

حمل، ولادت وزچگی اور علاج معالجہ کے متعلق فتوے

طہارت کے متعلق فتوے

طبعی خون (حیض و نفاس وغیرہ) کے متعلق فتوے

بچوں کی تربیت کے متعلق فتوے

لباس اور زیب وزینت کے متعلق فتوے

خدام اور ڈرائیوروں کے متعلق فتوے

عورت کے لیے حلال اور حرام کھیلیں

بوسہ دینا، مصافحہ کرنا اور سلام کے مسائل

تصویر کے متعلق فتوے

تصویریں دیکھنے، مردوں سے خلوت اختیار کرنے اور ان سے اختلاط کے متعلق فتوے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

اسلام دین فطرت اور ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس طرح اس میں دیگر شعبہ ہائے حیات کی راہنمائی اور سعادت کے لیے واضح احکامات اور روشن تعلیمات موجود ہیں اسی طرح ازدواجی زندگی اور مرد وعورت کے باہمی تعلقات کے متعلق بھی اس میں نہایت صریح اور منصفانہ ہدایات بیان کی گئی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ایک شادی شدہ جوڑا خوش کن اور پُر لطف زندگی کا آغاز کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تعلیمات کسی انسانی فکر و ارتقاء اور جد و جہد کا نتیجہ نہیں بلکہ خالق کائنات کی طرف سے نازل کردہ ہیں جس نے مرد وعورت کو پیدا کیا اور ان کی فلاح و کامرانی کے لیے یہ ہدایات بیان فرمائیں۔

اکثر لوگ ازدواجی راحت وسکون کے حریص اور خواہشمند ہوتے ہیں لیکن اپنے خود ساختہ غلط طرزِ عمل اور قوانین شرعیہ سے غفلت کی بنا پر طرح طرح کی مشکلات اور مصائب کا شکار ہو کر اپنا سکون و اطمینان غارت کر لیتے ہیں، جس سے نہ صرف بذات خود وہ بلکہ ان کے اہل وعیال اور کئی ایک خاندان پریشانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان ازدواجی مصائب اور خانگی مشکلات کے کئی اسباب و وسائل ہیں جن میں سرفہرست احکام شرعیہ سے اعراض، خواہشات کی پیروی، کفار ومشرکین خصوصاً مغربی طرزِ حیات کی اندھی تقلید وغیرہ شمار کیے جا سکتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں قرآن مجید اور صحیح احادیث کے پیش نظر عالم اسلام کے

جید علماء اور نامور مفتیان کرام کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے جس میں ازدواجی زندگی کے متعلقہ مسائل کا شافی حل اور ہر مشکل کا علاج موجود ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خالصتاً کتاب و سنت کی نصوص کو محل استدلال بنایا گیا ہے اور انھی کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا جواب دیا گیا ہے۔

نیز اس مجموعے میں ازدواجی زندگی کے ہر گوشے سے متعلقہ مختلف اور متنوع احکام و مسائل کو یکجا کر دیا گیا ہے لہٰذا ہر کوئی، خواہ مرد ہو یا عورت، اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ کو جنھوں نے احسن پیرائے میں اس کتاب کو عربی زبان سے اردو میں منتقل کیا تاکہ اردو خواں حضرات بھی اس کتاب سے مستفید ہو سکیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ناشر اور جملہ معاونین کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

والسلام

ابو میمون حافظ عابد الٰہی

مدیر

مکتبہ بیت السلام ریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

إن الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ به من شرور أنفسنا ومن سيآت أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له. وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم.

یہ ایک لطیف کتاب ہے جو ہمارے اہل علم آئمہ و مشائخ کے عطر پاشی کرنے والے ان فتوؤں پر مشتمل ہے جن فتوؤں کی شادی کی طرف پیش قدمی کرنے والے جوڑے کو ضرورت ہے۔ ان فتاویٰ کو مختلف بابوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

حسنِ معاشرت، نکاح کے احکام اور اس کے آداب پر مشتمل باب اور طہارت، طلاق، خلع اور بیوی کی نافرمانی کا علاج کرنے کے متعلق احکام پر مشتمل باب، کس چیز کا مطالبہ کرنا جائز اور کس کا مطالبہ ناجائز ہے؟ اور نظر و تصویر کے متعلق احکام کے باب اور اس کے علاوہ ان اہم احکام کے باب جن کی میاں بیوی کو اپنے شب و روز اور عمومی زندگی میں ضرورت ہوتی ہے۔

ہم اللہ بزرگ و برتر سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ان فتاویٰ کے ذریعہ ان کے قارئین ان کے جمع کرنے والے اور ان کی نشر و اشاعت کا کام کرنے والوں کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، یقیناً وہی اس کے لائق اور اس پر قادر ہے۔

عمرو عبدالمنعم سلیم

نکاح اور عورتوں
سے رہن سہن
کے بارے میں فتویٰ جات

شادی سے پہلے کی میل ملاقات

سوال شادی سے پہلے کی میل ملاقات کے متعلق دینِ اسلام کی کیا رائے ہے؟

جواب سائلہ کے اس قول ''شادی سے پہلے'' سے اگر اس کی مراد دخول سے قبل اور عقد نکاح کے بعد کی میل ملاقات ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ عقد نکاح کے ساتھ وہ اس شخص کی بیوی بن چکی ہے، اگرچہ ابھی رخصتی کی رسم ادا نہ ہوئی ہو، اور اگر سائلہ کی مراد وہ میل ملاقات ہے جو عقد نکاح سے قبل، منگنی کے بعد یا اس سے پہلے ہو تو یہ ملاقات حرام ہے، جائز نہیں ہے، کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اجنبی عورت کے ساتھ ہم کلام ہو کر یا نظر بازی کے ساتھ یا اس سے تنہائی اختیار کر کے لطف اندوز ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

《 لا يخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم، ولا تسافر امرأة إلا مع ذي محرم》[1]

''کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ اس کے محرم کے بغیر تنہائی اختیار نہ کرے اور نہ ہی کوئی عورت محرم کے بغیر سفر ہی کرے۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ بلاشبہ مرد اور عورت کا یہ میل ملاپ عقد نکاح کے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4935] صحيح مسلم، رقم الحديث [1341]

بعد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر عقد نکاح سے قبل ہو تو جائز نہیں ہے، اگرچہ انھوں نے منگنی کر لی ہو، اور ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا قبول کر لیا ہو، ایسی حالت میں ان کا آپس میں ملنا حرام ہے، کیونکہ جب تک اس مرد کا اس عورت کے ساتھ نکاح نہیں ہو جاتا بلاشبہ وہ عورت اس کے لیے اجنبی ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا عورت بے نماز آدمی کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر سکتی ہے؟

سوال کیا عورت کے لیے شادی سے انکار کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اس کا باپ ایک بے نماز آدمی سے اس کی شادی کرنا چاہتا ہے؟

جواب وہ اس طرح کے حالات میں توقف کرتے ہوئے حلم کا مظاہرہ کرے، وہ اس طرح کہ شادی سے صاف انکار نہ کر دے، بلکہ کہے: میں ابھی شادی سے کچھ توقف کروں گی، اس دوران اللہ تعالیٰ اس کے باپ کا دل نرم کر دے گا اور وہ اس کی شادی ایسے مرد سے کرنے پر راضی ہو جائے گا جس کو یہ پسند کرتی ہے۔ بعض عورتوں میں سے کوئی ایسی عورت بھی ہوتی ہے جس کو پچیس مرد نکاح کا پیغام دیتے ہیں مگر وہ باوجود عمر رسیدہ ہو جانے کے انکار ہی کرتی جاتی ہے۔ اور ایک عورت وہ ہے جس کے گھر والے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ انکار کرتی ہے، اس کے گھر والے اس کو غصہ دلانے کے لیے (تاکہ وہ غصہ میں آ کر شادی پر آمادہ ہو جائے) اس کو ایک کمرہ میں بند کر دیتے ہیں، نہ تو اس کی بہنوں کو اس سے ملنے دیتے ہیں اور نہ ہی اس کو کمرہ سے نکلنے دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کوئی نیک آدمی میسر کر دے جس

سے اس کے گھر والے اس کی شادی کر دیں تو اس مذکورہ عورت پر لازم ہے کہ وہ صبر کرے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو کوئی نیک آدمی مہیا کر دے، نیز اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہے کہ اللہ اس کے لیے نیک آدمی میسر کر دے۔

(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسے شخص کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دے جو علمی اعتبار سے اس کا ہم پلہ نہیں ہے؟

سوال کیا ایک دیندار عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسے شخص کو انکار کر دے جو اس سے منگنی کرنے کے لیے پیش قدمی کرتا ہے، اور وہ عورت انکار اس لیے کرے کہ وہ اس مرد کی نسبت زیادہ دین کا علم رکھتی ہے، اور اس لیے بھی کہ جب وہ اس سے شادی کرنے پر موافقت کر لے تو وہ اس کی نصیحت کو ہرگز قبول نہیں کرے گا، کیونکہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں، جبکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے شادی کرے جو اس کو مزید دین کا علم سکھائے۔

جواب اس کو انکار کرنے کا حق حاصل ہے، رہا حرمت کا مسئلہ تو ایسے مرد سے شادی کرنا حرام نہیں ہے۔ اللہ رب العزت اپنی کتاب کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ [الحجرات: 13]

”بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بلاشبہ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ علم والا ہے، مذکورہ عورت کسی خاص شخص کے

ساتھ شادی کرنے کی پابند نہیں لیکن اس کے لیے مذکورہ آدمی سے شادی کرنا جائز ہے، البتہ اس کے لیے انکار کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ وہ اپنی مصلحت کو بہتر سمجھتی ہے۔ واللہ المستعان (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

ایک دیندار عورت کا والدین کی اطاعت کرتے ہوئے ایک بے دین آدمی سے شادی کرنا

سوال ایک جوان عورت کا کہنا ہے کہ بلاشبہ ایک باشرع آدمی نے اس سے شادی کرنا چاہی لیکن اس کے باپ نے اس سے میری شادی کرنے سے انکار کر دیا، اور اس نے قسم اٹھائی کہ اگر وہ کسی دیندار لڑکے سے شادی کرے گی تو (عیاذاً باللہ) وہ قیامت تک اپنی اس لڑکی سے بری ہوگا۔ واضح ہو کہ بہت سے بے دین نوجوان اس سے منگنی کرنے کی پیش رفت کر رہے ہیں، کیا یہ لڑکی اگر (باپ کی اطاعت میں) کسی بے دین لڑکے سے شادی کرنا قبول کر لے گی، گناہ گار ہوگی، جبکہ یہ خود دیندار ہے؟ اور کیا یہ لڑکی اس شخص سے، جس کی دینداری اور خوش اخلاقی کو وہ پسند کرتی ہے، شادی نہ کرکے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت کرنے والی شمار ہوگی؟

جواب اس لڑکی کے باپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اس لڑکی پر اس قسم کی قسم اٹھائے کیونکہ یہ معصیت اور نافرمانی کی قسم ہے، اور مذکورہ لڑکی اگر شرعی عدالت کے ذریعہ سے شادی کر سکتی ہے تو اس پر باشرع دیندار نوجوان سے شادی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

عورت کا دیندار شخص سے شادی کرانا

سوال میں ایک طالب علم لڑکی ہوں، لگ بھگ پچیس نوجوانوں نے مجھے نکاح کی پیش کش کی ہے مگر میں نے ان سب کو انکار کر دیا ہے، اس کو آٹھ سال ہوا چاہتے ہیں۔ میں نے ان نوجوانوں کو اس لیے انکار کیا کہ میں نے ان کے متعلق اللہ عزوجل سے استخارہ کیا مگر مجھے ان سے شادی کرنے پہ اطمینان نہیں ہوا، لیکن میرے گھر والے اکثر مجھے شادی نہ کرنے پر ڈانٹتے ہیں اور کہتے ہیں: شادی کے لیے ہمسر آدمی مل جانا کافی ہے، مگر میں نے اپنے دل میں پختہ عزم کر رکھا ہے کہ میں صرف اور صرف ایسے آدمی سے شادی کروں گی جو سنت کا پابند اور اپنے مال، جان اور قلم سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہوگا۔ کیا میرا یہ عزم و ارادہ جائز اور درست ہے؟

جواب ان شاء اللہ یہ جائز ہے، اور نیک ساتھی بھلائی میں معاون بنتا ہے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت نیک ہوتی ہے اور کسی فاسق آدمی سے بیاہ دی جاتی ہے، پس کس قدر جلدی وہ آدمی اس کو غافل کر دیتا ہے اور اس کو بھلائی سے دور کر کے دوسرے کاموں میں مشغول کر دیتا ہے، لہٰذا میں تو اس مذکورہ لڑکی کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے لیے نیک آدمی کو ہی منتخب کرے، اگرچہ اسے اس کے لیے مال ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے اگر یہ لڑکی مالدار ہے۔ اور اگر مرد مالدار نہ ہو تو یہ لڑکی اس کو اپنے پاس لے آئے پھر وہ اس کے بعد اس سے دور ہونے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ پس الجزائر وغیرہ میں بحمد اللہ نیک لوگوں کی کثرت ہے اور نیک لوگ نیک عورتوں سے نکاح کے متمنی ہوتے ہیں۔

کس قدر اچھا ہوگا کہ تم کسی نیک آدمی سے شادی کرلو تاکہ تم ایک نیک خاندان کی بنیاد رکھ سکو اور تاکہ تم کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دے سکو۔ الحمدللہ نیک لوگ بہت زیادہ ہیں، بحمد اللہ میں الجزائر کے کتنے ہی نیک بھائیوں کو جانتا ہوں، حتی کہ ہمارے پاس کتنے زیادہ دیندار نیک سیرت الجزائری طالب علم بھائی موجود ہیں جو اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ وہ کسی نیک عورت سے شادی کرلیں، چاہے ان کو اس عورت کے ساتھ ہمارے ملک یمن میں ہی رہنا پڑے۔ اور وہ ان شاء اللہ امریکہ اور بہت سے دیگر ممالک میں اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے متحرک ہو جائیں گے۔

نیک عورت کو شادی کے لیے خاوند منتخب کرنے کے متعلق صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«تنكح المرأة لأربع خصال: لمالها و لمالها، أو لحسبها و لدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك»[1]

”عورت سے چار خوبیوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے، اس کے مال یا جمال کی وجہ سے، یا اس کے حسب ونسب اور دینداری کی وجہ سے، پس (اے مخاطب!) دیندار عورت سے شادی کر کے کامیابی حاصل کرلو۔“

لہٰذا آدمی کو نیک عورت سے شادی کرنے اور نیک عورت کے نیک مرد سے شادی کے بہتر ہونے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا یہی قول کافی ہے:

«المرء على دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل»[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4802] صحيح مسلم، رقم الحديث [1466]

[2] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [4833]

''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے ہر کوئی یہ دیکھا کرے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے؟''

ہاں مرد کے متعلق یہ شرط نہیں لگائی جاتی کہ اس سے غلطی اور نافرمانی نہ ہوئی ہو کیونکہ شاید دنیا میں کوئی ایسا بندہ نہ ہو جس سے غلطی نہ ہوئی ہو۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: ؎

ومن الذي ترضى سجاياه كلها

كفى بالمرء نبلا أن تعد معايبه

''کون ہوسکتا ہے جس کی تمام عادات کو تو پسند کرتا ہو؟ آدمی کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے عیبوں کو شمار کرلیا جائے۔''

ایک اور شاعر نے کہا: ؎

ولست بمستبق أخاً لا تلمه

على شعث أي الرجال المهذب

''اور تمھیں کوئی ایسا بھائی نہیں ملے گا جس کی پراگندگی پر مہذب لوگ ملامت نہ کرتے ہوں۔''

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم لوگوں سے چشم پوشی کریں۔ اس سے میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں عورت کو کسی فاسق آدمی سے شادی کرنے اور تارک الدنیا زاہد آدمی سے شادی نہ کرنے کا مشورہ دے رہا ہوں، مگر جب کسی عورت کے پاس کوئی علم دوست طالب علم شادی کی غرض سے آئے تو بہت اچھا ہے، لیکن اگر وہ قرآن کا حافظ، دین کا داعی اور اللہ کی راہ میں قلم سے جہاد کرنے والا ہو اور اس کو نیک بیوی میسر آجائے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والی ہو تو مرد کے لیے دنیا ہی جنت ہے۔ واللہ المستعان (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

نیک خاوند کے انتخاب کے لیے بنیادی صفات

سوال خاوند کی وہ کونسی اہم خوبیاں ہیں جن کی بنیاد پر ایک لڑکی اس کو بطور خاوند منتخب کرے؟ نیز کیا دنیوی اغراض کی خاطر نیک خاوند کے ساتھ شادی کرنے سے کنارہ کشی کرنا عورت کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے؟

جواب وہ اوصاف جن کی بنیاد پر کسی عورت کو خاوند کا انتخاب کرنا چاہیے وہ حسن اخلاق اور دینداری ہیں، رہا مال اور حسب ونسب تو یہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اہم چیز یہی ہے کہ خاوند دیندار اور خوش اخلاق ہو، اس لیے کہ عورت کو دین دار اور خوش اخلاق خاوند سے کسی کمی اور نقصان کا خدشہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس کو اپنے پاس ٹھہرائے گا تو اچھے طریقے سے اور اگر بالفرض اس کو چھوڑے گا بھی تو احسان کے ساتھ۔ پھر یہ کہ دیندار شخص عورت اور اس کی اولاد کے حق میں بابرکت ثابت ہوگا، وہ اس طرح کہ یہ اور اس کے بچے اس شخص سے خوش اخلاقی اور دینداری سیکھیں گے، لیکن اگر خاوند ان خوبیوں کا مالک نہ ہو تو عورت کو چاہیے کہ وہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرے، خاص طور پر ایسے لوگوں سے جو ادائیگی نماز میں سست ہیں یا وہ جو تمباکو نوشی کے عادی ہیں۔ العیاذ باللہ

رہے وہ لوگ جو کبھی بھی نماز ادا نہیں کرتے وہ کافر ہیں، ان کے لیے مومن عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ وہ مؤمن عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ سو اہم چیز یہی ہے کہ خاوند کے چناؤ میں عورت خوش اخلاقی اور دینداری کو ہی بنیاد بنائے۔ اگر اچھے نسب والا خاوند میسر آ جائے تو یہ اولیٰ اور بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إذا أتاكم من ترضون دينه و خلقه فأنكحوه»[1]

"جب تمھارے پاس ایسا شخص نکاح کی خاطر آئے جس کی خوش اخلاقی اور دینداری کو تم پسند کرتے ہو تو (اپنی بیٹی اور بہن وغیرہ کا) اس سے نکاح کر دو۔"

لیکن اگر ہمسر خاوند مل جائے تو یہ افضل و بہتر ہے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرنا جس کی طرف اس کا میلان نہیں ہے اگرچہ وہ شخص نیک ہو؟

سوال میں سولہ برس کی جوان لڑکی ہوں، ایک دیندار نوجوان نے، جو ایک مسجد میں مؤذن ہے، مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے لیکن میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی کیونکہ میں اس کو پسند نہیں کرتی، بلکہ میں پیغام نکاح دینے سے پہلے ہی سے اس کو ناپسند کرتی ہوں، تو کیا میرا اس کے پیغام کو رد کرنا اور اس سے کنارہ کشی کرنا مجھے گناہ گار کرے گا حالانکہ وہ ان لوگوں کے زمرے میں آتا ہے جن کو دینداری کی وجہ سے پسند کیا جاتا ہے؟ ہمیں اس مسئلہ میں فتویٰ دیجیے۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب جب تم کسی شخص سے اس کے دیندار ہونے کے باوجود شادی نہیں کرنا چاہتی ہو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس لیے کہ شادی کی بنیاد خاوند کے نیک ہونے کے ساتھ ساتھ دل کا اس کی طرف مائل ہونا بھی ہے، لیکن جب تم اس کو دیندار ہونے کے باوجود ناپسند کرو تو تم ایک مؤمن کو

---

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [1084]

ناپسند کرنے کے حوالے سے گناہ گار ہوگی، اور مؤمن سے اللہ کے لیے محبت کرنا اور اس کی دینداری کی وجہ سے اس کو ناپسند نہ کرنا واجب ہے، لیکن تمھارے لیے اس کی دینداری کو پسند کرنے کے باوجود اس سے شادی کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے، جب تک کہ تمھارا دل اس کی طرف مائل نہ ہو۔ واللہ اعلم (صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

طلب علم کے شوق میں شادی سے بے رغبتی

سوال اس عورت کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے جو کہتی ہے کہ اگر شادی اللہ کی سنت اپنے بندوں پر نہ ہو تو میں شادی نہ کروں، بلکہ میں دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے مکمل طور پر شریعت کا علم حاصل کروں؟

جواب مذکورہ صورت میں حصول علم اس عورت پر واجب نہیں ہے، الا یہ کہ اس کو (مکمل علم حاصل کیے بغیر) کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو، لیکن شادی ایک مرغوب چیز ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

«يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر، وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء»[1]

"اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ شادی کر لے، پس بلاشبہ شادی اس کی نظر نیچی کر دے گی اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت کرے گی۔ اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے، کیونکہ یقیناً روزہ اس کی شہوت کو ختم کر دے گا۔"

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4779] صحيح مسلم، رقم الحديث [1400]

لہٰذا ہم مذکورہ عورت کو شادی کرنے کی نصیحت کرتے ہیں، اور ایسے نیک آدمی سے شادی کرنے کی نصیحت کرتے ہیں جو اس کی دینداری میں اس کا معاون و مددگار ثابت ہو۔ واللہ المستعان (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

منگیتر کو دیکھنے کی حدود

سوال کیا آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت کے، جس سے وہ منگنی کرنا چاہتا ہے، چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ دیگر اعضاء مثلاً اس کے بال اور سینہ دیکھے؟

جواب مجھے جو بات صحیح محسوس ہوتی ہے (واللہ اعلم) بلاشبہ یہ جائز ہے، بشرطیکہ یہ دیکھنا پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت نہ ہو۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان اسی بات کی تائید کرتا ہے:

«إذا ألقي في قلب أحدكم خطبة امرأة فلينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها» [1]

''جب تم میں سے کسی شخص کے دل میں کسی عورت کو پیغام نکاح دینے کے متعلق کوئی بات ڈال دی جائے تو وہ اس چیز کو دیکھ لے جو اس کو اس کے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ کر رہی ہے۔''

رہا پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت تو پھر چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ کسی عضو کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا آدمی کے لیے اس عورت کو دیکھنا جائز ہے جس سے وہ منگنی اور نکاح کرنے کا پروگرام رکھتا ہے؟

جواب ہاں اس کو دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ عمل اس آدمی اور عورت کے ولی امر

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2082]

کے اتفاق سے ہو تو مرد اس کی ہتھیلیاں اور چہرہ دیکھ سکتا ہے، لیکن جب یہ عمل عورت کی بے خبری میں ہو تو مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کی اس چیز کو دیکھ لے جو اس کو اس کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ کر رہی ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنے اور اس عورت کے درمیان پہلے سے طے شدہ پروگرام کے بغیر اچانک اس عورت کو دیکھے (تو وہ اپنی مرغوب چیز دیکھ سکتا ہے) لہٰذا اس معاملہ کی دو حالتیں ہیں:

۱۔ یا تو عورت کے ولی کی اجازت سے قصداً دیکھا جائے تو ایسی صورت میں وہ صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھ سکتا ہے۔

۲۔ اگر اچانک عورت کو بتائے بغیر دیکھا جائے تو وہ اس صورت میں عورت سے جو اس کو میسر آئے دیکھ سکتا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

لیکن اگر مرد عورت کے ولی کے ساتھ ہو اور وہ عورت کو اس حال میں دیکھے کہ وہ اپنے گھر میں زیب و زینت کے ساتھ بے تکلف سر سے دوپٹہ اتارے ہوئے ہو تو ایسی حالت میں اس کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا نکاح کا پیغام دینے والے کے لیے اپنی منگیتر کو دیکھنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس حد تک؟ کیا وہ صرف اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے یا اس کے دیگر اعضاء بھی؟

جواب جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے جب ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی منگیتر کو دیکھ لیں، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اپنی منگیتر کو دیکھنے کا حکم دیا کہ وہ اس

چیز کو دیکھ لیں جس کی وجہ سے ان کو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت ہوئی ہے۔ اگر وہ چیز چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، تو اگر عورت کی پنڈلیوں کا کچھ حصہ ظاہر ہو تو اس کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ تو چھوٹی ہے! بہر حال میں اس کو آپ کے پاس بھیجوں گا اگر وہ آپ کو پسند آئے تو میں آپ سے نکاح کر دوں گا۔ جب وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو (عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز دیتے ہوئے) کہنے لگی: میرا باپ کہتا ہے یہ ہے وہ چیز جو ہمارے پاس ہے۔ اور (یہ کہہ کر) وہ چیز عمر رضی اللہ عنہ کو دے دی، تو عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم کی پنڈلیوں کو کھولا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ امیر المؤمنین نہ ہوتے تو میں آپ کی ناک توڑ دیتی۔ اور غصے سے اپنے باپ کے پاس چلی جاتی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بیٹی! بلاشبہ وہ تمھارے شوہر ہیں۔ پھر بعض دینی بھائیوں نے مجھے بتایا کہ یہ قصہ سنداً ضعیف ہے۔

بہر حال نکاح کا پیغام دینے والے کے لیے اپنی منگیتر کی وہ چیز دیکھنا جائز ہے جو اس کو اس کے ساتھ نکاح کرنے پر ابھارتی ہے، اور وہ عورت بھی مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ اور جب زوجین میں کوئی عیب ہو تو میں ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس کو ظاہر کر دیں تاکہ بعد میں ان کے تعلقات متاثر نہ ہوں۔

اور مرد کو چاہیے کہ وہ عورت کے محرم کی موجودگی میں اس کو دیکھے، اور اگر وہ یہ طاقت رکھتا ہے کہ منگیتر کو دور سے ہی دیکھ لے ایسی جگہ سے جہاں سے عورت اس کو نہیں دیکھ رہی، اور عورت مرد کو آتے جاتے ہوئے دیکھ لے تو یہ اچھا اور بہتر ہے، اور جب ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو (نکاح کا پیغام دینے والے)

مرد کے لیے (مخطوبہ) عورت کو اور عورت کے لیے مرد کو (قریب سے) دیکھنا جائز ہے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

مرد کا اپنی منگیتر کے پاس قرآن مجید حفظ کرانے کے لیے جانے کا حکم

سوال میں نے ایک عورت سے منگنی کی اور الحمدللہ منگنی کے دوران میں نے اس کو قرآن مجید کے بیس پارے حفظ کرائے۔ میں محرم کی موجودگی میں اس کے پاس بیٹھ جاتا ہوں اور وہ شرعی پردے کی پابندی کرتی ہے۔ الحمد للہ ہماری مجلس میں صرف دینی گفتگو ہوتی ہے یا قراءتِ قرآن کے متعلق بات چیت ہوتی ہے جبکہ ملاقات کا وقت بھی تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ کیا ہماری یہ ملاقات شرعاً غلط تو نہیں ہے؟

جواب یہ مناسب اور لائق نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ احساس کہ اس کے پاس بیٹھنے والی اس کی منگیتر ہے غالباً اس کی شہوت کو بھڑکائے گا۔ اور زوجہ اور مملوکہ لونڈی کے علاوہ کسی پر شہوت کا ابھرنا حرام ہے، اور جو چیز حرام کی طرف لے جاتی ہے وہ بھی حرام ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

منگیتر سے ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کا حکم

سوال کیا مرد کا اپنی منگیتر سے ٹیلی فون پر گفتگو کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب مرد کے اپنی منگیتر کے ساتھ ٹیلی فون پر گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ عورت اس کے پیغام نکاح کو قبول کر چکی ہو اور یہ گفتگو مفاہمت پیدا کرنے کے لیے بقدر ضرورت ہو تو اس میں کسی فتنے کا ڈر نہیں ہے۔ اور اگر یہ بات چیت عورت کے ولی کی معرفت سے ہو تو زیادہ بہتر اور شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

رہے وہ مکالمات جو ایسے مردوں اور عورتوں، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ہوتے ہیں، جن کی آپس میں منگنی نہیں ہوئی ہوتی اور وہ یہ مکالمات اس غرض کے لیے کرتے ہیں جس کا نام وہ ''تعارف'' رکھتے ہیں، یعنی ایک دوسرے کی جان پہچان حاصل کرنے کے لیے تو یہ منکر اور حرام ہیں، فتنے کو دعوت دیتے ہیں اور بے حیائی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ [الأحزاب: 32]

''تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔''

عورت اجنبی مرد سے کسی ضروری کام سے ہی بات چیت کرے اور وہ بات چیت بھی ایسے معروف طریقے سے ہو جس میں کوئی فتنہ اور شک وشبہ نہ ہو۔ اور یقیناً علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ بلاشبہ احرام باندھنے والی عورت تلبیہ پکارتے وقت اپنی آواز کو بلند نہ کرے۔ اور حدیث میں ہے:

«إذا نابكم شيء في صلوتكم، فليسبح الرجال، ولتصفق النساء»[1]

''جب تمھیں اپنی نماز میں کوئی چیز پیش آ جائے تو (خبردار کرنے کے لیے) مرد حضرات ''سبحان اللہ'' کہیں اور عورتیں الٹے ہاتھ پر ہاتھ ماریں۔''

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت مردوں کو اپنی آواز نہ سنائے، مگر ایسے حالات میں جب اسے مردوں سے ہم کلام ہونے کی اشد

---

[1] صحيح. سنن الدارمي [365/1]

ضرورت ہو اور وہ ان سے شرم و حیا کے ساتھ ہم کلام ہو۔ (واللہ اعلم)

(صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

غیر شرعی طریقوں سے شادی میں رکاوٹ کھڑی کرنے کا حکم

اس شخص کو جو مختلف حرکتوں اور حق مہر میں غلو کے ذریعہ شادی میں رکاوٹ ڈالتا ہے حد لگائی جائے گی اس لیے کہ وہ ایسا فساد برپا کرنے کا سبب بنتا ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان میں اشارہ کیا ہے:

«إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد كبير»[1]

''اگر تم (اس شخص سے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو، اپنی بیٹی بہن وغیرہ کی) شادی نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ کھڑا ہوگا اور بہت زیادہ فساد پھیلے گا۔'' (محمد ناصر الدین الالبانی ﷫)

حق مہر میں غلو کرنے کا حکم

سوال حق مہر میں غلو کرنے کے متعلق دین اسلام کا کیا موقف ہے؟

جواب شریعت نے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس پر معمولی خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اور عورتوں کے حق مہر اور ولیموں کی محفلیں منعقد کرنے میں بہت زیادہ خرچ اٹھانے سے منع کیا ہے۔ یہ مسئلہ معروف و مشہور ہے، علماء ہمیشہ اپنی تصنیفات اور کتب میں اس کی نشر و اشاعت کرتے رہے ہیں، اور منبر پر اس مسئلہ پر خطبے ارشاد فرماتے رہے ہیں۔

(عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین ﷾)

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [1084].

قرآن میں حق مہر کی مقدار

سوال حق مہر کے متعلق قرآن کا کیا حکم ہے؟

جواب حق مہر محدود نہیں ہے، نہ تو کم از کم حق مہر کی کوئی حد ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے نکاح کی خواہش رکھنے والے ایک شخص کو کہا:

«التمس ولو خاتما من حديد»[1]

"(حق مہر کے لیے) لوہے کی کوئی انگوٹھی ہی لے آؤ۔"

اور نہ ہی اکثر حق مہر کی کوئی حد ہے:

﴿ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ [النساء: 20]

"اور اگر تم کسی بیوی کی جگہ اور بیوی بدل کر لانے کا ارادہ کرو اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح گناہ کر کے لو گے؟"

ہماری دلیل اور گواہی آیت کے اس ٹکڑے میں ہے:

﴿ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا ﴾ [النساء: 20]

"اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو۔"

لیکن زمانہ جاہلیت جیسی حرص اور لالچ اب بھی مسلمانوں کے اندر موجود ہے، لہٰذا آدمی پر واجب یہ ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی ایسے شخص سے کر دے جو اپنے مال میں سے کچھ (اس لڑکی کو بطور حق مہر) عطا کرے، اور اگر وہ اس کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت کے مطابق

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4842]

ہی پابند بناتے ہیں۔ میں نہیں کہوں گا کہ تم اپنے مال سے کچھ دو جبکہ تم کسی چیز کے مالک نہیں ہو، لیکن تمھارے ساتھ تمھاری استطاعت کی حدود میں رہتے ہوئے نرمی کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ واللہ المستعان (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

عقدِ نکاح میں ولایت کا حکم

سوال ایک عورت نے شادی کی، عقدِ نکاح میں اس کا ماموں اس کا ولی تھا، وہ اس عقد کی صحت کے متعلق سوال کرتی ہے۔

جواب یہ نکاح ولی کے نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ ولی کا ہونا نکاح کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے، رہا ماموں تو وہ نکاح میں ولی نہیں بن سکتا۔ اور جب ولی نہ ہو تو نکاح فاسد ہوتا ہے، جمہور اہل علم کا یہی قول ہے اور (امام احمد بن حنبل کے) مذہب میں بھی مشہور قول یہی ہے۔

اہل علم نے اپنے اس قول کی دلیل اس حدیث سے لی ہے جو ابو موسیٰ اشعری نے روایت کی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا نكاح إلا بولي»[1] ”ولی کے بغیر نکاح (صحیح) نہیں ہے۔“

اس کو احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور ابن مدینی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها فنكاحها باطل، باطل، باطل، فإن دخل بها، فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له»[2]

”جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود اپنا نکاح کر لے تو اس کا

---

[1] صحیح. سنن أبي داود [2085] سنن الترمذي، رقم الحديث [1101]

[2] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2083]

نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ پس اگر مرد نے (ولی کی اجازت کے بغیر کیے جانے والے نکاح کے ذریعہ) اس عورت سے دخول کیا تو مرد کے اس کی شرمگاہ کو حلال کرنے کی وجہ سے عورت حق مہر کی مستحق ہوگی، اور اگر ان کا ولی کے متعلق اختلاف ہو جائے تو جس کا کوئی ولی نہ ہو بادشاہ اس کا ولی ہے۔''

اس کو احمد، ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اگر ان میں سے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس سے دھوکا ہوا ہے تو اس کی سماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک (ولی کے بغیر کیے گئے) نکاح کو باقی رکھنا چاہتا ہوتو (ولی کی اجازت سے) ان کا نیا نکاح کیا جائے گا اور عورت کو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس عورت کے رحم میں اسی مرد کا پانی داخل ہوا ہے۔ اور اگر وہ اس نکاح کو جاری نہیں رکھنا چاہتے تو ان کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی، اور مرد پر لازم ہوگا کہ وہ اس عورت کو طلاق دے، کیونکہ فاسد نکاح طلاق کا محتاج ہوتا ہے، پھر اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی اس نکاح کو فسخ کر دے گا۔ (محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

سوال اس عورت کے متعلق کیا حکم ہے جو ایک شہر میں تھی اور اس کا ولی کسی دوسرے شہر میں، اس عورت نے ولی سے رابطہ ممکن ہونے کے باوجود اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا۔ کیا اس کا ایسے نکاح کرنا درست ہے؟

جواب یہ نکاح باطل ہے، اس لیے کہ سنن اربعہ میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا نكاح إلا بولي» [1] ''ولی کے بغیر نکاح (صحیح) نہیں ہے۔''

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2085]

لیکن جب عورت کسی شخص سے جھوٹ بولتے ہوئے کہے کہ وہ نہیں جانتی کہ اس کا ولی کہاں ہے؟ تو وہ شخص اس سے شادی کر لے، پھر بعد میں یہ عورت اس کو (صحیح) خبر دے دے تو یہ عقد بظاہر صحیح اور درست ہے۔ اور یہ صحیح صورت حال واضح ہونے تک عقد شبہہ ہوگا۔ جب صورت حال واضح ہوجائے تو مذکورہ شخص کو تجدید عقد کیے بغیر اس عورت کے پاس آنا جائز نہیں ہوگا، الا یہ کہ ولی آجائے اور نکاح سے روک دے تو عورت اس مسئلہ کو قاضی کے پاس لے جائے گی اور قاضی اس کا عقد کرے گا۔ اگر اس نکاح کے نتیجہ میں اولاد بھی ہو تو اولاد اپنے باپ کے تابع ہوگی، کیونکہ یہ عقد شبہ ہے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

عورت کے لیے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کرنا جائز نہیں ہے

سوال کیا کنواری لڑکی کے لیے اپنے باپ کی اجازت کے بغیر شادی کرنا جائز ہے؟ اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا دوستی کی آڑ میں ٹیلی فون پر مکالمات کرنے اور ایک دوسرے کو "میسج" (SMS) کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب عورت کے لیے اپنے باپ کی اجازت کے بغیر شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کا ولی ہے اور وہ اس سے بہتر نظر و فکر کا مالک ہے، لیکن باپ کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو نیک اور ہمسر آدمی کے ساتھ شادی کرنے سے روکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إذا أتاكم من ترضون دينه وأمانته فزوجوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد كبير»[1]

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [1084]

''جب ایسا شخص تمھیں پیغام نکاح دے جس کا دین و امانت تم کو پسند ہے تو اس سے نکاح کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنا برپا ہوگا اور بڑا فساد پھیلے گا۔''

لڑکی کے لیے بھی ایسے شخص سے شادی کرنے کے لیے اصرار نہیں کرنا چاہیے جس کو اس کا باپ پسند نہ کرتا ہو، کیونکہ اس کا باپ اس معاملے میں اس سے زیادہ گہری نظر رکھتا ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ نہیں جانتی کہ شاید اس کی بہتری اس شخص سے شادی نہ کرنے میں ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ عَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرۃ: 216]

''اور ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے دعا کرتی رہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک خاوند عطا کرے۔ بہرحال کسی لڑکی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے اور کسی لڑکے کے ساتھ مکالمات اور پیغامات کا تبادلہ ہو، کیونکہ اس طرح نوجوان لڑکے اس لڑکی کی طرف للچائی نظروں سے دیکھنے لگیں گے اور اس کا انجام قابل ستائش نہیں ہوگا۔ نیز ایسا کرنا لڑکی کو بے حیا بنا دے گا، لہٰذا اس طرح کے کاموں سے انتہائی زیادہ پرہیز کرنا چاہیے۔ (صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

بیوی کے حقوق وفرائض

سوال بیوی کے حقوق وفرائض کیا ہیں؟

جواب شریعت میں بیوی کے حقوق وفرائض کی تعیین نہیں ہے، بلکہ ان کے

لیے عرف عام کی طرف رجوع کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو صرف یہ ہے:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [البقرۃ: 228]

''اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے۔''

عرف عام میں بیوی کے جو حقوق ہیں وہی مرد پر واجب ہوں گے، اور جو حقوق عرف عام سے ثابت نہیں ہیں وہ مرد پر واجب نہیں ہوں گے، الا یہ کہ عرف عام شریعت کے مخالف ہو، کیونکہ عرف عام میں بھی شریعت معتبر ہوگی، مثلاً اگر عرف عام میں عورت کا یہ حق ہو کہ مرد اپنے گھر والوں کو نماز اور حسن خلق کا حکم نہیں دے سکتا تو یہ عرف باطل ہوگا، لیکن جب عرف عام شریعت کے مخالف نہ ہو تو مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے حقوق کے معاملے کو عرف عام کی طرف ہی رد کیا ہے۔

لہٰذا گھروں کے سربراہوں پر واجب ہے کہ اللہ نے ان کو جن کا ذمہ دار بنایا ہے وہ ان کے معاملے میں اللہ سے ڈریں اور ان کو آزاد نہ چھوڑ دیں۔ ہم کئی آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی مذکر و مؤنث اولاد کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں، وہ ان کے متعلق دریافت تک نہیں کرتے کہ کون گھر میں موجود ہے اور کون موجود نہیں ہے، اور نہ ہی وہ اپنی اولاد کے ساتھ مجلس کرتے ہیں۔ ایک آدمی کو اپنے بیوی بچوں سے میل ملاقات کیے بغیر مہینہ مہینہ اور دو دو مہینے گزر جاتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بلکہ ہم اپنے بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ گھرانے کی

شیرازہ بندی اور اس کے اتحاد و اجتماع کے حریص بن جائیں اور اس کے لیے وہ صبح و شام کا کھانا اکٹھے کھایا کریں۔ لیکن عورت اجنبی مردوں کے ساتھ میل ملاقات نہ رکھے۔ اب لوگوں کے ہاں یہ ایک منکر خلاف شریعت رواج چل پڑا ہے کہ غیر محرم مرد اور عورتیں اجتماعی طور پر مل جل کر کھانا کھاتے ہیں، ہم اللہ سے سب کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ذمی (نصرانی) عورت کے حقوق

سوال مسلمان بیوی کے مقابلے میں نصرانیہ بیوی کے کیا حقوق ہیں؟

جواب لباس، نان ونفقہ، رہائش، حسن معاشرت، عدم ظلم اور اس کے ساتھ دوسری بیوی ہونے کی صورت میں عدل کرنا جیسے حقوق میں مسلمان اور نصرانیہ دونوں عورتیں یکساں ہیں۔ وباللہ التوفیق (سعودی فتویٰ کمیٹی)

بیوی کے مالکانہ حقوق

سوال میں نے اپنی وراثت اپنی ماں کو دے دی ہے تو کیا میرے خاوند کو مجھ پر اعتراض کرنے کا حق ہے؟ نیز کیا خاوند کو بیوی کے اموال اور تنخواہ میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے؟

جواب بیوی اپنے مال کی مالک ہے اور اس کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے، وہ اس میں سے ہدیہ دے، صدقہ کرے، اپنے قرض دار کو قرضہ معاف کر دے اور اپنے قریبی یا دور کے رشتہ دار میں سے جس کے لیے چاہے قرض اور وراثت جیسے اپنے حق سے دست بردار ہو جائے، جب وہ عقلمند اور سمجھدار ہو اس کے خاوند کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اس

کا خاوند اس کی رضا کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرنے کا بھی حق نہیں رکھتا۔ لیکن جب بیوی کوئی ایسا شغل اختیار کرے جس کی وجہ سے وہ اپنے خاوند کے کسی حق کو ادا کرنے سے قاصر ہو تو خاوند اس کو اس سے روک سکتا ہے۔ زوجین کا بیوی کی تنخواہ کو یوں تقسیم کرنا جائز ہے کہ خاوند اس سے بیوی کو نوکری کرنے کی اجازت دینے اور اس کو لانے اور لے جانے کے عوض میں اس کی تنخواہ سے کچھ لے سکتا ہے۔ (عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین ﷾)

بیوی کا خاوند کے مال سے حج کرنا

سوال کیا میری فقیرہ بیوی کے لیے میرے خاص مال سے حج کرنا جائز ہے یا نہیں، جبکہ وہ اپنا فریضہ حج ادا کر چکی ہے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے، جبکہ اس نے اپنا فرض حج ادا کر لیا ہو، اور اللہ تعالیٰ تمھارے اس پر احسان کرنے کی وجہ سے تمھیں بہتر بدلہ عطا کرے گا۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

خاوند کو بتائے بغیر اس کے مال سے خرچ کرنے کا حکم

سوال میرا خاوند مجھے اور میرے بیٹوں کو خرچ نہیں دیتا، اور ہم بعض اوقات اس کو بتائے بغیر اس کا کچھ مال لے لیتے ہیں تو کیا ہمیں اس پر گناہ ہوگا؟

جواب عورت کے لیے اپنے لیے اور اپنی اس اولاد کے لیے جو ابھی کام کاج کر کے اپنی ضروریات زندگی فراہم کرنے سے قاصر ہے، معروف طریقے سے اپنے خاوند کا مال اسے بتائے بغیر لینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اس میں اسراف اور فضول خرچی کی مرتکب نہ ہو، اور ایسا کرنا اس وقت جائز ہے

جب اس کا خاوند اس کی جائز ضروریات پوری نہ کرتا ہو۔

دلیل اس کی بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک ابوسفیان (میرا خاوند) میری اور میرے بیٹوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مال نہیں دیتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خذي من ماله بالمعروف ما يكفيك و يكفي بنيك))[1]

''تو اس کے مال سے اتنا لے لیا کر جتنا تیری اور تیرے بیٹوں کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔''

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

نکاح میں جائز شرائط

سوال عورت کے لیے پیغام نکاح بھیجنے والے پر کونسی شرائط عائد کرنا مشروع ہے؟ کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ شرط لگائے کہ وہ اس کو الگ گھر بنا کر دے تاکہ وہ اپنے خاوند کے بھائیوں کے ساتھ اختلاط سے بچ سکے اور اپنی اولاد کی اسلامی تربیت کرتے ہوئے ان کو بگاڑ سے بچا سکے؟

جواب اگر تو اس کا اپنے خاوند کے قریبیوں سے دور رہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ ان کے ساتھ رہے گی تو ان سے (ناجائز) اختلاط کا شکار ہو جائے گی تو اس کے الگ گھر کی شرط لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر یہ مقصد نہیں ہے تو وہ یاد رکھے کہ اللہ رب العزت اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

﴿ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ ﴾ [طلاق: 6]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1714]

''انھیں وہاں سے رہائش دو جہاں تم رہتے ہو، اپنی طاقت کے مطابق۔''

لہٰذا اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ خاوند کو ایسا الگ گھر بنانے کی تکلیف دے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو، اور عورتوں میں سے بہتر عورتیں وہ ہیں جو کم خرچ کرنے والی ہوں۔ لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنے خاوند سے وہی مطالبے کرے جن کی وہ استطاعت رکھتا ہو۔

ام سلیم، کیا کہنے ام سلیم کے؟ جب ابو طلحہ نے (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ان سے شادی کرنے کی خواہش کی تو ام سلیم نے کہا: اے ابو طلحہ! تیرے جیسے ذی وقار اور مالدار سردار کے پیغامِ نکاح کو رد نہیں کیا جاتا، لیکن رکاوٹ یہ ہے کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں اور مسلمان عورت کا کافر آدمی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ ابو طلحہ نے کہا: میں اس معاملے میں غور وفکر کروں گا۔ پھر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا اور ام سلیم سے شادی کر لی اور ابو طلحہ کے اسلام قبول کرنے کو ہی ام سلیم کا حق مہر مقرر کیا گیا۔ اس وقت یہ بات مشہور تھی کہ مسلمانوں میں ام سلیم رضی اللہ عنہا سے بہتر کسی کا حق مہر نہیں ہے۔ لہٰذا عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے خاوند کی معاون و مددگار بن کر رہے جیسا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت کیا کرتی تھی۔

رہی (مناسب اور لائق) شرطیں تو وہ اس پر شرط لگائے کہ وہ اس کو رہائش فراہم کرے، اور مفید علم کے حصول میں اس کی مدد کرے اور گھر میں ایسے آلات لہو ولعب اور آلات موسیقی نہ لائے جو اس کے اور اس کی اولاد کے بگاڑ کا سبب بنیں۔ ان تمام چیزوں سے قطع نظر اس کی اولین ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ وہ نیک آدمی کو اپنے نکاح کے لیے منتخب کرے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک فاسق و

فاجر آدمی، جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی ہے، بوقت نکاح اس کی شرطیں مان لے اور بعد میں ان کو پورا نہ کرے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

تعدد ازواج عنوست (کنواری لڑکی کا بغیر شادی کے بوڑھی ہونا) کا بہترین حل

سوال کیا یہ خیال کرنا صحیح ہے کہ عنوست (کنواری لڑکی کا بن شادی کے پڑی رہنا جو ہمارے معاشرے میں عام ہے) کا بہترین حل یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کی جائیں؟

سوال ہاں! بلاشبہ عنوست کا مسئلہ تعدد ازواج کے اسباب میں سے ہے، عورت کا کسی آدمی سے شادی کرنا جو اس کی کفالت کرے اور اس کی عزت و عصمت کی حفاظت کرے اور عورت کو اس آدمی سے اولاد بھی ہے تو بھلے وہ چوتھی جگہ پر ہو اس کے لیے بن شادی کے، شادی کے فوائد سے محروم اور فتنوں کی آماجگاہ بن کر رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ اور یہ مشروعیت تعدد ازواج کی حکمتوں میں سے ایک بہت بڑی حکمت ہے۔ یہ مرد کی نسبت عورت کے حق میں زیادہ بہتر ہے، اور عورت کے لیے سوکناپے کی تکلیف و مشقت کو برداشت کرنا شادی کی یقینی مصلحتوں سے محروم رہنے سے بہتر اور افضل ہے۔ اور عقلمند ہمیشہ مصالح اور مفاسد، منافع اور مضرتوں کا تقابل کیا کرتا ہے اور جونسی چیز راجح ہوتی ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے، لہٰذا اس اصول کے تحت شادی کے فوائد تعدد ازواج کی مضرت سے راجح ہیں۔ واللہ اعلم

(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

بیوی کا اپنے خاوند کی خدمت بجا لانا

سوال کیا بیوی کا اس کھانے کی تیاری پر اجرت لینا جائز ہے جو وہ اپنے لیے اور خاوند کے لیے تیار کرتی ہے؟

جواب عورت پر واجب ہے کہ وہ اس مسئلہ میں بغیر اجرت کے اپنے گھر میں کام کرتے ہوئے ملک کے مروجہ طریقے پر عمل کرے، کیونکہ ملک کا رواج اور عرف شروط کے درجہ میں ہے، اور ہمارے ملک میں یہی عادت اور رواج ہے کہ عورت ہی کھانا پکانے کا کام اور دیگر گھر کے کام کاج کرتی ہے، لہٰذا یہ اس پر واجب ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

خاوند کی بدسلوکی کی وجہ سے بیوی کا خدمت سے رک جانا

سوال کیا عورت کے لیے اپنے خاوند کی خدمت اور اس کے گھر کے کام کاج سے رکنا جائز ہے جبکہ اس کا خاوند اس سے بدسلوکی کرتا ہو؟

جواب خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی سے بدسلوکی کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

اور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«وإن لزوجك عليك حقا»[1]

''بلاشبہ تیری بیوی کا تم پر حق ہے۔''

جب خاوند اپنی بیوی سے بدسلوکی کرے تو بیوی کو چاہیے کہ وہ اس کے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1873] صحيح مسلم، رقم الحديث [1159]

مقابلے میں صبر کرے اور اس کے ذمہ جو خاوند کا حق ہے اس کو ادا کرتی رہے، تاکہ اس کو اس کا اجر ملے، اور شاید اس کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے خاوند کو ہدایت عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴾

[فصلت: 34]

''اور نہ نیکی برابر ہوتی ہے اور نہ برائی، (برائی کو) اس (طریقے) کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہے تو اچانک وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا جیسے وہ دلی دوست ہے۔''

(صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

بیوی کا اپنے خاوند کے والدین کے ساتھ رہنا

سوال میری ایک بیوی ہے جو میرے والدین کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہوتی، حالانکہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز بھی پیش نہیں آئی جو ان کی دوری کا باعث بن سکے، کیا میری بیوی کا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب بیوی کے لائق یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر والوں یعنی اس کی ماں، باپ، بھائی اور قریبیوں کے ساتھ نرمی کرے اور ان کے ساتھ قابل ستائش زندگی بسر کرے، اس میں اس کی اور اس کے خاوند کی سعادت ہے۔ اور بعض وہ چیزیں جن کو وہ ناپسند کرتی ہے ان پر وہ صبر کرتے ہوئے ثواب کی امید رکھے۔ جب اس کو اس قسم کی کسی ناگوار بات کا سامنا ہو تو

وہ صبر کو لازم پکڑے اور اپنے خاوند کے خاندان اور گھر والوں کو ناراض نہ کرے، کیونکہ اس بار بار کی مخالفت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غلط فہمی اس کے خاوند کو طلاق دینے پر آمادہ کر سکتی ہے، اور اس طرح شادی کا بندھن ٹوٹ جائے گا۔ ظاہر ہے ان کے بچے بھی ہوں گے تو ذرا تصور کیجیے کہ ان کی جدائی کے بعد بچوں کا کیا حال ہوگا؟ بلاشبہ وہ اپنی والدہ کے اپنے خاوند اور ان کے والد سے جدا ہونے کے بعد اچھی حالت میں نہیں ہوں گے، لہٰذا یہ عورت اپنا محاسبہ کرے اور رشد و بھلائی کی طرف لوٹ آئے۔ مگر جب اختلاف حد سے بڑھ جائے تو اس کے فیصلے کے لیے قاضی کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ کیا قاضی اس عورت کو مجبور کرے گا کہ وہ خاوند کے گھر والوں کے ساتھ ہی زندگی بسر کرے یا وہ ایسا نہیں کرے؟ یا اس معاملہ میں کوئی اور تفصیل ہو تو قاضی ہی اس کی وضاحت کرے گا، بہر حال میں عمومی طور پر اس عورت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اوپر جبر کرے تاکہ وہ زندگی کے معاملات میں اپنے خاوند کی معاون بن سکے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حجرہ عروسی میں عورت کا مستقل قیام

سوال کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مخصوص کمرے میں ہی سویا کرے جبکہ وہ اپنے خاوند کو شرعی حق دینے سے محروم نہ کرے؟

جواب جب خاوند ایسا کرنے پر راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ اس کا وہ مخصوص کمرہ پر امن ہو۔ اور اگر اس کا خاوند ایسا کرنے پر راضی نہ ہو تو

اس کو اس علیحدگی کا حق نہیں ہے، کیونکہ یہ عرف کے خلاف ہے۔ ہاں ایک صورت میں اس کی اجازت ہے جب بیوی عقد نکاح کے وقت شرط لگا لے کہ وہ کسی وجہ سے یہ پسند نہیں کرتی کہ کوئی اس کے ساتھ کمرے میں رات گزارے، کیونکہ مسلمان اپنی شرطوں کو پورا کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔
(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خاوند کی وفات کے بعد شادی نہ کرنے کا حکم

سوال کیا بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے پہلے خاوند کی وفات کے بعد شادی نہ کرے؟ یا آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حکم دے کہ اگر وہ اپنی بیوی سے پہلے فوت ہوجائے تو اس کی بیوی کسی مرد سے شادی نہیں کرے گی؟

جواب عورت کے لیے اپنے خاوند کی وفات کے بعد شادی کرنے سے رکنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنا صرف نبی کریم ﷺ کی بیویوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور نہ ہی خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی وفات کے بعد اپنی بیوی کو شادی کرنے سے روکے، اور نہ ہی بیوی کے لیے لازم ہے کہ وہ اس بات میں اپنے خاوند کی اطاعت کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إنما الطاعة في المعروف»[1]

”(مخلوق کی) اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہے (معصیت میں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں)۔“ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6726] صحيح مسلم، رقم الحديث [1840]

خاوند کی اطاعت کو والدین کی اطاعت پر مقدم کرنا

سوال یہ بات معلوم ہے کہ حدیث کے مطابق بیوی اپنے خاوند کی اطاعت کرنے کی پابند ہے، اور نیز اس کو اللہ کی نافرمانی کے علاوہ اپنے والدین کی اطاعت کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، جب ان دونوں اطاعتوں میں تعارض ہو جائے تو کونسی اطاعت مقدم ہوگی؟

جواب بلاشبہ عورت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کی پابند ہے اور اللہ ہی کی اطاعت میں اس کو اپنے خاوند اور اپنے والدین کی اطاعت کرنے کا بھی حکم ہے، مگر جب مخلوق میں سے مثلاً باپ یا خاوند کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو اس کی اطاعت جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إنما الطاعة في المعروف»[1]

''(مخلوق کی) اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہے (معصیت میں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں)۔''

اور نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق»[2]

''خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین کا حق مقدم ہے اور اللہ عزوجل کے حق کے بعد والدین کے حق کا ہی درجہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6726] صحيح مسلم، رقم الحديث [1840]

[2] صحيح. مسند أحمد، رقم الحديث [1095]

اِحْسَانًا﴾ [النساء: 36]

’’اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔‘‘

اور چونکہ والدین کا حق تاکیدی حق ہے، لہٰذا جب خاوند اپنی بیوی کو والدین کی معصیت اور نافرمانی پر مجبور کرے تو بیوی اس میں اپنے خاوند کی اطاعت نہیں کرے گی، کیونکہ والدین کا حق خاوند کے حق سے مقدم ہے، پس جب خاوند بیوی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اپنے والدین کی نافرمانی کرے تو بیوی اس میں اپنے خاوند کی اطاعت نہ کرے، کیونکہ والدین کی نافرمانی معصیت ہے اور شرک کے بعد کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

حصول علم اور گھریلو ذمہ داری میں موافقت پیدا کرنا

سوال ایک طالبہ ہے جو مسجد میں علم حاصل کرتی ہے، گھر واپس لوٹنے پر حاصل کیے ہوئے علم کا مراجعہ کرنا اور اس کو دہرانا ضروری ہوتا ہے، اس کام کے لیے کافی سے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتی ہے کہ گھر کے کام کاج بھی اس کے منتظر ہیں اور اپنی ماں کا ہاتھ بٹانا بھی لازمی اور ضروری ہے، گھر کا کام کاج کرنے میں اس کا سارا وقت صرف ہوجاتا ہے، جبکہ طلب علم مکمل فراغت کا تقاضا کرتا ہے، لہٰذا اگر وہ کام کاج کرے تو زیادہ علم حاصل نہیں کر پائے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ گھر کے کام اور طلب علم کے لیے فراغت میں کیسے موافقت پیدا کرے؟

جواب اگر وہ طلب علم کے لیے دنیاوی کاموں سے چھٹکارا پا سکتی ہے تو وہ ضرور

ایسا کرے، اور میں اس کو یہی نصیحت کرتا ہوں۔ اور اگر وہ کلی طور پر چھٹکارا نہیں حاصل کر پاتی تو وہ اپنے وقت کو یوں منظم کرے کہ وقت کا زیادہ حصہ طلب علم کے لیے اور کچھ وقت دنیاوی کاموں کے لیے مختص کر لے، کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک علم حاصل نہیں کر سکتا جب تک دنیا علم کے تابع نہ ہو، لیکن جب علم دنیا کے تابع ہو تو علم نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ واللہ المستعان
(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

بیوی کا اپنے خاوند کو نیکی کا حکم دینا

سوال جب عورت ادائیگی نماز میں سستی کرنے والے اپنے خاوند کو وعظ و نصیحت کرے تو کیا وہ گناہ گار ہوگی جبکہ اس کا خاوند اس نصیحت پر ناراضگی کا اظہار بھی کرتا ہو، اور عورت کو یہ بھی معلوم ہو کہ خاوند کو اس پر زیادہ حق حاصل ہے؟

جواب عورت نماز میں سستی کرنے والے اپنے خاوند کو نصیحت کرنے میں گنہگار نہیں ہوگی، بلکہ اس کو اس کام کا اجر و ثواب ملے گا، مگر ضروری ہے کہ یہ وعظ و نصیحت نرمی اور حسن اسلوب کے ساتھ ہو۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

کیا عورت کا اپنے خاوند کو جواب دینا معصیت ہے؟

سوال بیوی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے اور اپنے خاوند کی بھی فرمانبردار ہے، لیکن اس کا خاوند معمولی بات پر غضب ناک ہو کر لعن طعن کرتا ہے اور فحش گوئی کرتا ہے، مگر اس کی بیوی اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرتی ہے، لیکن اگر یہ عورت اپنے خاوند کو ملامت کرتے ہوئے اور مذکورہ

افعال سے روکتے ہوئے اس کو جواب دیتی ہے تو کیا یہ عورت خاوند کی نافرمان شمار ہوگی؟ بعض اوقات خاوند کو جواب دیتے ہوئے اس کی آواز بھی بلند ہوجاتی ہے؟

جواب وہ نافرمان شمار نہیں ہوگی، لیکن ہم اس عورت کو صبر کرنے کی ہی نصیحت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«خيركم خيركم لأهله» [1]

''تم میں سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں تم میں سے اچھا ہے۔''

اور بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

«استوصوا بالنساء خيرا فإنهن خلقن من ضلع، وإن أعوج ما في الضلع أعلاه، فإن ذهبت تقيمه كسرته، وإن تركته لم يزل به عوج» [2]

''عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، بلاشبہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اوپر والا حصہ ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔''

اللہ عزوجل اپنی کتاب کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء: 19]

---

1. **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [3895]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [4890] صحيح مسلم، رقم الحديث [1468]

"ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔"

نیز فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾ [النساء: 34]

"پھر اگر وہ تمہاری فرماں برداری کریں تو ان پر (زیادتی کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔"

لٰہذا خاوند پر واجب ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرے اور اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، جیسا کہ وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اور ہم اس عورت کو بھی نصیحت کرتے ہیں کہ وہ صبر کا مظاہرہ کرے کیونکہ صبر کرنا ہی بہتر ہے، اور اپنے خاوند کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ واللہ المستعان

(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

لڑکے کا لڑکی کو منگنی کا تحفہ دیتے ہوئے اس کو زیورات پہنانے کے لیے محفل منعقد کرنے کا حکم

سوال کیا حکم ہے اس مجلس کا جس کو بعض لوگ "منگنی کا تحفہ دینے کی محفل" کا نام دے کر منعقد کرتے ہیں جس میں خاطب (منگنی کرنے والے لڑکے) اور مخطوبہ (جس لڑکی سے منگنی کی جا رہی ہے) کی ملاقات ہوتی ہے اور پیغام نکاح دینے والا لڑکا لڑکی کو منگنی کا ہار یا کنگن پہناتا ہے جو اس نے لڑکی کے لیے تیار کروا رکھا ہوتا ہے، اور یہ سب کچھ اس عقد سے پہلے ہوتا ہے جس عقد کے بعد ان کا آپس میں ملنا جائز ہو جاتا ہے؟

جواب یہ بات تو معلوم و مشہور ہے کہ مخطوبہ عقد نکاح مکمل ہونے سے پہلے اجنبی عورت ہی ہوتی ہے اور اس کے لیے خاطب کے ساتھ میل ملاقات رکھنا

جائز نہیں ہے۔ سائل نے جس محفل منگنی کا ذکر کیا ہے سو وہ محفل حرام ہے اس کا منعقد کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس سے گریز کرتے ہوئے بچنا چاہیے۔ لیکن جب مرد اور عورت کے درمیان عقد نکاح مکمل ہوجائے تو اب ہر لحاظ سے وہ اس کی بیوی ہے، اب وہ تمام کام کرسکتا ہے جس کا سائل نے ذکر کیا ہے، یعنی اس کے پاس جا سکتا ہے اس کو زیورات وغیرہ پہنانا چاہے پہنا سکتا ہے، اور اس سے خلوت وتنہائی بھی اختیار کرسکتا ہے۔
(فتاویٰ علماء البلد الحرام، ص: ۶۳۱)

شبِ زفاف (سہاگ رات) کے ضابطے

سوال خوشی کی رات (شب زفاف) بیوی کے پاس جانے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ کیونکہ بہت سے لوگوں پر یہ امر مشتبہ ہے، اور آج کل اکثر لوگوں میں یہ عادت بن چکی ہے کہ وہ اس موقع پر سورت بقرہ پڑھتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں؟

جواب جب آدمی اپنی بیوی کے پاس پہلی مرتبہ جائے تو وہ اس کی پیشانی پکڑ کر یہ دعا پڑھے:

«اللهم إني أسألك خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذبك من شرها وشر ما جبلتها عليه»[1]

''اے اللہ! میں تجھے اس (عورت) کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور جس طبیعت پر تونے اس کو پیدا کیا ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور جس طبیعت پر تونے اس کو پیدا کیا ہے اس کے شر سے۔''

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2160]

اور اگر اسے ڈر ہو کہ جب وہ اس کی پیشانی پکڑ کر یہ دعا پڑھے گا تو وہ پریشان ہو جائے گی تو اگر ممکن ہو تو وہ اس انداز میں اس کی پیشانی کو پکڑ لے گویا کہ یہ اس کو بوسہ دینے لگا ہے اور اس کو سنائے بغیر دل میں یہ دعا پڑھ لے، پس وہ اپنی زبان سے تو اس دعا کو پڑھے لیکن اس طرح کہ اس کی بیوی کو سنائی نہ دے تاکہ کہیں وہ پریشان نہ ہو جائے۔ اور اگر اس کی بیوی طالبہ ہو تو واضح طور پر اس کی پیشانی پکڑ کر اس کو یہ دعا سنا کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رہا دلہن کے حجرہ عروسی میں داخل ہونے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنا تو بعض سلف سے یہ مروی ہے کہ وہ ایسے کیا کرتے تھے، لہٰذا کوئی شخص نماز پڑھ لے تو اچھا ہے اگر نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے (کیونکہ یہ کوئی مسنون عمل نہیں ہے۔ مترجم) جہاں تک سورۃ بقرہ اور دیگر سورتوں کی تلاوت کا تعلق ہے تو مجھے اس کی کوئی دلیل معلوم نہیں ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

غیر شرعی شادیوں میں شرکت کرنے کا حکم

سوال غیر شرعی محفلوں اور شادیوں میں دعوت الی اللہ کی نیت سے شرکت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر تو ان محفلوں میں شرکت کرنے والا منکرات کو روکنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس کی شرکت ایک مستحسن عمل ہے۔ بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معنیٰ میں موجود ہے:

«ومن لم يجب فقد عصى الله ورسوله»[1]

"جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔"

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1432]

لہٰذا ولیمے یا عقیقے وغیرہ کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے، لیکن اگر بندہ مؤمن کو یہ ڈر ہو کہ اس محفل میں منکرات ہوں گی اور وہ ان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس مجلس سے دور رہے۔ لیکن اگر وہ وعظ و نصیحت کے ذریعہ منکرات کو روک سکتا ہو تو اس کا شرکت کرنا ایک اچھا عمل ہوگا۔

واللہ المستعان (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

بیوی سے لطف اندوز ہونے کی حدود

سوال خاوند کے اپنی بیوی کے تمام بدن سے لطف اندوز ہونے کی حدود میں کیا ضابطہ ہے؟

جواب اس میں ضابطہ یہ ہے کہ وہ عورت کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں جماع نہیں کرے اور نہ ہی حالتِ حیض ونفاس اور جماع سے تکلیف محسوس کرنے کی حالت میں اس کی قبل (اگلی شرمگاہ) میں جماع کرے، بس یہی ضابطہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴾ [المومنون: 5 تا 7]

”اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

میاں بیوی کی آپس میں دل لگی کرنے کی حدود

سوال آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان دل لگی و لطف اندوزی کرنے کی کیا حدود ہیں؟

جواب اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ [المؤمنون: 5,6]

''اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔''

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ مرد کو اپنی بیوی پر شرمگاہ کی عدم حفاظت پر ملامت نہیں کی جائے گی۔ اور نبی ﷺ نے بھی حالت حیض میں مرد کے اپنی بیوی سے لطف اندوز ہونے کو کچھ یوں بیان کیا ہے:

«اصنعوا كل شيء إلا النكاح»[1]

''تم (لطف اندوز ہونے کے لیے اپنی بیویوں سے حالت حیض میں) جماع کے علاوہ سب کچھ کرلو۔''

لہٰذا میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے دوسرے سے من مانے طریقے کے مطابق لطف اندوز ہونے کی اجازت ہے، ماسوائے حالت حیض کے۔ چنانچہ مرد کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اس وقت مجامعت کرے جب وہ حالت حیض میں ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [302]

﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ [البقرة: 222]

"اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے، بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔"

مگر اس کے باوجود حالت حیض میں شرمگاہ میں مجامعت کرنے کے علاوہ اپنی بیوی سے لطف اندوز ہوسکتا ہے، جیسا کہ گزشتہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ نیز مرد کے لیے نفاس کی حالت میں بھی بیوی سے مجامعت کرنا حلال نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں جماع کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾

[البقرة: 223]

"تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔"

اور کھیتی کی جگہ صرف اور صرف فرج یعنی عورت کی اگلی شرمگاہ ہے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جماع کے آداب

سوال میاں بیوی کے درمیان جماع کے کیا آداب اور حدود ہیں، اور کیا مکروہ اور کیا حرام ہے اور کیا افضل اور کس میں اختلاف ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لو أن أحدكم إذا أتى أهله قال: بسم الله، اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا فإن قدر بينهما في ذلك ولد لن يضر ذلك الولد الشيطان أبداً»[1]

''اگر بے شک تم میں سے کوئی جب اپنے اہل (بیوی) کے پاس (بغرض مجامعت) آئے اور پڑھے: اے اللہ! ہم کو شیطان سے محفوظ فرما اور (اس جماع کے نتیجے میں) جو (اولاد کا) رزق تو ہمیں عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ فرما، اگر ان کے اس جماع کے نتیجے میں بچہ ان کے مقدر میں کیا گیا تو اس بچے کو شیطان کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' (بخاری: 45/441)

اور مرد پر حرام ہے کہ وہ حالت حیض و نفاس میں اپنی بیوی سے مجامعت کرے، نیز اس پر دبر (پچھلی شرمگاہ) میں بھی مجامعت کرنا حرام ہے۔ اور ہم تمہیں وصیت کرتے ہیں کہ علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب ''زاد المعاد'' میں اس موضوع پر جو بیان کیا ہے اس کو پڑھو، ان شاء اللہ تم اس مسئلہ کی مکمل تفصیل اس میں پالو گے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [141] صحيح مسلم، رقم الحديث [1434]

دبر (پچھلی شرمگاہ) میں جماع کرنا

سوال دبر (پچھلی شرمگاہ) میں جماع کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنے والے پر کوئی کفارہ لازم ہوگا؟

جواب عورت کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں مجامعت کرنا کبیرہ گناہوں میں سے اور بدترین نافرمانیوں میں سے ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے بلاشبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ملعون من أتى امرأته في دبرها» [1]

''جس شخص نے اپنی بیوی کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں وطی کی اس پر لعنت کی گئی ہے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا ينظر الله إلى رجل أتى رجلا أو امرأة في دبرها» [2]

''جس شخص نے کسی مرد یا عورت کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں وطی کی اللہ تعالیٰ اس کی طرف (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''

اور جس شخص نے یہ کام کیا اس پر واجب ہے کہ وہ جلدی سے سچی توبہ کرے، یعنی اس گناہ سے رک جائے اور اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے اور اس کی سزا سے ڈرتے ہوئے اس گناہ کو ترک کردے۔ اس سے جو یہ گناہ سرزد ہوا ہے اس پر نادم رہے اور عزم بالجزم کرے کہ وہ آئندہ کبھی بھی اس گناہ کی طرف نہیں پلٹے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اعمال صالحہ بجا لانے میں کوشش کرے۔ جو شخص سچی توبہ کر لیتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا

---

[1] **حسن.** سنن أبي داود، رقم الحديث [2162]

[2] **صحيح.** صحيح الترغيب والترهيب [312/2]

ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ [طٰہٰ: 82]

"اور بے شک میں یقیناً اس کو بہت بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر چلے۔"

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا﴾ [الفرقان: 68]

"اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«الإسلام يهدم ما كان قبله، والهجرة تهدم ما كان قبلها»[1]

"اسلام ماقبل کے گناہ مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی ماقبل کے گناہ مٹا دیتی ہے۔"

اس موضوع پر کافی زیادہ آیات و احادیث موجود ہیں۔ نیز علماء کے دو قولوں میں سے صحیح قول کے مطابق دبر (پچھلی شرمگاہ) میں وطی کرنے والے پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کرنے سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے بلکہ وہ اسی کے نکاح میں رہتی ہے۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [121]

اور عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کبیرہ گناہ کے ارتکاب میں اپنے خاوند کی اطاعت کرے، بلکہ اس کے لیے اس سے باز رہنا واجب ہے اور وہ اس سے مطالبہ کرے کہ اگر وہ اس گناہ سے توبہ کر کے باز نہیں آئے گا تو وہ اس سے اپنا نکاح فسخ کروا لے گی، ہم اللہ تعالیٰ سے اس عمل بد سے عافیت کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

سوال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس شخص کے حکم میں کئی روایات پیش کی ہیں جو اپنی بیوی سے غیر مألوف راستے (پچھلی شرمگاہ) میں مجامعت کرتا ہے، ان روایات کی تمام سندیں اور ان پر ائمہ کا کلام بھی پیش کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام سندوں پر ائمہ نے کلام کیا ہے، امام بخاری ونسائی وغیرہ نے کہا ہے اس موضوع پر کوئی صحیح روایت ثابت نہیں ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عمر، نافع اور مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ سے وطی دبر کی اباحت کو بھی نقل کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا میلان اسی طرف ہے کہ ان تمام طرق کی وجہ سے وطی دبر کی ممانعت کو ہی تقویت حاصل ہے، پس ان ائمہ کو اس مسئلہ میں کسی بھی ثبوت کے نہ ہونے کا قول تسلیم کیوں نہیں ہے؟

جواب ان ائمہ کے نزدیک یہ قول قابل قبول نہیں ہے اس لیے کہ یہ ائمہ اس مسئلہ پر وارد الگ الگ روایات پر کلام کرتے ہیں، رہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، پس ان کے امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے اعتبار سے ہمیں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی، سو وہ اس مسئلہ پر تمام احادیث اور ان کی سندوں کو جمع کرتے ہیں اور ان پر تحقیق کرتے ہوئے ان پر علم حدیث کے قواعد کا انطباق کرتے ہیں، پس ایسا کرنے کے بعد ان کے سامنے یہ بات واضح ہوئی کہ ان احادیث کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اس مسئلہ پر

کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، بہت بڑی غلطی ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ احادیث فرداً فرداً ثابت نہیں ہیں، لیکن مجموعی طور پر یہ احادیث اس آیت ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ میں عورت سے غیر معروف راستے (پچھلی شرمگاہ) میں مجامعت کرنے کی مذکور حرمت کو تقویت دیتی ہیں، ایسے ہی یہ احادیث اس آیت کی تفسیر کرتی ہیں۔

اور نبی علیہ السلام سے سوال کیا گیا: کیا مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے جیسے چاہے مجامعت کرے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نعم، ولكن في صمام واحد»[1]

”ہاں (جائز ہے، لیکن مجامعت) ایک ہی سوراخ (یعنی عورت کی اگلی شرمگاہ) میں کرے۔“ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا حائضہ عورت سے مجامعت کرنے اور عورت کے غیر معروف راستے (پچھلی شرمگاہ) میں مجامعت کرنے کا حکم برابر ہے اس اعتبار سے کہ دونوں کبیرہ گناہ ہیں؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے غیر معروف راستے میں مجامعت کرنا اختلافی مسئلہ ہے اور ہے بھی کبیرہ گناہوں میں سے، جبکہ اس کی حرمت کے دلائل بھی کمزور ہیں؟

جواب میں تو اس میں کوئی شک نہیں کرتا کہ بلاشبہ عورت کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں مجامعت کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

رہا اس کے دلائل کا کمزور ہونا سو وہ ان کی سندوں کے بعض مفردات کے اعتبار سے ہے، وگرنہ تو نبی علیہ السلام سے عورت کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں مجامعت کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ نیز اس مسئلہ پر وارد کئی حدیثوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1435]

ایسا کرنے والے پر لعنت کرنا بھی ثابت ہے، میں نے ان میں سے کچھ احادیث اپنی کتاب "آداب الزفاف في السنة المطهرة" میں بیان کی ہیں۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

دبر میں دخول کیے بغیر لطف اندوز ہونے کا حکم

سوال کیا آدمی کے لیے اپنی بیوی کے تمام اگلے پچھلے بدن سے، حتی کہ اس کے چوتڑوں کے درمیان حلقہ دبر میں دخول کیے بغیر لطف اندوز ہونا جائز ہے؟

جواب آدمی کے لیے اپنی بیوی سے دبر (پچھلی شرمگاہ)، حیض، نفاس اور مکمل حلال ہونے سے پہلے حالت احرام میں جماع کرنے کے علاوہ اس کے تمام جسم سے لطف اندوز ہونا جائز ہے۔ وباللہ التوفیق۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

حیض کے آخری ایام میں بیوی سے مجامعت کرنا

سوال جب خاوند اپنی بیوی سے ماہواری کے آخری ایام میں جماع کا مطالبہ کرے تو کیا اس کی بیوی اس کی بات مان کر جماع کر لے؟

جواب یہ سوال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت یقیناً جانتی ہے کہ جب عورت کو ماہواری آجائے تو اس کے خاوند کے لیے اس سے مجامعت کرنا جائز نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے یہ عام معروف ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ [البقرۃ: 222]

''اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے، بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔''

اور علماء کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ خاوند پر اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کرنا حرام ہے، اور عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے خاوند کو ایسا کرنے سے روک دے اور اس کے اس مطالبے کی مخالفت کرے موافقت نہ کرے، کیونکہ حالت حیض میں جماع کرنا حرام ہے، اور خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ عورت سے حیض سے پاک ہونے کے بعد اور غسل کرنے سے پہلے جماع کرنے کا حکم

سوال ایک آدمی نے اپنی بیوی سے خون حیض بند ہونے کے بعد اور اس کے غسل کرنے سے پہلے جماع کیا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس مسئلہ پر علماء کے کئی اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ آدمی اس کے غسل کرنے سے پہلے اس سے جماع نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ [البقرۃ: 222]

''اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔''

اس آیت میں محل استشہاد یہ ہے: ﴿تَطَهَّرْنَ﴾ (وہ غسل کریں) ہاں جب عورت کو پانی نہ ملے یا وہ اس کے استعمال کی قدرت نہ رکھتی ہو تو وہ تیمم کر کے نماز ادا کر لے، اور اگر رمضان کا مہینہ ہے یا اس نے روزے کی قضاء کرنی ہے یا نفلی روزہ رکھنا ہے تو وہ روزہ رکھے اور اس کے خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے مجامعت کرے۔ واللہ اعلم (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

عورت سے دُبر (پچھلی شرمگاہ) کی طرف سے قُبل (اگلی شرمگاہ) میں جماع کرنے کا حکم

سوال کیا خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو الٹا لٹا کر اس کی فرج (اگلی شرمگاہ) میں جماع کرے؟

جواب آدمی کے لیے اپنی بیوی سے اس کو الٹا لٹا کر اس کی فرج (اگلی شرمگاہ) میں، جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے، کسی بھی پوزیشن میں جماع کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ [البقرۃ: 223]

''تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال کیا آدمی کے لیے اپنے بیوی سے پچھلی جانب سے جماع کے محل (اگلی شرمگاہ) میں جماع کرنا کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے جائز ہے یا جائز نہیں ہے؟

جواب خاوند کے لیے اپنی بیوی سے پچھلی (دبر کی) جانب سے جماع کرنا جائز ہے، بشرطیکہ جماع قبل (اگلی شرمگاہ) میں ہو نہ کہ دبر (پچھلی شرمگاہ) میں۔ اور اس کے لیے اپنی بیوی کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں جماع کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: 223]

”تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ، اور اپنے لیے آگے (سامان) بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً تم اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دے۔“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«ملعون من أتى امرأته في دبرها»[1]

”جس نے اپنی بیوی کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں جماع کیا وہ ملعون ہے۔“ وباللہ التوفیق (محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

بیوی کے پستان سے دودھ پینے کا حکم

سوال میں نے اپنے چچا کے بیٹے سے شادی کی، میں اس سے محبت کرتی ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ ہماری شادی کو ابھی چھ مہینے گزرے ہیں۔ جب بھی میں سونے لگتی ہوں تو وہ بچے کی طرح میرا دودھ چوسنے لگتا ہے، میں اس کو کہتی ہوں یہ عیب ناک کام ہے، مگر وہ باز نہیں آتا اور میں اس کے

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2162]

اس فعل پر اس کو زیادہ تنگ کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتی۔

جواب ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے دوسرے سے لطف اندوز ہونا جائز ہے بشرطیکہ وہ لطف اندوزی ایسی نہ ہو کہ جس کو اللہ نے حرام کیا ہے مثلاً دبر (پچھلی شرمگاہ) میں جماع کرنا، حیض اور نفاس میں جماع کرنا، ایسی عبادت (روزہ اور حج وغیرہ) میں جماع کرنا جس میں جماع کرنا حرام ہے، ظہار میں کفارہ دینے سے پہلے جماع کرنا اور اس قسم کی دیگر حالتوں میں، جو اہل علم کے ہاں مشہور ہیں، جماع کے حرام ہونے کی وجہ سے میاں بیوی پر ان حالتوں میں جماع کرنے میں حرج ہوگا۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بیوی کا دودھ پینے پر حرمت کا حکم نہیں لگتا

سوال اس شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے جو اپنی بیوی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس کے پستان سے دودھ پیتا ہے؟ کیا ایسا کرنا حرام ہے یا مکروہ؟ اور کیا اس دوران جب بیوی کا دودھ خاوند کے معدے میں پہنچ جائے تو کیا اس پر اس کی بیوی حرام ہوجائے گی اور ان میں جدائی کرانا واجب ہوجائے گا؟ ہمیں شریعت کے حکم سے آگاہ کیجیے، اللہ آپ کو نوازے۔

جواب خاوند کے لیے اپنی بیوی کا پستان چوسنا جائز ہے، اور معدے میں دودھ کے پہنچنے سے حرمت (رضاعت) ثابت نہیں ہوتی۔ وباللہ التوفیق

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

زوجین کی رضامندی

سوال عورت ایک ایسے مرد سے نکاح کرنے پر راضی ہوگئی جو اس سے عمر میں

بڑا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ہمیں آپ کا خط ملا جس میں آپ نے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کو اپنی عمر سے چھوٹی لڑکی کے ساتھ نکاح کا اتفاق ہو رہا ہے، اور اس کی عمر اکیس سال ہے جب کہ آپ کی عمر باون سال ہے، اور اس نے آپ سے موافقت کر لی ہے اور وہ اور اس کے گھر والے اس پر راضی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس شادی پر اس لڑکی کے آپ سے کم سن ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا ہے اور آخر تک جو آپ نے خط میں وضاحت کی میں نے اس کو پڑھا۔

پس اس کا جواب یہ ہے: اگر عورت راضی ہے اور وہ عاقلہ اور سمجھدار ہے اور اس کے اولیاء راضی ہیں اور آپ اس کے کفو ہیں تو اس میں کوئی شرعی مانع نہیں جو اس شادی سے روکتا ہے اور جو اس پر اعتراض کر رہا ہے وہ غلطی پر ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

بیوی کا انتخاب کیسے کریں؟

مسلمان خانوادے کی بنیاد رکھتے وقت خاوند کے لیے بہترین بیوی اور بیوی کے لیے بہترین خاوند کا انتخاب عمل میں لانا چاہیے۔ کیونکہ حسن انتخاب اور مکمل تحقیق و تدقیق کامیاب ازدواجی زندگی کے اہم ارکان اور ایک نئے خاندان کی نیو رکھتے وقت انتہائی قابل اعتبار بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلام نے بیوی یا خاوند کے انتخاب پر بہت زیادہ توجہ دی ہے اور ایک مضبوط عمارت اور محکم ساخت کے حامل خوشحال خاندان اور خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے بہت سارے قواعد وضوابط وضع کیے ہیں۔

اسلام اس قدر ظاہری شکل و شباہت کو اہمیت نہیں دیتا جس قدر وہ انسان کے جوہر، پاک طینتی، دل اور عقیدے کی صفائی ستھرائی اور عمل کی اصلاح پر زور دیتا ہے۔

ایک امیر آدمی کا رسول پاک ﷺ کے قریب سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے پوچھا: اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ نے جواب دیا: یہ اس لائق ہے کہ اس کے ساتھ نکاح کیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے، اگر گفتگو کرے تو بڑی توجہ سے اس کو سنا جائے۔ آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔ اس دورانیے میں ایک غریب مسلمان کا گزر ہوا تو آپ ﷺ نے پھر پوچھا: اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہ تو بے چارا اس قدر خستہ حال ہے کہ اگر پیغامِ نکاح بھیجے تو کوئی اس کے ساتھ شادی نہ کرے، اگر سفارش کرے تو کوئی اسے قبول نہ کرے اور اگر کوئی بات کرے تو کوئی اس کی طرف دھیان ہی نہ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ اس جیسے زمین بھر لوگوں سے بہتر ہے!"[1]

اس طرح نبی معصوم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو یہ تعلیم دی کہ یہ شخص، جو ان کی نظروں میں حقیر ہے، اس جیسے لاتعداد لوگوں سے بہتر اور افضل ہے جو ان کے دل میں اس قدر محترم اور صاحب جلال ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق کا معیار تقویٰ اور نیک اعمال کا میزان ہے نہ کہ ظاہری شان و شکوہ، مال و جاہ اور عزت و اقتدار...!

دیندار کے انتخاب کی اہمیت:

بیوی پسند کرنے کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو شاندار ضوابط مقرر

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5091]

کیے ہیں ان کے مطابق دیندار کو بے دین پر ترجیح دینی چاہیے۔ جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''عورت کے ساتھ چار باتوں کے پیش نظر نکاح کیا جاتا ہے: دولت، حسب ونسب، حسن و جمال اور دینداری۔ تم دیندار کو حاصل کرنا۔''[1]

آدمی کے لیے بیوی کا انتخاب کرتے وقت اصل معیار تو دینداری اور پرہیز گاری ہی ہے لیکن اگر بیوی صاحب ثروت ہو تو خاوند اس کی رضا مندی سے اس کی دولت سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اگر دو عورتیں دینداری میں برابر ہوں (اگر موازنے کا امکان ہو) تو خوبصورت قابل ترجیح ہو گی لیکن ایک خوبرو مگر بے دین عورت کو دیندار مگر عام سی شکل وصورت والی عورت پر ترجیح نہیں ہونی چاہیے۔

میاں اور بیوی کے اہل خانہ کو شادی شروع کرنے سے پہلے اپنے بیٹے یا بیٹی کے لیے بہترین شریک حیات تلاش کرنا چاہیے، پھر اس کے دین، اخلاق اور نفسیاتی حالات کے متعلق مکمل چھان بین اور اطمینان حاصل کر لینا چاہیے۔ ابتدا ہی میں حسن انتخاب اور صاف گوئی، چاہے اس کا نتیجہ شادی نہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہو، شادی کے بعد اور بالآخر ناکامی سے کہیں بہتر ہے۔

جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام یہی چاہتا ہے کہ بیوی دیندار، شریفانہ اصل اور نیک مومن خاندان کے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔ کیونکہ عورت کا کردار اور اخلاق ایسے ماحول سے شدید متاثر ہوتا ہے جس کی گود میں اس نے تربیت پائی ہو۔ اسی طرح اس کی اولاد بھی موروثی طور پر اس کے بہت سارے اخلاق اور عادات کو اپنا لیتی ہے، اس لیے صاحب دین اور حامل اخلاق بیوی کا

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5090] صحیح مسلم، برقم [1466]

انتخاب ضروری ہے، تاکہ وہ اپنی اولاد کو اعلیٰ اخلاق، عمدہ کردار، مثالی اقدار اور قابل رشک طور اطوار سکھائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنے نطفوں کے لیے قابل لیاقت (شریک سفر) منتخب کرو۔ قابل اور با صلاحیت کے ساتھ شادی کرو اور ایسے ہی (اپنی بیٹیوں، بہنوں کے لیے) منتخب کرو۔''[1]

اگر عورت دینی معاملات میں جاہل لیکن خوبرو ہو تو اس کی آزمائش بڑی سخت ہوتی ہے، کیونکہ خاوند کا اسے چھوڑنا دشوار اور اس کی جدائی پر صبر کرنا محال ہوتا ہے۔ اس کا حال اس شخص کی طرح کا ہوتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے رسول خدا! میری ایک بیوی ہے جو کسی ہاتھ لگانے والے کا ہاتھ نہیں جھٹکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے طلاق دے دو'' وہ کہنے لگا: میں اس سے پیار کرتا ہوں اور اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر اسے روکے رکھو۔''[2]

---

1. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1968] السلسلة الصحيحة، برقم [1076]
2. سنن النسائي [70/6] امام ابن کثیر نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی اس بات سے کہ ''وہ کسی کا ہاتھ نہیں جھٹکتی'' یہ مراد ہے کہ وہ بڑی فیاض ہے جو کسی سائل کو منع نہیں کرتی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی طبیعت کسی ہاتھ لگانے والے کو روکنا پسند نہیں کرتی۔ یہ نہیں کہ کبھی ایسا ہوا ہو اور وہ بدکار ہو، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ایسی عورت کے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ ایسی حالت میں اس کا خاوند دیوث اور بے حمیت ہوگا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سخت وعید صادر ہوئی ہے، لیکن اس کی طبیعت میں خلوت میں کسی کے ساتھ مزاحمت یا مخالفت کا عنصر نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اس کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ جب اس نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ محبت کرتا ہے تو آپ نے اسے رکھنے کی اجازت دے دی، کیونکہ اس کی محبت سچی اور حقیقی تھی، جبکہ برائی کا صرف امکان تھا، لہٰذا خیالی ضرر کے خوف سے فوری ضرر کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ [تفسير ابن كثير: 322/4]

اسلام میں انتخاب اور پسند کرنے کی بنیاد عقیدے کی سلامتی اور درستی پر رکھی جاتی ہے اور جمال سے پہلے اخلاق کا اعتبار کیا جاتا ہے، اسی لیے دین فطرت نے میاں یا بیوی کا انتخاب کرتے وقت دینداری اور خدا خوفی کو بطور شرط اول اختیار کرنے کی نصیحت اور تلقین کی ہے، کیونکہ یہ خوشحال اور مستحکم خاندان کا مضبوط ترین ستون ہے۔

حسن و جمال اگر دینی، اخلاقی اور خوف خدا کے مضبوط حصار میں نہ ہوتو وہ خاندانی بربادی اور اولاد کو لگنے والی عار اور شنار کے نتائج سے بے پرواہ فحاشی کی دلدل میں پھنس کر عزت و شرف کو داؤ پر بھی لگا سکتا ہے۔ نیک بیوی دین میں معاون اور مددگار ثابت ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے:

"جسے اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی عطا کر دی تو گویا اس نے اس کی نصف دین میں معاونت فراہم کر دی، باقی نصف کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔"[1]

اور فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے:

"دنیا سامان لذت ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔"[2]

اس کے باوجود کہ اسلام نے ازدواجی اصلاح، سعادت اور ثبات کے لیے دین کو بطور اساس اور شرط اول مقدم رکھا ہے، لیکن خوش شکل اور خوب روئی بھی مطلوب ہے، اس سے پاکدامنی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ طبیعت عموماً بد صورتی سے بھاگتی ہے۔

حدیث نبوی نے پسند کرتے وقت حسن و جمال کا خیال رکھنے سے نہیں روکا، بلکہ دینی خرابی کے باوجود محض حسن کی خاطر نکاح کرنے پر سرزنش کی ہے،

---

[1] مستدرك حاكم [161/2] السلسلة الصحيحة، رقم الحديث [265]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [1467]

جیسا کہ سابقہ گفتگو اور احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام حدود و قیود میں رہتے ہوئے شادی سے پہلے بیوی کی محسوس کی جانے والی صفات کا تعارف حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ ایک آدمی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ ایک انصاری عورت کے ساتھ اس نے نکاح کر لیا ہے، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تو نے اس کو دیکھا ہے؟'' وہ کہنے لگا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور جا کر اسے دیکھ لو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ (عیب) ہوتا ہے۔'' [1]

اہل علم بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی آنکھوں میں چندیا ہٹ ہے، کسی نے کہا ہے کہ ان کی آنکھوں میں چھوٹا پن ہوتا ہے، اور کسی نے کہا کہ نیلا ہٹ، لیکن ابو عوانہ کی مستخرج میں حدیث ہے کہ ''ان کی آنکھوں میں چھوٹا پن ہے'' اور یہی قابل اعتماد ہے۔ [2]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا تو رسول کریم ﷺ نے انھیں کہا:

''اسے دیکھ لو! یہ تمہارے درمیان دوام الفت کے لیے بہتر ہوگا۔'' [3]

ایک عورت حبیب خدا ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کو نکاح کی پیش کش کی، رسول کریم ﷺ نے اس کے سراپے پر نظر دوڑائی، پھر سر جھکا لیا، جب اس عورت نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی۔'' [4]

---

1. صحيح مسلم، رقم الحديث [1424]
2. شرح النووي [210/9] فتح الباري [87/9]
3. مسند أحمد [245/4] سنن الترمذي، رقم الحديث [1087]
4. صحيح البخاري، رقم الحديث [5087] صحيح مسلم، برقم [1425]

میاں بیوی کا ایک دوسرے کے سامنے (بغیر کپڑوں کے) ظاہر ہونا

سوال کیا شرعاً عورت کا اپنے خاوند کے تمام بدن کو اور خاوند کا اپنی بیوی کے تمام بدن کو، حلال سے لطف اندوز ہونے کی نیت سے، دیکھنا جائز ہے؟

جواب عورت کے لیے اپنے خاوند کے تمام بدن کو دیکھنا جائز ہے، اور خاوند کے لیے اپنی بیوی کے، بغیر کسی تفصیل کے، تمام بدن کو دیکھنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴾ [المومنون: 5 تا 7]

''اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔'' (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

میاں بیوی کے ننگے ہو کر جماع کرنے کا حکم

سوال کیا مرد کا اپنی بیوی سے اس حال میں جماع کرنا، جبکہ وہ دونوں ننگے ہوں، جائز ہے یا ان پر اپنے جسم کو چھپانا واجب ہے؟

جواب ہر مرد و عورت پر واجب ہے کہ وہ لوگوں سے اپنے ستر و شرمگاہ کو چھپا کر رکھے، سوائے مرد کے اپنی بیوی اور لونڈی سے، اور بیوی اور لونڈی اپنے خاوند اور آقا سے۔

بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اپنی شرمگاہوں کو کہاں سے بچائیں اور کہاں کھولیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك»

''اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر، سوائے اپنی بیوی اور لونڈی کے۔''

میں نے عرض کیا: جب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إن استطعت أن لا يرينها أحد فلا يرينها»

''اگر تو ایسا کر سکتا ہے کہ تیری شرمگاہ کو کوئی نہ دیکھے تو پھر ایسا کر لے کہ اس کو کوئی نہ دیکھے۔''

میں نے پھر عرض کیا: جب ہم میں سے کوئی شخص تنہا ہو (پھر تو وہ اپنی شرمگاہ ظاہر کر سکتا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فالله أحق ان يستحيا منه»[1]

''اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے شرم و حیا کی جائے (بلا وجہ ننگا نہ ہوا جائے)۔''

تو نبی ﷺ نے یہ واضح فرما دیا کہ عموماً تنہائی میں بھی پردہ پوشی اور ستر پوشی کرنا ہی مناسب اور لائق ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

زوجین کے راز افشاء کرنے کی حرمت

سوال بعض عورتوں میں اپنے گھروں اور اپنے خاوندوں کے ساتھ گزرنے والی زندگی کے متعلق اپنے قریبی رشتہ داروں اور اپنی سہیلیوں کو باتیں

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [4017]

سنانے کی عادت پائی جاتی ہے، اور بعض ان باتوں کا تعلق گھریلو رازوں سے ہوتا ہے، جن کے متعلق خاوند یہ پسند نہیں کرتے کہ وہ کسی کو معلوم ہوں، ان عورتوں کے متعلق کیا حکم ہے جو گھریلو راز افشاء کرتی ہیں اور ان کو گھر سے باہر اور گھر کے بعض افراد کے سامنے بیان کرتی ہیں؟

جواب یہ جو بعض عورتیں گھریلو باتیں اور ازدواجی زندگی کے راز قریبی رشتہ داروں اور سہیلیوں کو بتایا کرتی ہیں وہ سن لیں ایسا کرنا حرام ہے۔ کسی بھی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر یا خاوند کے ساتھ ازدواجی زندگی کا کوئی راز لوگوں میں سے کسی کے سامنے فاش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾

[النساء: 34]

”غیر حاضری میں محافظت کرنے والی ہیں، اس لیے کہ اللہ نے (انھیں) محفوظ رکھا۔“

اور نبی ﷺ نے آگاہ کیا ہے:

«شر الناس منزلة عند الله يوم القيامة الرجل يفضي إلى المرأة وتفضي إليه ثم ينشر سرها»[1]

”قیامت کے دن اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ میں برا وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی سے خلوت کرتا ہے اور اس کی بیوی اس سے خلوت کرتی ہے، پھر یہ شخص اپنی اس تنہائی کی ملاقات کا راز فاش کرتا ہے۔“

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1437]

حیض و نفاس میں جماع کرنے کا کفارہ

سوال انسان کا اپنی بیوی سے حالت حیض میں یا حیض و نفاس سے پاک ہونے کے بعد اور غسل سے قبل جہالت کی بنا پر جماع کرنے سے اس پر کفارہ واجب ہوگا؟ اور وہ کفارہ کتنا ہوگا؟ اور جب عورت ان حالتوں میں کیے گئے جماع کے نتیجہ میں حاملہ ہوجائے تو اس حمل سے پیدا ہونے والے بچے کو کیا حرامی بچہ کہا جائے گا؟

جواب حالت حیض میں حائضہ کی فرج (اگلی شرمگاہ) میں جماع کرنا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرة: 222]

''اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے، بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔''

جس شخص نے ایسا کیا وہ اللہ سے استغفار کرے اور اس سے توبہ کرے، اور اس پر اپنے اس عمل کی وجہ سے ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا واجب ہوگا، جیسا کہ احمد اور اصحاب سنن نے عمدہ سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

روایت کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کرنے والے شخص کے متعلق فرمایا:

«يتصدق بدينار أو نصف دينار»[1]

وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔"

اور ان میں سے جو مقدار بھی تو صدقہ کرے گا تجھے کافی ہوگا۔ اور دینار کی مقدار سعودی ریال کے سات حصوں میں سے چار حصے ہیں، مثلاً جب سعودی جنیہہ کے مبادلے میں ستر ریال ہوں تو تم پر بیس ریال یا چالیس ریال بعض فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

اور خاوند کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ طہارت یعنی خون حیض بند ہونے کے بعد اور عورت کے غسل کرنے سے پہلے اس سے جماع کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ [البقرة: 222]

"اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کرلیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔"

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خون حیض کے رک جانے کے بعد اور مکمل پاک ہونے یعنی غسل کرنے سے پہلے حائضہ سے جماع کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور جو حائضہ کے غسل کرنے سے پہلے اس سے جماع کرے گا، وہ گنہگار ہوگا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

٭ اگر اس کی بیوی حالت حیض میں کیے گئے جماع کے سبب حاملہ ہو جائے

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [264]

یا خون حیض کے بند ہونے کے بعد اور غسل کرنے سے قبل جماع کے نتیجہ میں حاملہ ہوجائے تو اس کے بچہ کو حرامی نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ حلالی اور شرعی بچہ ہوگا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت سے حیض و نفاس کے دوران جماع کے بغیر صرف مباشرت (بوس و کنار وغیرہ) کرنے کا حکم

سوال کیا آدمی کے لیے اپنی بیوی سے حالت نفاس میں چالیس دن گزرنے سے پہلے خون نفاس منقطع نہ ہونے کی حالت میں فرج (اگلی شرمگاہ) کے علاوہ مباشرت کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں ایسا کرنا جائز ہے، لیکن سنت یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تہبند باندھنے کا حکم دے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حالت حیض میں تہبند باندھنے کا حکم دیتے پھر مجھ سے مباشرت (جماع کے علاوہ بوس و کنار وغیرہ) کرتے۔''

اس روایت کی صحت پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے۔ وباللہ التوفیق

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

حاملہ سے جماع کرنے کا حکم

سوال خاوند کا اپنی حاملہ بیوی سے جماع کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب انسان کے لیے اپنی حاملہ بیوی سے جب چاہے مجامعت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ بیوی کو جماع کرنے سے ضرر و نقصان نہ پہنچتا ہو۔ چنانچہ مرد پر حاملہ بیوی سے ہر وہ کام کرنا حرام ہے جس سے اس کی بیوی کو نقصان ہوتا

ہو۔ اگر اس کے جماع کرنے سے بیوی کو نقصان تو نہیں پہنچتا، لیکن اس کو جماع کرنے سے تکلیف ہوتی ہے تو ایسی صورت میں بھی اس سے مجامعت نہ کرنا ہی اولیٰ اور بہتر ہے، کیونکہ عورت کو تکلیف دہ چیز سے بچانا حسن معاشرت کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ [النساء: 19]

''ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

لیکن مرد کا اپنی بیوی سے حالت حیض میں، اس کی دبر (پچھلی شرمگاہ) میں اور نفاس کی حالت میں جماع کرنا حرام ہے جائز نہیں ہے۔ لہٰذا آدمی پر لازم ہے کہ وہ ان مذکورہ چیزوں سے پرہیز کرے اور ان چیزوں کو اختیار کرے جو اللہ نے اس کے لیے جائز اور مباح قرار دی ہیں۔ جب عورت حالت حیض میں ہو تو اس کا خاوند اس کی فرج (اگلی شرمگاہ) اور دبر (پچھلی شرمگاہ) کے علاوہ باقی جسم سے لطف اندوز ہو سکتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«اصنعوا كل شيء إلا النكاح»[1]

''(حائضہ عورت سے) جماع کے علاوہ (لطف اندوز ہونے کے لیے) سب کچھ کر لو۔'' (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مشت و انگشت زنی کا حکم

سوال: مشت و انگشت زنی کا کیا حکم ہے؟

جواب: ہمیں اس عادت (بد) کے حرام ہونے میں شک نہیں ہے کیونکہ اس کی حرمت کے دو سبب ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [302]

ا۔ پہلا سبب: اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے اوصاف جمیلہ بیان کرتے ہوئے فرمان ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾ [المومنون: 1 تا 7]

”یقیناً کامیاب ہوگئے مومن۔ وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو لغو کاموں سے منہ موڑنے والے ہیں۔ اور وہی جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں، پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے مشت و انگشت زنی کی حرمت پر دلیل نکالی ہے، پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کے لیے اپنی شہوت کو پورا کرنے کے دو راستے متعین فرمائے ہیں: آزاد عورتوں سے شادی کرنا یا لونڈیوں سے (قضاءِ شہوت کا) فائدہ اٹھانا، پھر اس کے بعد کہا:

﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾

[المؤمنون: 7]

”پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔“

یعنی جس شخص نے شہوت رانی کے لیے (آزاد عورتوں سے) شادی اور

لونڈی (سے قضاء شہوت کرنے) کے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کیا تو وہ حد سے تجاوز کرنے والا ظالم ہے۔

۲۔ دوسرا سبب: بلاشبہ طبی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسا کرنے والے کا انجام بہت برا ہوتا ہے، نیز اس عادت سے صحت بگڑ جاتی ہے، خاص طور پر ان لوگوں کی جو صبح و شام اس کے مرتکب ہوتے ہیں، جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لا ضرر و لا ضرار» ❶

''نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ۔''

لہٰذا مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے کام میں منہمک ہو جس سے خود اس کو یا کسی دوسرے کو نقصان پہنچتا ہو۔

یہاں پر ایک اور چیز کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ اس عادت کو اختیار کرنے والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی صادق آتا ہے:

﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ﴾ [البقرۃ: 61]

''کیا تم وہ چیز جو کمتر ہے، اس چیز کے بدلے مانگ رہے ہو جو بہتر ہے۔''

بلاشبہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی ثابت ہے:

«یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء» ❷

''اے نوجوانو کی جماعت! جو شخص تم میں سے گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ شادی کر لے، پس بلاشبہ شادی نگاہوں کو (ان میں حیاء

---

❶ حسن. مسند أحمد، رقم الحدیث [2867]

❷ صحیح البخاري، رقم الحدیث [4779] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1400]

پیدا کر کے) جھکانے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے، اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ رکھنے سے شہوت ٹھنڈی پڑ جائے گی۔'' (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال مشت زنی کی عادت کو اختیار کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا کتاب و سنت میں اس کی حرمت پر کوئی دلیل موجود ہے؟

جواب مشت زنی کی عادت حرام ہے، کیونکہ یہ مضر صحت ہے اور اس کی خرابیاں بہت زیادہ ہیں۔

اہل علم نے اس کی حرمت پر سورۂ مومنوں میں موجود اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے:

﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ [المؤمنون: 7]

''پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔''

یعنی جس شخص نے بیوی اور لونڈی کے علاوہ (جنسی تسکین کے لیے) کوئی راستہ اختیار کیا تو وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے، شیخ محمد الامین الشنقیطی نے بھی اپنی تفسیر ''أضواء البیان'' میں (مشت زنی کی حرمت پر) اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

بعض آثار میں یہ الفاظ مروی ہیں:

''إن قوما یأتون وأیدیھم حبالی کانوا یعبثون بمذاکیرھم''[1]

''بلاشبہ (قیامت کے دن) ایک قوم اس حال میں دربار الٰہی میں پیش ہوگی کہ ان کے ہاتھوں میں حمل ہوگا جن ہاتھوں سے وہ اپنے

---

[1] یہ جبیر بن سعید تابعی کا قول ہے۔ دیکھیں: تفسیر البغوي [410/1]

اعضاء تناسل سے مشت زنی کیا کرتے تھے۔“

لیکن جب ایک جوان آدمی کو زنا جیسی بے حیائی میں ملوث ہونے کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں بعض علماء نے مشت زنی کی اجازت دی ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ اس عادت بد کے ذریعہ اس کے جنسی جوش میں قدرے کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن اولاً اس پر واجب یہ ہے کہ وہ پاکدامنی اختیار کرنے کے لیے شادی کرے، پس اگر وہ شادی کی طاقت نہ رکھے تو روزے رکھے جس سے اس کی جنسی خواہش میں کمی آجائے گی۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ)

جب عورت مرد کی طرح احتلام والی ہو جائے تو اس پر کیا واجب ہے؟

سوال کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے؟ اور جب اس کو احتلام ہو تو اس پر کیا واجب ہے؟ اور اگر اسے احتلام ہو اور وہ غسل نہ کرے تو اس پر کیا لازم آتا ہے؟

جواب یقیناً عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے، کیونکہ بلاشبہ عورتیں مردوں کی مانند ہیں تو عورتوں کو بھی مردوں کی طرح احتلام ہوتا ہے۔ اور جب عورت یا مرد کو احتلام ہو جائے، اور بیدار ہونے کے بعد وہ اپنے کپڑوں پر منی کو موجود پائے تو اس پر غسل (جنابت) کرنا واجب ہوگا، اس لیے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جب عورت احتلام والی ہو جائے تو کیا اس پر غسل کرنا واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نعم، إذا رأت الماء»[1]

”ہاں، جب وہ اپنے کپڑوں پر منی دیکھے۔“

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [130] صحيح مسلم، رقم الحديث [313]

تو جب عورت اپنے کپڑوں پر منی دیکھے گی تو اس پر غسل کرنا واجب ہوگا۔ رہی وہ عورت جس کو گمان ہوا کہ وہ خواب میں محتلمہ ہوگئی ہے، مگر اس کے کپڑوں پر منی کے اثرات نہیں ہیں تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ اور جب اچانک وہ اپنے کپڑوں پر منی دیکھے تو وہ تحقیق کرے کہ اس نے کتنی نمازیں چھوڑی ہیں سو وہ اتنی نمازیں پڑھ لے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اگر عورت حالت حیض میں اپنے خاوند سے جماع کرنے پر راضی ہوجائے تو کیا اس پر کفارہ واجب ہوگا؟

سوال ایک عورت کو ماہواری آئی ہوئی ہے، اس کے خاوند نے زبردستی اس سے جماع کرنے کا مطالبہ کیا (اور جماع ہوگیا) اب مرد اور عورت پر کیا واجب ہے، اور کیا اس معاملہ میں عورت کے راضی ہوکر جماع کا حکم (مجبور ہوکر جماع کرنے کے حکم سے) مختلف ہوگا؟

جواب خاوند پر اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرنا حرام ہے، البتہ اس کے لیے یہ حلال ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تہبند بندھوانے کے بعد جماع کے علاوہ اس کے جسم کے جس حصے سے چاہے لطف اندوز ہو لے۔ لیکن اگر اس نے (بحالت حیض) بیوی کی شرمگاہ میں جماع کیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ نصف دینار صدقہ کرے۔ اگر عورت بھی اس جماع پر راضی تھی تو اس پر بھی نصف دینار صدقہ کرنا واجب ہوگا، اور اگر وہ اس پر راضی نہ تھی تو اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

جماع کے وقت مستحب ذکر

سوال بیوی کے ذمہ اپنے خاوند سے جماع کرنے کے بعد کونسی نماز واجب ہے؟ اور آدمی جمعہ کے دن کا غسل کرتے ہوئے کونسی دعا پڑھے۔

جواب جب میاں بیوی جماع کرنے کا ارادہ کریں تو ان میں سے ہر ایک کے لیے یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

«بسم الله، اللهم جنبنا الشيطان و جنب الشيطان ما رزقتنا»[1]

''اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! شیطان کو ہم سے اور اس (جماع) کے نتیجہ میں جو تو ہم کو اولاد دے اس سے شیطان کو دور کر دے۔''

اور وہ اس جماع کے سبب اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے عفت و پاکدامنی اور افزائش نسل کی امید رکھے نہ کہ صرف جنسی خواہش کو پورا کرنے کی۔

نہ تو نماز جمعہ کے غسل کے لیے کوئی دعا مشروع ہے، اور نہ ہی سرے سے کوئی ایسی نماز ہی ہے جو مرد اور عورت جماع کے وقت (یا اس کے بعد) پڑھیں۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [141] صحيح مسلم، رقم الحديث [1434]

تحدید نسل
خاندانی منصوبہ بندی
عزل اور اسقاط حمل
کے متعلق فتویٰ جات

منع حمل کا حکم

سوال میرے باپ نے میری ہمشیرہ کی شادی کی، پھر وہ ہفتہ بھر ہمارے پاس رہی تو میرا باپ اس کو ہسپتال لے گیا تا کہ اس کو مانع حمل دوائی لے کر دے، پس اس کا کیا حکم ہے؟

جواب تیری اس بہن کے لیے یہ دوائی استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے باپ کے لیے روا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو مانع حمل دوائی کھلائے، کیونکہ ایسا کرنا ''وأد'' (زندہ درگور کرنا) اور نسل انسانی کو کم کرنے کے زمرے میں آتا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«تزوجوا الولود الودود فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة»[1]

''شادی کرو، محبت کرنے والی اور بچے جننے والی سے۔ کیونکہ میں تمھاری اس کثرت کے ساتھ قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گے۔''

اور مانع حمل گولیاں استعمال کرنے میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے، اور ان کے بھلائی سے خالی ہونے کی وجہ سے ہم ان سے پرہیز ہی کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ واللہ المستعان (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

مانع حمل گولیاں استعمال کرنا کب جائز ہوتا ہے؟

سوال شریعت عورت کے لیے مانع حمل گولیوں کا استعمال کب جائز قرار دیتی ہے؟ اس غرض کے لیے کہ وہ چھوٹے بیٹوں کی تربیت کا اہتمام کر سکے؟

---

[1] صحيح. سنن أبي داود [158/3]

جواب حالت مجبوری کے علاوہ مانع حمل گولیوں کا استعمال جائز نہیں ہے، اور مجبوری یہ ہے کہ اطباء تحقیق کے بعد فیصلہ دیں کہ عورت کا حاملہ ہونا اس کو موت کی دہلیز تک پہنچا دے گا۔ لیکن حمل کو مؤخر کرنے والی گولیاں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ عورت کو اس کی انتہائی ضرورت ہو، مثلاً جب عورت کی صحت تھوڑے وقفے سے بار بار حمل کی متحمل نہ ہو، یا نیا حمل اس کے دودھ پیتے بچے کے لیے ضرر رساں ہو اور وہ حمل کو ضائع تو نہ کرے، البتہ اس میں مناسب وقفہ کر لے تو ضرورت کے تحت ایسا کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ یہ اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے مشورہ کے بعد ہو۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

سوال مانع حمل گولیوں اور اس کے متعلق تقسیم کیے جانے والے پمفلٹ کا کیا حکم ہے؟

جواب زیر بحث مسئلہ پر تھوڑا سا تأمل اور غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب ایک مقررہ مدت تک حمل کے وقفوں کی منصوبہ بندی کا سبب خاندانی حالات یا صحت ہو مثلاً عورت کا حمل کی وجہ سے کمزور ہو جانا اور ضرر اٹھانا، یا بچہ کی ولادت کے وقت عورت کی زندگی کو خطرہ کا لاحق ہونا، یا پہلے بچے کا دودھ چھڑوانے سے پہلے اس کا حاملہ ہو جانا جو خود عورت کے لیے یا اس کے بچے کے لیے ضرر رساں ہو، لہٰذا ان حالات میں اور اس طرح کے دیگر حالات میں مانع حمل گولیوں کا استعمال جائز ہے۔ اور مانع حمل گولیوں کا استعمال اس عزل (جماع کے وقت عورت کی شرمگاہ سے باہر منی خارج کرنا تاکہ وہ حاملہ نہ ہو) کے مشابہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے، یا عزل سے نرم و آسان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ) بلاشبہ یہودی یہ باتیں

کرتے ہیں کہ عزل کرنا چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«کذبت یهود، لو أراد الله أن یخلقه ما استطعت أن تصرفه»[1]

''یہودی جھوٹ بولتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہے تو وہ (عزل کرنے والیاں) اس کو روک نہیں سکتیں۔''

اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«کنا نعزل و القرآن ینزل علی عهد رسول الله ﷺ»[2]

''رسول اللہ ﷺ کے نزول قرآن کے دور میں ہم عزل کیا کرتے تھے۔''

(یعنی اگر عزل ناجائز ہوتا تو قرآن اس سے منع کر دیتا ہے تو گویا عزل تقریر حکمی کے ذریعہ جائز ہوا۔ مترجم)

قاضی ابو یعلی وغیرہ سے مروی ہے کہ عبید بن رفاعہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: علی، زبیر اور سعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے عزل پر مذاکرہ کیا اور نتیجتاً کہا: عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں، ان میں سے ایک آدمی نے کہا: بلاشبہ یہودیوں کا یہ خیال ہے کہ عزل چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: سات دور گزرنے سے پہلے (اسقاط حمل یا عزل وغیرہ کرنے پر) زندہ درگور کرنے کا حکم نہیں لگتا ہے: پہلے وہ ایک بوٹی بن جاتا ہے، پھر اس میں ہڈیاں بن جاتی ہیں، وہ سات دور اس طرح کہ پہلے دور میں بچہ مٹی کا خلاصہ ہوتا ہے، پھر وہ نطفہ ہوتا ہے، پھر وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا جاتا ہے اور پھر وہ ایک اور (مکمل انسان کی) صورت بن جاتا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: (اے علی!) اللہ تیری عمر دراز کرے تو نے سچ فرمایا ہے۔

---

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [2171]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4911] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1440]

اور فقہاء نے حمل کو چالیس دن کی مدت کے اندر، جب وہ صرف نطفہ ہی ہوتا ہے، دوائی پی کر ساقط کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

لیکن جب مانع حمل گولیوں کا استعمال افزائش نسل کو ناپسند کرتے ہوئے یا کثرت اولاد کی صورت میں اخراجات کے بڑھ جانے کے خوف سے یا اسی قسم کی کسی دوسری وجہ سے نظام حمل کو مکمل طور پر ختم کرنے کی غرض سے ہو تو یہ حلال اور جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ رب العالمین کے ساتھ بدگمانی ہے (کہ وہ زیادہ بچوں کو رزق نہ دے سکے گا) اور سید المرسلین کی سنت کی خلاف ورزی ہے کیونکہ آپ ﷺ قیامت کے دن اپنی امت کی کثرت کے ساتھ دوسری امتوں پر کثرت و غلبہ کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ (محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

سوال عورت کے لیے مانع حمل گولیاں استعمال کرنا کب جائز اور کب ناجائز ہے؟ اور کیا تحدید نسل کے جواز پر کوئی صریح نص یا فقہی رائے موجود ہے؟ اور کیا کسی مسلمان کے لیے مجامعت کے دوران بلا ضرورت عزل کرنا جائز ہے؟

جواب مسلمانوں کے لیے لائق یہ ہے کہ وہ جتنی طاقت رکھتے ہیں افزائش نسل اور تکثیر امت کریں، کیونکہ افزائش نسل وہ عمل ہے جس کے کرنے کی طرف نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان میں توجہ دلائی ہے:

«تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم»[1]

"خوب محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی عورتوں سے شادی کرو، میں تمھاری کثرت سے (قیامت کے دن دیگر امتوں پر) اپنی کثرت و غلبہ کا اظہار کروں گا۔"

اور نیز اس لیے کہ افزائش نسل تکثیر امت ہے اور امت کی کثرت اس کی

---

[1] صحيح. سنن أبي داود [158/3]

عزت وعظمت کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر تکثیر امت کا احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴾ [بني إسرائيل: 6]

''اور تمھیں تعداد میں زیادہ کر دیا۔''

اور شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

﴿ وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ﴾ [الأعراف: 86]

''اور یاد کرو جب تم بہت کم تھے تو اس نے تمھیں زیادہ کر دیا۔''

بلاشبہ امت کی کثرت اس کی عزت وعظمت اور قوت ومضبوطی کا سبب ہے، اس حقیقت کا انکار کوئی بھی نہیں کر سکتا، سوائے ان بدگمانی کرنے والوں کے جن کا تصور اس کے برعکس ہے۔ وہ یہ بدگمانی کرتے ہیں کہ امت کی کثرت اس کے فقر وفاقہ کا سبب بنے گی حالانکہ بلاشبہ جب امت تعداد میں زیادہ ہوگی، اللہ عزوجل پر اعتماد وتوکل کرے گی اور اس کے اس وعدے پر یقین کرے گی:

﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ [هود: 6]

''اور زمین میں کوئی چلنے والا (جاندار) نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی پر ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دے گا اور اس کو اپنے فضل سے غنی وبے پرواہ کر دے گا، سو اس بنا پر مذکورہ سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے۔

لہٰذا عورت کے لیے دو شرطوں کے ساتھ مانع حمل گولیوں کا استعمال جائز ہے:

۱۔ پہلی شرط: یہ کہ عورت کو واقعتاً اس کی ضرورت ہو، مثلاً وہ ایسی مریضہ ہو کہ ہر سال حمل کو برداشت کرنے کی متحمل نہ ہو، یا اس کا جسم انتہائی کمزور اور لاغر ہو اور اس قسم کے دیگر موانع ہوں جو اس کے لیے ہر سال حاملہ ہونے میں ضرر رساں ہوں۔

۲۔ دوسری شرط: یہ کہ خاوند اس کو مانع حمل گولیوں کے استعمال کی اجازت دے کیونکہ خاوند کو اولاد کے حصول اور عدم حصول کا حق حاصل ہے۔

اسی طرح ان گولیوں کے استعمال میں ڈاکٹر سے مشاورت کرنا بھی ضروری ہے کہ کیا ان گولیوں کا استعمال نقصان دہ ہے یا نقصان دہ نہیں ہے؟ پس جب مذکورہ دونوں شرطیں پوری ہوجائیں تو ان گولیوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ان گولیوں کو مسلسل استعمال نہ کیا جائے یعنی گولیوں کو اس انداز میں استعمال نہ کیا جائے کہ وہ مستقل طور پر حمل کو روک دیں کیونکہ ایسا کرنا نسل کشی کا باعث بنے گا۔

رہا سوال کا دوسرا حصہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ تحدید نسل ایک ایسا امر ہے جو فی الواقع ممکن نہیں ہے، کیونکہ حمل ٹھہرنا یا نہ ٹھہرنا ہر دو عمل اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہیں۔ پھر بلاشبہ جب انسان اپنی اولاد کو ایک معین تعداد کے ساتھ محدود کرے گا تو عین ممکن ہے کہ وہ معین تعداد کسی آفت کے سبب ایک ہی سال میں ہلاک ہو جائے اور وہ بے اولاد اور بے نسل باقی رہ جائے۔ نیز تحدید نسل کا شریعت اسلامیہ میں کوئی تصور نہیں ہے، لیکن ضرورت کے تحت منع حمل کو محدود پیمانے پر اختیار کیا جاسکتا ہے جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ لیکن ضرورت کے تحت منع حمل کو محدود کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ابھی سوال کے پہلے حصے کے جواب میں گزرا ہے۔

رہا سوال کا تیسرا حصہ یعنی دوران جماع بلاسبب عزل کرنا تو اہل علم کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث کی وجہ سے عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے:

«كنا نعزل و القرآن ينزل»[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4911] صحيح مسلم، رقم الحديث [1440]

''ہم عزل کرتے تھے اور قرآن اترتا تھا۔''

یعنی نبی ﷺ کے دور میں ہم عزل کرتے تھے اور اگر ایسا کرنا حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ (قرآن نازل کرکے) اس سے منع کر دیتے۔

لیکن اہل علم کا کہنا ہے کہ مرد آزاد عورت کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کرسکتا، یعنی خاوند اپنی آزاد بیوی کی اجازت کے بغیر اس سے عزل نہ کرے، کیونکہ حصول اولاد میں اس کا بھی حق ہے۔ پھر بلاشبہ بیوی کی اجازت کے بغیر اس سے عزل کرنے سے اس سے لطف اندوز ہونے میں کمی واقع ہوگی، پس عورت سے مکمل لطف اندوزی (اس کی شرمگاہ کے اندر) انزال کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، سو اس بنا پر عورت کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے نہ اس سے مکمل لطف اندوزی ہی حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی اولاد، اسی لیے ہم نے عزل کرنے میں عورت کی اجازت کی شرط لگائی ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

تحدید نسل اور خاندانی منصوبہ بندی میں فرق

سوال میں نے تحدید نسل کے متعلق بہت سی اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا جو کتابیں ہمارے ملک مصر سے شائع ہوتی ہیں ان میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عزل کیا کرتے تھے۔ کیا یہ سچ ہے؟ جبکہ عزل کرنے والے کی بیوی بھی ازدواجی تعلقات سے لطف اندوز ہونے کا پورا حق رکھتی ہے۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تنظیم نسل کا کوئی تصور تھا؟ اور اسلام میں تنظیم نسل اور تحدید نسل میں کیا فرق ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بلاشبہ میں اکثر اپنے طالب علموں کے سامنے ان دو سوالوں کا جواب دینے میں پریشان ہوتا ہوں اور مجھے ان کا شافی جواب دینے والا کوئی

نہیں ملتا، ہمیں اس مسئلہ میں فائدہ پہنچایئے، اللہ آپ کو برکت عطا فرمائے۔

جواب تحدید نسل اور تنظیم نسل میں فرق:

تحدید نسل: کا مطلب ہے کہ بچوں کی ایک معین تعداد مثلاً دو یا تین بچوں کے بعد خاندان کے مالی توازن کو بچاتے ہوئے اور اس بنیاد پر افزائش نسل کو ناپسند کرتے ہوئے مزید بچوں کی پیدائش کو روک دینا۔

تنظیم نسل: یہ ہے کہ حمل کو ایک مدت تک کے لیے مؤخر کیا جائے تاکہ اس میں عورت ستالے اور آرام کر لے اور اس کی چستی لوٹ آئے، پھر وہ افزائش نسل کی رغبت کے ساتھ، چاہے اس کی تعداد کتنی ہو جائے، مانع حمل تدابیر کو ترک کر دے۔ بلاشبہ الشیخ مودودی رحمہ اللہ نے خاص اس موضوع پر اپنی کتاب "حركة تحديد النسل" میں کافی مواد پیش کیا ہے، اگر آپ اس موضوع پر تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اگر آپ کے لیے ممکن ہو سکے تو اس کتاب کا مطالعہ کرو۔ وباللہ التوفیق (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال تنظیم نسل کا کیا حکم ہے؟

جواب تنظیم نسل وہ مسئلہ ہے کہ آج اسلامی ممالک کے مسلمان اس کی لپیٹ میں ہیں، اس کی کئی صورتیں ہیں، جن کی اصل تنظیم نسل پر ابھارنے والا سبب ہے، مثلاً جب تنظیم نسل مسلمان خیر خواہ ڈاکٹرز کے مشورہ کی بنیاد پر ہو، اور ڈاکٹرز کی طرف سے یہ مشورہ عورت کی بحالی صحت کے لیے ہو جس میں زیادہ بچے پیدا کرنے کی وجہ سے بگاڑ آ چکا ہو، پس جب مسلمان ماہر ڈاکٹر کا مشورہ اس بنیاد پر ہو تو تنظیم نسل کا یہ معقول عذر ہے، یہ اس صورت کی مثال ہے جس میں تنظیم نسل جائز ہے۔

اس کے برعکس مثال: جب تنظیم نسل کا سبب فقر و فاقہ (کا ڈر اور خوف) ہو، یعنی وہ مادی حساب جن کو (تنظیم نسل پر ابھارنے والے) کفار عام طور پر (مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے) نمایاں اور ظاہر کیا کرتے ہیں، ان میں کا کوئی کہتا ہے: میں اور میری بیوی دو، اور دو ہی ہمارے بچے ہیں اور پانچواں ان کا کتا جیسا کہ قرآن میں (اصحاب کہف کے متعلق) ہے (کہ اصحاب کہف کے بارے میں لوگ قیاس آرائیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصحاب کہف تین ہیں، چوتھا ان کا کتا، یا وہ پانچ ہیں، چھٹا ان کا کتا، یا وہ سات ہیں، آٹھواں ان کا کتا ہے) پس ان میں سے ہر ایک اپنا حساب لگاتا ہے کہ اس کا خرچ کتنا ہے اور ہماری آمدنی جو ہمیں حاصل ہو رہی ہے، وہ صرف ہمارے ہی اخراجات کے لیے کافی ہے، یعنی صرف پانچ افراد کے لیے۔

تو اسلام میں اس قسم کی تنظیم نسل جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا داعیہ اور سبب زمانہ جاہلیت کا وہ خوف ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ نصیحت فرمائی ہے:

﴿ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ﴾ [الإسراء: 31]

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انھیں رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔"

خاص طور پر مسلمانوں کا تو اس بات پر ایمان ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنا رزق ساتھ لے کر آتا ہے، کیونکہ مشہور و معروف حدیث کے مطابق اس کے عالم دنیا میں آنے سے پہلے جب وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے

اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے۔ تو اس قسم کی تنظیم نسل، جس کا یہ مذکورہ سبب ہو، جائز نہیں ہے۔ اور اس کو کسی بھی صورت میں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس موضوع پر لمبی تفصیل ہے، مگر وقت قلیل ہے، لہٰذا ہم اسی قدر جواب پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

ضرورت کے تحت حمل کو روکنا

سوال ایک مسلمان ماہر ڈاکٹر نے ایک عورت کو آگاہ کیا کہ اس کے لیے حاملہ ہونا مناسب نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ حاملہ ہوئی تو زچگی کے دوران وہ مر جائے گی، اور اس کے خاوند کی کوئی اور بیوی بھی نہیں ہے اور وہ دونوں میاں بیوی جوانی کے اس بہترین دور سے گزر رہے ہیں جس میں وہ دونوں ایک دوسرے سے مستغنی و بے پرواہ بھی نہیں ہو سکتے، کیا اس عورت کے لیے مانع حمل دوائی استعمال کرنا جائز ہے یا بوقت جماع اس کا خاوند اس سے عزل کر سکتا ہے؟

جواب اولاً: عزل کے جواز پر روایت موجود ہے، چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كنا نعزل على عهد رسول الله، و القرآن ينزل»[1]

''ہم عزل کرتے تھے درآنحالیکہ قرآن نازل ہوتا تھا (یعنی اگر عزل ممنوع ہوتا تو قرآن اس سے منع کر دیتا)۔''

اس حدیث کی صحت پر بخاری اور مسلم نے اتفاق کیا ہے۔

مسلم میں یہ روایت بھی موجود ہے:

«كنا نعزل على عهد رسول الله ﷺ ، فبلغه ذلك فلم يمنعنا»[2]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4911] صحيح مسلم، رقم الحديث [1440]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [1440]

”ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں عزل کیا کرتے تھے، آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے ہم کو منع نہیں کیا۔“

ثانیاً: اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم میں سے جس کا پیدا کرنا مقدر کر رکھا ہے مانع حمل گولیاں اور عزل اس کو روک نہیں سکتا۔ اس کی اصل وہ روایت ہے جس کو جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: بلاشبہ میرے پاس ایک لونڈی ہے جو ہماری خدمتگار ہے اور ہماری کھجوروں کو سیراب کرتی ہے، میں اس سے مجامعت کرتا ہوں اور اس کے حاملہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اعزل عنها إن شئت، فإنه سيأتيها ما قدر لها»[1]

”اگر تو چاہتا ہے تو اس سے عزل کر لے مگر (یاد رکھ) جو اس کے مقدر میں اولاد ہے وہ ہو کر رہے گی۔“

اس کو مسلم، احمد اور ابو داود نے روایت کیا ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق پر روانہ ہوئے، ہمیں کچھ عرب لونڈیاں ملیں، پس ہمیں عورتوں سے ملاپ کی انتہائی زیادہ خواہش محسوس ہوئی اور ہم پر (عورتوں سے) دوری گراں گزرنے لگی اور ہم نے (ان لونڈیوں سے مجامعت کرتے ہوئے) عزل کرنے کو پسند کیا تو ہم نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ما عليكم ألا تفعلوا، فإن الله عزوجل قد كتب ما هو خالق إلى يوم القيامة»[2]

---

1. صحیح مسلم، رقم الحدیث [1439]
2. صحیح. مسند أحمد [63/3]

"تم پر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، (مگر) بلاشبہ اللہ عزوجل نے ہر اس چیز کو تحریر فرما دیا ہے جس کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔"

اس حدیث کی صحت پر بخاری اور مسلم نے اتفاق کیا ہے، پس مذکورہ بالا یہ دو حدیثیں اور اس مفہوم کی دوسری حدیثیں عزل کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، اور مانع حمل گولیوں کا استعمال عزل کے حکم میں ہی ہے۔

ثالثاً: اس مسلمان ڈاکٹر نے جو یہ بیان کیا ہے کہ بلاشبہ یہ عورت اگر حاملہ ہوگئی تو وہ بوقت ولادت مر جائے گی، صحیح نہیں ہے، کیونکہ موت کا علم اس علم غیب کا حصہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾

[لقمان: 14]

"بے شک اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔" (سعودی فتویٰ کمیٹی)

حمل کو روکنے کے لیے نس بندی کروانے کا حکم

سوال ایک عورت کی عمر تقریباً انتیس (29) سال ہوچکی ہے، اس نے دس

بچوں کو جنم دیا ہے اور دسویں بچے کی پیدائش پر اس کا مانع حمل آپریشن کر دیا گیا، آپریشن سے پہلے اس کے خاوند سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کی نس بندی کروا دے، کیونکہ وہ اپنی خرابی صحت کی بنا پر مزید بچے پیدا نہیں کر سکتی، اور اگر وہ حمل کو روکنے کے لیے مانع حمل گولیاں استعمال کرے گی تو وہ بھی اس کی صحت خراب کرنے کا باعث بنیں گی، لہٰذا اس خاوند نے مذکورہ (نس بندی کا) آپریشن کرنے کی اجازت دے دی، تو کیا وہ دونوں میاں بیوی ایسا کرنے میں گناہ گار ہوں گے؟

جواب جب ڈاکٹروں نے تحقیق کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ عورت کا مزید بچے پیدا کرنا ضرر رساں ہے تو خاوند کی اجازت سے مذکورہ آپریشن کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

ضرورت کے تحت (مانع حمل) چھلے استعمال کرنے کا حکم

سوال میں ایک عورت ہوں اور اپنا ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں، سوال یہ ہے کہ میں کچھ عرصہ سے (مانع حمل) چھلے استعمال کر رہی ہوں تاکہ (مزید حمل میں وقفے کے دوران) میرے بچے بڑے ہو جائیں کیونکہ وہ بہت چھوٹے ہیں، ایسا کرنا حلال ہے یا حرام؟

جواب جب منع حمل کی مذکورہ تدبیر اور دیگر مانع حمل تدابیر عورت کے لیے نقصان دہ نہ ہوں اور نہ ہی اس کی عبادت میں کوئی خلل اور خرابی ڈالتی ہوں، اور منع حمل کسی صحیح غرض مثلاً بیماری اور کثرت حمل کی وجہ سے (موت) کا خطرہ کے لیے ہو تو ان شاء اللہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ زوجین اس پر متفق ہوں۔ اور ایسا کرنا اس تحدید نسل کے حکم

میں نہیں ہے جس کی حرمت پر شرعی نصوص اور شریعت کے عظیم مقاصد دلالت کرتے ہیں۔

پس بلاشبہ شریعت کے عظیم مقاصد میں ایک مقصد اس امت کی تعداد کو بڑھانا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے:

«تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأنبياء يوم القيامة»[1]

''خوب محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے جننے والی عورتوں سے شادی کرو، بلاشبہ میں قیامت کے دن انبیاء پر اپنی امت کی کثرت ظاہر کروں گا۔'' اس کو احمد، بیہقی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

اس سلسلہ میں شرعی نصوص بہت زیادہ ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اہل وعیال اور اولاد (کے حصول) سے اعراض کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہوں، اور نہ ہی یہ انبیاء کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ﴾ [الرعد: 38]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے کئی رسول تجھ سے پہلے بھیجے اور ان کے لیے بیویاں اور بچے بنائے۔'' (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عزل کا حکم اور اس کی کیفیت

سوال عزل کب واجب ہوتا ہے اور اس کی کیفیت کیا ہے؟

جواب امام احمد اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے

[1] صحيح. سنن أبي داود [158/3]

کہ انھوں نے فرمایا:

«نهىٰ رسول الله ﷺ أن يعزل عن الحرة إلا بإذنها»[1]

''رسول اللہ ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔''

اور عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی ''مصنف'' میں اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«نهي عن عزل الحرة إلا بإذنها»[2]

''آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔''

مذکورہ روایات آزاد عورت کی اجازت کے ساتھ اس سے عزل کرنے کے جواز اور اس کی اجازت کے بغیر اس سے عزل کرنے کے ممنوع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور بلاشبہ لونڈی سے عزل کرنا اس کی اجازت کا محتاج نہیں ہے، بشرطیکہ یہ انتہائی زیادہ حاجت اور ضرورت کے وقت ہی کیا جائے۔

عزل کی کیفیت کچھ یوں ہے کہ عورت سے دخول کے بعد آلہ تناسل کو باہر نکال لینا تاکہ منی عورت کی شرمگاہ کے باہر خارج ہو۔ وباللہ التوفیق

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال عزل کا کیا حکم ہے؟

جواب عزل کے متعلق کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اور کراہت و ناپسندیدگی علماء کی تعبیر کے مطابق جواز کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، کیونکہ بعض اوقات ایک کام جائز ہونے کے ساتھ ساتھ مکروہ ہوتا ہے۔

---

1. **ضعيف.** سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1988]
2. **ضعيف.** سنن البيهقي [231/7]

عزل کے جواز کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو بخاری و مسلم رحمہ اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:

«كنا نعزل والقرآن ينزل» [1]

''ہم عزل کرتے تھے درآنحالیکہ قرآن اترتا تھا۔''

اور جابر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول کا مطلب یہ ہے کہ ہم عزل کرتے ہی رہے اور قرآن میں (اس کے ممنوع ہونے کا) کوئی حکم نازل نہیں ہوا، سو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عزل کرنا جائز ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ عزل جائز ہونے کے ساتھ ساتھ مکروہ بھی ہے۔ (اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ) اس کے مکروہ ہونے کا حکم کہاں سے ملا؟ (تو گزارش یہ ہے کہ) عزل کے مکروہ ہونے کا حکم آپ علیہ السلام کے اس فرمان پر غور کرنے سے حاصل ہوا:

«تزوجوا الودود الولود، فإني مباه بكم الأمم يوم القيامة، وفي لفظ: مكاثر بكم الأمم يوم القيامة» [2]

''خوب محبت کرنے والی اور کثرت سے بچے پیدا کرنے والی عورت سے شادی کرو، بلاشبہ میں قیامت کے دن تمھاری کثرت سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا، ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں: قیامت کے دن تمھاری کثرت سے دیگر امتوں پر کثرت و غلبہ کا اظہار کروں گا۔''

پس وہ شخص جو اپنی بیوی سے عزل کرتا ہے، بلاشبہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کو نہیں مانتا ہے۔ اور یہ عمل جس کو حکومت نے اپنا ''متبنیٰ'' بنا کر اس کا نام تحدید نسل اور تنظیم نسل رکھ لیا ہے، یہ نبی علیہ السلام کی دوسری امتوں اور ان کے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4911] صحيح مسلم، رقم الحديث [1440]

[2] صحيح. سنن أبي داود [158/3]

انبیاء پر اپنی امت کی کثرت کو ظاہر کر کے فخر کرنے کی خواہش کے خلاف ہے۔

پھر یہ کہ عزل کرنا مغرب کی تقلید ہے جو بچے کی تربیت پر اجر وثواب کے ثابت ہونے کا عقیدہ و ایمان نہیں رکھتا، حالانکہ تربیتِ اولاد پر ثواب کے مرتب ہونے کی یہ دلیل موجود ہے:

«إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له» [1]

''جب ابن آدم فوت ہوجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ دیگر اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، ان میں سے ایک صدقہ جاریہ دوسرا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور تیسرا وہ نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے۔''

نیز آپ ﷺ کا وہ فرمان بھی اس پر دلالت کرتا ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث سے بیان کیا ہے:

«ما من مسلِمَيْنِ ـأي زوجينـ يموت لهما ثلاثة من المواليد إلا لن تمسه النار إلا تحلة القسم» [2]

''جو نسے دو مسلمان، یعنی میاں بیوی، ان کے تین بچے (بلوغت کو پہنچنے سے پہلے) فوت ہوجائیں، ان کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی، سوائے قسم کو حلال کرنے کے لیے۔''

(اللہ کے اس فرمان کے تحت ﴿وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ تم میں سے جو بھی ہے اس پر وارد ہونے والا ہے یہ ہمیشہ سے تیرے رب کے ذمہ قطعی بات ہے جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔مترجم۔) کیا کفار

[1] **صحيح**. سنن الترمذي، رقم الحديث [3895]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [6280] صحيح مسلم، رقم الحديث [2632]

کو اس طرح کی فضیلت حاصل ہے جو اللہ نے ہم مسلمانوں کو عطا کر رکھی ہے؟

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

ضرورت کے تحت اسقاط حمل کا حکم

سوال میری بیوی بلڈ پریشر کی مریضہ ہے، اور حمل کا ہونا اس کی زندگی کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے، لہٰذا ڈاکٹروں نے اس کو مشورہ دیا ہے کہ وہ حاملہ نہ بنے، لیکن اللہ کے ارادے اور مشیت سے وہ حاملہ ہوگئی ہے اور اس کا حمل ابھی ابتدائی ہفتوں میں ہے، ڈاکٹر نے اس کو اسقاط حمل کا مشورہ دیا ہے، مگر وہ ایسا کرنے سے باز رہی تاکہ وہ شریعت کی رائے معلوم کر لے تو کیا اس کے لیے اسقاط حمل جائز ہے؟

جواب حمل کو چالیس دن مکمل ہونے سے پہلے جائز اور حلال دوائی کے ذریعہ اسقاط نطفہ (کیونکہ حمل ابتدائی چالیس دنوں میں نطفے کی شکل میں ہوتا ہے) جائز ہے، اور چالیس دن کے بعد بھی جائز ہے، بشرطیکہ یہ ثابت ہوجائے کہ حمل سے حاملہ کی جان کو خطرہ ہے، یا معتبر ڈاکٹروں کی تحقیق سے ثابت ہوجائے کہ حمل ان کے بدن کے لیے نقصان دہ اور ضرر رساں ہے۔

(عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ)

فقر و فاقہ یا بیماری کے ڈر سے بچے پیدا نہ کرنا

سوال میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جو ''سیلان خون'' کے مرض میں مبتلا تھا، اور جب میں نے دوسرا بچہ پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے چھ ڈاکٹروں نے بتایا کہ بلاشبہ میرے ہاں پیدا ہونے والے تمام بچے اسی مرض میں مبتلا ہوں گے، کیونکہ یہ موروثی بیماری ہے،

لہٰذا میں نے باوجود بچوں کی خواہش کے، پیدا ہونے والے بچے کے متعلق ڈرتے ہوئے (کہ وہ بھی اس مرض کا شکار ہوگا) اور اپنی ذات کے متعلق اس ناقابل برداشت خرچ سے ڈرتے ہوئے، جو اس بیماری کے علاج پر اٹھتا ہے، اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ اس بیماری کا قطعی علاج نہیں ہے، میں نے بچے پیدا کرنے سے توقف کر لیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا میرا یہ فعل صحیح اور شرعی ہے یا نہیں؟ ہمیں فائدہ پہنچا کر عند اللہ ماجور ہوں۔

جواب تمھیں اللہ پر توکل و بھروسہ کرتے ہوئے اپنا یہ معاملہ اسی کے سپرد کرنا چاہیے اور طلب اولاد کے سلسلہ میں بچے پیدا کرنے چاہییں کیونکہ مسببات کو اسباب پر مرتب کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لائق ہے۔ وباللہ التوفیق

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال ایک عورت ایک بچے کے ساتھ حاملہ ہوئی، پھر اس نے اس بچے کو کامل اور پوری خلقت میں جنم دیا، لیکن اس بچے کے جسم میں ہڈیاں نہیں تھیں اور اپنی پیدائش کے چند لمحے بعد تک زندہ رہا، پھر وہ فوت ہوگیا۔ وہ عورت پھر حاملہ ہوئی اور وہ یہاں ایک امریکی ہسپتال میں داخل ہے، ڈاکٹروں نے اس کے جتنے بھی ٹیسٹ اور الٹرا ساؤنڈز کیے ہیں وہ یہی تشخیص کرتے ہیں کہ موجودہ بچہ بھی اپنی ماں کے پیٹ میں زندہ ہونے کے باوجود پہلے بچے کی طرح (بغیر ہڈیوں کے) ہی ہے اور ڈاکٹروں نے اس عورت کے وارثوں کو تجویز پیش کی ہے کہ وہ اب کی مرتبہ اس کا حمل ساقط کروا دیں، جبکہ وہ اب اپنے حمل کے پانچویں مہینے میں ہے۔

ڈاکٹر اس بچے کے اسقاط کی تجویز اس لیے دیتے ہیں تاکہ وہ اس بچے کے میڈیکل ٹیسٹ کریں، ہوسکتا ہے کہ وہ اس عورت کے بچوں کو بغیر ہڈیوں کے پیدا ہونے کے اسباب جان سکیں۔ ہم نے اس کیس کے معالج امریکی ڈاکٹر

سے بات چیت کی ہے، اس نے یہ رپورٹ دی ہے کہ اس حمل سے پیدا ہونے والا بچہ بدشکل و بدنما اور بغیر ہڈیوں کے پیدا ہوگا اور ولادت کے بعد اس کے زندہ رہنے کا احتمال بہت کمزور ہے بنا بریں اس نے عورت کو اسقاط حمل کا تاکیدی مشورہ دیا ہے۔

میرا خیال یہ تھا کہ اس بچے کو باقی رکھا جائے اور اس کو ساقط کرنے کی بجائے عورت کی نارمل ڈلیوری کروائی جائے۔ لیکن یہ عورت سعودی عرب کی رہنے والی ہے اور اپنے وطن لوٹ جانے کا ارادہ رکھتی ہے، اس کا امریکا میں مزید چار مہینے قیام کرنا اس کے لیے بہت سی مالی اور نفسیاتی مشکلات پیدا کرے گا۔ اور وہ ڈرتی ہے، درآنحالیکہ اس کے معالج ڈاکٹروں نے اس کو سخت بے چین و مضطرب کر دیا ہے کہ جب وہ اس حال میں سفر کرے گی تو کسی ایسی جگہ پر حمل ساقط ہوسکتا ہے جہاں پر ڈاکٹر اس بچے کے ضروری ٹیسٹ نہ لے سکیں گے، اسی لیے ڈاکٹر ابھی سے اسقاط حمل کا مشورہ دیتے ہیں۔

میں جناب سے امید رکھتا ہوں کہ جتنی جلدی ممکن ہو آپ مجھے اپنی سمجھ کے مطابق اور اس قسم کے کسی مسئلہ پر اہل علم کی پہلے سے کی گئی بحث کے ذریعہ اس مسئلہ کا حل پیش کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو ہر اس کام کی توفیق عطا فرمائے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ وہ راضی ہوجاتا ہے۔

جواب اس جنین (پیٹ کے بچے) کو محض ڈاکٹروں کے اس خدشے کی بنیاد پر کہ بچہ بغیر ہڈیوں کے پیدا ہوگا، ضائع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ معصوم جان کو ناحق قتل کرنا حرام ہے۔ وباللہ التوفیق۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال جنین کے متعلق جب قوی احتمال ہو کہ وہ ایڈز کے مرض کا شکار ہے تو اس

کے اسقاط کا کیا حکم ہے؟

جواب اسقاط حمل جائز نہیں ہے، اور بلاشبہ اس کو ایڈز کے وائرس لگ جانے کا احتمال اس کے اسقاط کو جائز قرار نہیں دیتا۔ لہٰذا ''سعودی فتویٰ کمیٹی'' اس عورت اور اس کے خاوند کو اللہ سے حسن ظن رکھنے کی وصیت کرتی ہے کہ وہ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ اس عورت اور اس کے حمل کو ہر قسم کی خرابی سے محفوظ رکھے۔ وباللہ التوفیق (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال میں ایک مصری عورت ہوں اور عرصہ سات سال سے اپنے خاوند کے ساتھ جرمنی میں رہ رہی ہوں۔ ہمارے درمیان سب سے پہلے ناچاقی اس وقت پیدا ہوئی جب میں شادی کے بعد حاملہ ہوگئی، جب میرے خاوند کو میرے حاملہ ہونے کا علم ہوا تو قریب تھا کہ وہ اس صدمے سے پاگل ہوجاتا۔ لہٰذا وہ کسی ہسپتال کی تلاش میں نکلا اور اسے ایک ہسپتال مل گیا، اس وقت میرے حمل کو تیسرا مہینہ تھا۔ میں وہاں کی کسی چیز سے واقف نہ تھی، حتی کہ میں اس ملک کی زبان بھی نہیں جانتی تھی۔ میں نے اس کی گفتگو سنی اور اس کی حسب منشا اپنا حمل ساقط کروا دیا۔ اس اسقاط حمل کے جواز میں میرے خاوند کی دلیل یہ تھی کہ بلاشبہ بچے بہت سی تکلیفوں اور پریشانیوں کا باعث بنتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس کی ایک ٹمیالے رنگ کی بیوی سے ایک بچہ ہے جو خنزیر کھاتا ہے، شراب پیتا ہے اور اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے۔ میرا شوہر اس بچے کی ہر خواہش پوری کرتا ہے، حتی کہ میرا خاوند بذات خود بھی شراب پیتا ہے اور اس کی عادات و اطوار سب یورپی لوگوں جیسی ہیں۔ میں نے (اس کی خواہش پر حمل کو ساقط کرنے کی) اس قربانی کے ذریعہ بڑی کوشش کی ہے کہ وہ اپنا طرز زندگی

بدل لے آخر کار میں ایک مسلمان خاتون ہوں اور اپنے دین سے محبت کرتی ہوں۔ کیا ان حالات میں میرا اس آدمی کے ساتھ زندگی گزارنا حرام ہے؟ میں اس سے طلاق لے کر اپنے وطن مصر میں واپس جانا چاہتی ہوں، کیا یہ حرام ہے؟ نیز اس کا کیا حکم ہے کہ وہ مجھ سے اولاد ہی نہیں چاہتا ہے؟

جواب أولاً: جب بچے کو ضائع کرنے کا واقعہ اسی طرح ہے جیسے تو نے بیان کیا ہے تو بچے کو ضائع کرنے میں تیرا خاوند اولاد کو ناپسند کرنے کی وجہ سے اور تو اس کی اس پر موافقت کرنے کی وجہ سے تم دونوں گناہ گار ہو۔

ثانیاً: جب تیرا خاوند شراب پیتا ہے اور خود بھی خنزیر کھاتا ہے اور اپنی دوسری بیوی کو بھی کھلاتا ہے اور تو اس شخص سے طلاق لینا چاہتی ہے تو تیرے اس طلاق لینے کے کام میں، جس کا تو نے ارادہ کیا ہے، تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ پس اگر تو تیرا خاوند برضا و رغبت تجھے طلاق دے دیتا ہے تو تیری مشکل حل ہو جائے گی۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو شرعی عدالت تمھارے درمیان جدائی کروا دے گی۔ وباللہ التوفیق (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال جب عورت حاملہ ہو جائے اور اس کے حمل کو دو یا تین ماہ گزر جائیں، پھر وہ عورت بھوک کے ڈر سے اپنا حمل ساقط کروا دے تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب اگر اسقاط حمل کا واقعہ بھوک یعنی فقر و فاقہ کے ڈر سے پیش آیا ہے تو یہ کبیرہ گناہوں سے ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے ساتھ بدگمانی کی گئی ہے۔
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال میں ایک سابقہ خاوند سے بیاہ دی گئی، وہ بہت بد اخلاق تھا، وہ نشہ کرتا اور مجھ سے بہت برا سلوک کرتا۔ میں نے اس سے ایک بیٹی پیدا کی، پھر

مجھے دوبارہ حمل ہوا تو اس سے میرے اور اس کے درمیان سخت بگاڑ پیدا ہوا۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا اس نے میرے پیٹ پر چوٹ لگائی جس سے مجھے خون جاری ہوگیا، اس وقت میں اپنے حمل کے چھٹے مہینے میں تھی۔ اور یہ دیکھتے ہوئے کہ میں (حمل کی وجہ سے) اس کی بدخلقی اور بدسلوکی کو جھیل رہی ہوں، میں نے اسقاط حمل کے لیے کچھ عربی اور انگریزی میڈیسن استعمال کرلیں جن کے استعمال کے تقریباً پندرہ دن بعد چھٹے مہینے میں جنین ساقط ہوگیا۔ جب وہ ساقط ہوا تو زندہ تھا، پھر وہ فوت ہوگیا، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ جزاکم اللہ خیراً

جواب أولاً: بلاشبہ تیرا یہ عمل منکر اور اللہ کی نافرمانی ہے، کیونکہ اسقاط جنین جائز نہیں ہے، اگرچہ تیرا خاوند تجھ سے بدسلوکی ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ لہٰذا تمھیں اپنے اس عمل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں توبہ کرنا، اپنے اس کام پر نادم ہونا اور پھر دوبارہ اس طرح کا کام نہ کرنے کا عزم کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

ثانیاً: تجھے اس برے کام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے توبہ کرنا لازم ہے، کیونکہ اسقاط حمل تک پہنچنے کا ذریعہ بننا بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس قسم کی حالت میں اسقاط حمل کبیرہ گناہوں میں شمار ہوگا، لہٰذا تجھ پر دیت اور کفارہ لازم ہے، اور وہ ہے گردن آزاد کرنا، اور اگر یہ میسر نہیں تو پے در پے دو مہینوں کے روزے رکھنا۔ وباللہ التوفیق (سعودی فتویٰ کمیٹی)

طلاق کے متعلق
فتوے

عورت کب مطلقہ سمجھی جائے گی؟

سوال عورت کب مطلقہ سمجھی جائے گی؟ اور طلاق کے مباح اور جائز ہونے میں کیا حکمت پنہاں ہے؟

جواب عورت اس وقت مطلقہ سمجھی جائے گی جب اس کا خاوند اس کو اس حال میں طلاق دے کہ وہ عاقل اور با اختیار ہو اور وقوع طلاق کے موانع مثلاً جنون، نشہ وغیرہ میں سے کوئی مانع نہ پایا جائے، اور عورت ایسے طہر میں ہو جس میں مرد نے اس سے جماع نہ کیا ہو، یا پھر وہ حاملہ یا آئسہ (جو حیض سے مایوس ہوچکی ہے) ہو۔ لیکن اگر وہ مطلقہ حائضہ یا نفاس والی ہو یا ایسے طہر میں ہو جس میں مرد نے اس سے مجامعت کر لی ہو اور وہ حاملہ یا آئسہ نہ ہوتو اہل علم کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کی رو سے اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی، الا یہ کہ شرعی قاضی اس کے وقوع کا فیصلہ دے دے۔ چنانچہ اگر قاضی وقوع طلاق کا فیصلہ دے تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ اجتہادی مسائل میں قاضی کا فیصلہ اختلاف رفع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر خاوند مجنون یا مجبور یا نشہ میں مدہوش ہوتو اگر چہ وہ اہل علم کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق گناہ گار ہے، یا اس کو اس قدر شدید غصہ چڑھا ہو کہ وہ طلاق کے نقصانات کو سمجھنے اور عقل وشعور سے کام لینے میں حارج ہو، اور واضح اسباب اس کے شدید غصے کی حالت میں ہونے کے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہوں، نیز مطلقہ بھی اس معاملہ میں اس

کی تصدیق کرتی ہو یا اس پر معتبر گواہی موجود ہو تو ان مذکورہ تمام صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«رفع القلم عن ثلاثة: الصغير حتى يبلغ، والنائم حتى يستيقظ، والمجنون حتى يفيق»[1]

''تین قسم کے آدمی مرفوع القلم ہیں (یعنی غیر مکلّف ہیں) بچہ، حتی کہ وہ بالغ ہوجائے، سویا ہوا، حتی کہ وہ نیند سے بیدار ہوجائے اور مجنون یہاں تک کہ اس کو جنون سے افاقہ ہوجائے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ [النحل: 106]

''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

پس جب کفر پر مجبور کیا جانے والا شخص بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، کافر نہیں قرار دیا جاتا تو طلاق پر مجبور کیا گیا شخص بالاولیٰ طلاق دینے والا نہ سمجھا جائے گا، بشرطیکہ طلاق کا سبب صرف جبر و اکراہ ہو، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لا طلاق ولا عتاق في غلاق»[2]

''حالتِ ''اغلاق'' (اکراہ و غصہ کی حالت) کی طلاق اور آزادی معتبر نہیں۔''

اس روایت کو احمد، ابو داود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے، جن میں امام احمد رحمہ اللہ بھی

---

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4398]

[2] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2193]

شامل ہیں، ''اغلاق'' کی تفسیر اکراہ اور شدید غصہ سے کی ہے۔

خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے نشہ میں مدہوش اس آدمی کی طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ جاری کیا ہے جس کی عقل کو نشہ نے متغیر (بدل) کر دیا ہو، اگرچہ وہ گنہگار ہے۔

رہی طلاق کے مباح ہونے کی حکمت، تو یہ بالکل واضح امر ہے، کیونکہ بعض اوقات عورت مرد کے موافق نہیں ہوتی اور کبھی مرد عورت کو متعدد اسباب کی بنا پر ناپسند کرتا ہے، جیسے عورت کا ضعف عقل، ضعف دین اور بدتمیزی وغیرہ، اس لیے اللہ نے اس کو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے الگ کر دینے میں مرد کے لیے وسعت پیدا کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ [النساء: 130]

''اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے غنی کر دے گا۔'' (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

مخفی طلاق کا حکم

سوال ایک شخص طویل مدت تک اپنی بیوی سے غائب رہا اور اس نے اپنی بیوی کو اپنے اور اپنے نفس کے درمیان طلاق دے دی اور بیوی کو اس کی خبر نہ دی تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

جواب طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ وہ بیوی کو خبر نہ دے۔ جب انسان طلاق کا لفظ بولے اور کہے: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو بیوی پر طلاق پڑ جائے گی، خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا اگر فرض کر لیا جائے کہ بلاشبہ اس بیوی کو تین حیض گزرنے کے بعد اس طلاق کا علم ہوا تو بے شک اس کے

طلاق سے بے خبر ہونے کے باوجود اس کی عدت پوری ہوگئی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص فوت ہوجائے اور اس کی بیوی کو عدت وفات گزر جانے کے بعد خاوند کی وفات کی خبر ہوئی تو اب اس پر عدت نہیں ہے، کیونکہ مدت ختم ہونے کے ساتھ اس کی عدت پوری ہوگئی۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقوں کا حکم

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب آدمی اپنی بیوی کو ایک کلمہ سے تین طلاق دے، مثلاً وہ کہے: "أنت طالق بالثلاث" (تجھے تین طلاق ہو) یا کہے: "أنت مطلقة بالثلاث" (تجھے تین طلاق ہو) تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس کلمہ سے عورت پر تین طلاق واقع ہوجائے گی، اور وہ اس کے ذریعہ اپنے خاوند پر حرام ہوگی، حتی کہ وہ اس کے علاوہ کسی مرد سے نکاح رغبت کرے نہ کہ ایسا نکاح جو محض پہلے خاوند کے لیے حلال ہونے کی غرض سے کیا گیا ہو، اور دوسرا خاوند اس سے وطی بھی کرے، پھر وہ فوت ہوجائے یا طلاق دے کر الگ کر دے۔ انھوں نے اس پر عمر رضی اللہ عنہ کے فتوی کو دلیل بنایا ہے کہ انھوں نے اس طرح کی تین طلاقوں کو لوگوں پر نافذ کر دیا تھا۔

لیکن کچھ دوسرے اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ صرف ایک طلاق ہوگی اور مرد کو دوران عدت عورت سے رجوع کا حق حاصل ہوگا، اور اگر عورت عدت گزار چکی ہو تو وہ نئے نکاح کے ساتھ اس مرد کے لیے حلال ہوگی۔ انھوں نے اس پر صحیح مسلم میں موجود ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے دلیل لی ہے، انھوں نے کہا:

«كان الطلاق على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وعهد أبي بكر

رضي الله عنه طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم»❶

''رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں طلاق ثلاثہ ایک طلاق شمار ہوتی تھی، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ لوگ ایک ایسے معاملے میں جلدی کرنے لگے جس میں ان کے لیے مہلت اور سہولت تھی، پس اگر ہم اس (طلاق ثلاثہ) کو ان پر نافذ کر دیتے (تو اچھا ہوتا) چنانچہ انھوں نے اس کو ان پر نافذ کر ہی دیا۔''

اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے: بلاشبہ ابو الصہباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا یکبارگی کی تین طلاق نبی ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے تین سالوں میں ایک نہ تھی؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ہاں، کیوں نہیں۔❷

ان اہل علم نے ایک کلمہ کی تین طلاق کے ایک طلاق ہونے پر مسند احمد میں جید سند کے ساتھ مذکور ابن عباس کی اس حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے کہ بلاشبہ ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر اس پر غمزدہ ہوئے تو نبی ﷺ نے ان پر ان کی بیوی لوٹا دی اور فرمایا: «إنها واحدة»❸ ''بلاشبہ وہ ایک طلاق ہے۔''

اہل علم نے اس حدیث کو اور اس سے ماقبل کی حدیث کو ایک کلمہ کی تین طلاقوں پر محمول کیا ہے تاکہ ان دو حدیثوں اور اللہ کے قول ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ اور اللہ عزوجل کے اس قول ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ

❶ صحیح مسلم، رقم الحدیث [1472]

❷ صحیح مسلم، رقم الحدیث [1472]

❸ مسند أحمد [265/1]

زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ کے درمیان جمع وتطبیق ہو سکے۔

اور اپنی ایک صحیح روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی موقف ہے، جبکہ ان سے ایک دوسری روایت جمہور علماء کے قول کی تائید میں بھی موجود ہے۔ اور ایک کلمہ سے تین طلاقوں کو ایک طلاق کہنے کا قول علی، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

اور تابعین کی ایک جماعت بھی اس کی قائل ہے، محمد بن اسحاق "صاحب السیرۃ" اور متقدمین اور متاخرین اہل علم کی ایک جماعت بھی اسی مذہب پر ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، کیونکہ اس قول میں شرعی دلائل پر عمل ہوتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے رحمت اور نرمی بھی ہے۔

غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال کیا غصے اور نفس کے تناؤ کی حالت میں طلاق دینے کی قسم اٹھانے سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

جواب جب انسان کا غصہ ایسی حد تک پہنچ جائے کہ اس کا فہم وشعور اس طرح جاتا رہے کہ اس کو کچھ سمجھ نہ رہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو غصے کی اس حالت میں طلاق اور دیگر معاملات میں اس کے اقوال کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ وہ اس حالت میں اپنی عقل کو ہی کھو چکا ہے، لیکن جب اس کا غصہ اس حالت سے کم ہو، یعنی اس کا شعور بیدار ہو اور وہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، تو بلاشبہ اس کے الفاظ اور تصرفات معتبر ہوں گے، اور اسی طرح طلاق بھی معتبر ہوگی۔ (صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

حائضہ کی طلاق کا حکم

سوال (سائلہ) دو بچوں کی ماں ہے اور اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی ہے، لیکن وہ طلاق کے وقت پاک نہ تھی اور اس نے اپنے خاوند کو اپنی ناپاکی کی خبر نہ دی، حتی کہ جب وہ فیصلے کے لیے قاضی کے پاس گئے تو اس نے قاضی سے بھی اس کو مخفی رکھا، اس نے صرف اپنی ماں کو بتایا کہ وہ طلاق کے وقت پاکی کی حالت میں نہ تھی۔ چنانچہ اس کی ماں نے کہا کہ قاضی کو اس بات کی خبر نہ دینا وگرنہ تجھ پر طلاق نہیں پڑے گی۔ (بہرحال قاضی سے طلاق کا فیصلہ لے کر) پھر وہ اپنے میکے میں چلی گئی۔ پھر اس نے بچوں کے آوارہ ہو کر ضائع ہونے کے خوف سے اپنے خاوند سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا، لہٰذا عورت کی ماہواری کے دوران دی جانے والی مذکورہ طلاق کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کو ماہواری کے دوران دی جانے والی طلاق میں اہل علم کا اختلاف ہے اور انھوں نے اس پر طویل بحث کی ہے کہ ماہواری میں دی جانے والی طلاق واقع ہونے والی ہوگی یا لغو اور فضول۔ جمہور اہل علم کا مؤقف یہ ہے کہ یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور مرد کی طرف سے ایک طلاق شمار ہوگی، لیکن مرد کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی کو واپس لوٹائے اور اس کو حیض سے پاک ہونے تک چھوڑ دے، پھر جب اسے دوبارہ حیض آئے اور وہ حیض سے پاک ہو تو اب وہ چاہے تو اسے اپنے پاس روکے اور چاہے تو اسے طلاق دے دے۔ یہ مذہب جمہور اہل علم کا ہے، جن میں ائمہ اربعہ امام احمد، شافعی، مالک اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

لیکن ہمارے نزدیک راجح مذہب وہ ہے جس کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ بلاشبہ حالت حیض میں دی گئی طلاق واقع اور جاری نہیں ہوتی ہے، کیونکہ حالت حیض میں طلاق دینا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد»[1]

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں سے نہیں تو وہ عمل (اللہ کے ہاں) مردود ہے۔''

اس خاص مسئلہ کے خلاف شریعت ہونے کی دلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جب وہ حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھے تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی اس کارستانی سے آگاہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے اور فرمایا:

«مره فليراجعها ثم يتركها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر ثم إن شاء أمسك وإن شاء طلق، قال النبي صلى الله عليه وسلم: فتلك العدة التي أمر الله أن تطلق عليها النساء»[2]

''(اے عمر!) اس (عبداللہ) کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہوجائے، پھر حیض آئے اور پھر پاک ہوجائے، پھر چاہے تو اسے روکے رکھے اور اگر چاہے تو اس کو طلاق دے دے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس یہی وہ عدت ہے جس کے حساب سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔''

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1718]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [4953] صحيح مسلم، رقم الحديث [1471]

پس وہ عدت جس میں اللہ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے وہ یہ کہ انسان ان کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو، اس بنیاد پر اگر وہ حالت حیض میں ان کو طلاق دے گا تو گویا اس نے اللہ کے حکم کے مطابق طلاق نہیں دی، لہٰذا وہ مردود ہوگی۔ پس وہ طلاق جو مذکورہ عورت کو دی گئی ہے ہمارے خیال کے مطابق وہ واقع نہیں ہوئی ہے اور عورت اپنے خاوند کے نکاح میں ہی رہے گی۔ مرد کے اس کو طلاق دیتے وقت اس کے پاک یا ناپاک ہونے کے متعلق علم ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

جی ہاں! اس کے علم کا کوئی اعتبار نہیں لیکن اگر وہ جانتا تھا کہ عورت ناپاک ہے پھر اس نے طلاق دی تو وہ اس میں محض گنہگار ہوگا، طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور اگر اسے عورت کے ناپاک ہونے کا علم نہیں تھا تو وہ وقوع طلاق میں بری الذمہ ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

غیر مدخولہ عورت کی طلاق کا حکم

سوال ایک نوجوان نے ایک لڑکی سے شادی کی، پھر دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دی، وہ حق مہر کی رقم اس کو دے چکا ہے، اور اس نے مہر مؤجل (جو بعد میں ادا کیا جائے) کی ایک رقم نفس عقد میں اپنے اوپر واجب کی، اس کا حکم کیا ہوگا؟

جواب جب اس نے ایک عورت سے شادی کی، پھر اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی اور اس نے عورت کے لیے مسمی حق مہر کی ایک حد مقرر کی تھی، پس بلاشبہ عورت کو ادا کیے ہوئے حق مہر کا نصف دیا جائے گا، اور نصف اس مؤجل حق مہر کا جو اس نے ابھی تک ادا نہیں کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ [البقرۃ: 237]

''اور اگر تم انھیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ، اس حال میں کہ تم ان کے لیے کوئی مہر مقرر کر چکے ہو تو تم نے جو مہر مقرر کیا ہے، اس کا نصف (لازم) ہے، مگر یہ کہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔''

لہٰذا جب وہ عورت کو دخول سے پہلے طلاق دے گا تو اسے نصف حق مہر دینا پڑے گا، خواہ عورت نے حق مہر پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، بشرطیکہ اس نے مسمی حق مہر کی ایک حد متعین کی ہو۔ اور جب زوجین میں سے کوئی اپنا نصف حصہ دوسرے کو دے دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

طلاق کی قسم اٹھانے یا اس کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا: مجھ پر تمھیں طلاق دینا واجب ہوگا، اگر تم فلاں جگہ جاؤ گی، تو جب بیوی اس جگہ جائے گی تو اس پر کیا حکم لگے گا؟ واضح ہو کہ اس کی نیت لفظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

جواب مذکورہ شخص کا یہ کہنا: ''علي الطلاق'' (مجھ پر طلاق دینا واجب ہے) یہ طلاق دینے کی قسم ہے اور طلاق دینے کی قسم اٹھانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، الا یہ کہ وہ طلاق کا قصد و ارادہ بھی کرے، پس جب وہ طلاق کی نیت سے یہ الفاظ بولے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

بلاشبہ علماء نے طلاق کی دو قسمیں بنائی ہیں:

۱۔ طلاق سنی۔ ۲۔ طلاق بدعی۔

چنانچہ طلاق سنی وہ ہے جو سنت کے مطابق دی گئی ہو، اور طلاق بدعی وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اور علماء کا اس پر تو اتفاق ہے کہ مسلمان کے لیے طلاق بدعی دینا جائز نہیں ہے، مگر طلاق بدعی کے واقع ہونے میں انھوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور گواہی قائم کرنا بھی طلاق سنی کی شرطوں میں شامل ہے۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

دل میں یا الفاظ ادا کر کے مخفی طلاق کا حکم

سوال میں ایک شادی شدہ شخص ہوں، میرے چار بچے ہیں، میرے اور میری بیوی کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، لیکن ایک دن کی بات ہے کہ میں نے اپنے دل میں کہا: لوگ طلاق کیسے دیتے ہیں؟ اور میں نے اپنے دل میں اپنی بیوی کا نام لے کر کہا تجھے طلاق ہے، معلوم رہے میری بیوی نے اور کسی اور نے بھی یہ الفاظ نہیں سنے، کیا اس طرح کی صورت حال میں طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب أولاً: انسان پر لازم ہے کہ وہ اس طرح کے امور اور ان کے متعلق مغز ماری کرنے سے دور رہے، اور ان کو اپنے ذہن سے دور رکھے تاکہ اس طرح کے وسواس اور خیالات کے ذریعہ کہیں شیطان اس پر مسلط نہ ہو جائے۔

ثانیاً: جو تم نے بیان کیا ہے کہ تم نے دل میں طلاق کا لفظ بولا یا دل میں طلاق کی نیت کی اور زبان سے لفظ طلاق کا تلفظ نہیں کیا تو اس صورت میں تو تمھاری طرف سے طلاق نہیں ہوگی اور تم پر کچھ لازم نہیں ہوگا جب تک تم

نے طلاق کا لفظ نہیں بولا۔

لیکن جب تم نے الفاظ کا تلفظ ادا کر کے طلاق دی، چاہے وہ مخفی آواز کے ساتھ اس طرح ہو کہ تم خود ہی سن پائے اور طلاق دیتے ہوئے تمھاری زبان بھی حرکت میں آئی تو بلاشبہ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ تم نے طلاق کا لفظ بولا ہے، چاہے تمھاری بیوی اور تیرے آس پاس کسی نے یہ لفظ نہ سنا ہو۔ چنانچہ جب تم نے ہلکی آواز کے ساتھ طلاق کا لفظ بولا اور یہ لفظ بولتے ہوئے تمھاری زبان حرکت میں آئی اور تم نے اپنی زبان سے یہ لفظ ادا کیا تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

لیکن جب تک طلاق دینے کے متعلق بغیر کچھ بولے محض دل میں وسوسہ اور خیال ہو تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہے، کیونکہ اللہ جل و علا نے اس امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسواس کو معاف کر دیا ہے جب تک ان سے کلام نہ کرے یا عمل میں نہ لائے۔ (صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

عورت کا اپنے خاوند سے اس کے ایک اور شادی کرنے پر طلاق کا مطالبہ کرنے کا حکم

سوال جب میرے خاوند نے ایک اور عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور مجھے اس سے آگاہ کیا تو میں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی، مجھے اس میں اعتراض یہ ہے کہ اس (میرے خاوند) کو اس عورت سے شادی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ میں نے اس کے لیے اولاد پیدا کی ہے اور اس کے تمام حقوق ادا کرتی ہوں مگر وہ دوسری شادی کرنے پر مصر رہا۔

آخر میں نے اس کو کہا: (اگر تم دوسری شادی کرنا ہی چاہتے ہو تو) مجھ کو

طلاق دے دو، کیا میں اپنے اس مؤقف میں حق پر ہوں مجھے فتویٰ درکار ہے۔

جواب تمھیں اپنے خاوند کو دوسری شادی سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے چاہے تم اس کی کتنی خدمت کرتی ہو اور اس کے حقوق ادا کرتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تمھارا خاوند مزید اولاد کی خواہش رکھتا ہو، یا وہ اس عورت سے شادی کر کے اس کو گناہ سے بچانا چاہتا ہو، یا وہ سمجھتا ہو کہ بلاشبہ ایک بیوی اس کے پاکدامن رہنے کے لیے ناکافی ہے۔ بہرحال اس کی بیوی کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے خاوند کو اپنے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ شادی کرنے سے منع کرے۔ لیکن جب عورت کو خطرہ ہو کہ اس کا خاوند اس سے ظلم کرے گا یا وہ محسوس کرے کہ وہ سوکن کے ساتھ نہیں رہ پائے گی تو ضرورت کے تحت اس کو طلاق لینے کا حق حاصل ہے، البتہ بلاضرورت طلاق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث: ((أیما امرأۃ سألت زوجھا الطلاق ...)) کا کیا مطلب ہے؟

سوال اس حدیث: ((أیما امرأۃ سألت زوجھا طلاقاً بغیر ما بأس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ))[1] کا مفہوم کیا ہے؟

جواب چونکہ عورت ناقص عقل و دین کی مالک ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا اختیار مرد کو دیا ہے، ورنہ عورت (اگر اسے طلاق دینے کا حق ہوتا) کسی ایسے مرد کے پاس سے گزرتی جو اس کو اچھا لگتا اور اس کے مقابلے میں اپنے خاوند کو حقیر جان کر اس کو کہتی: میرا ارادہ یہ ہے کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ۔ اور اگر طلاق دینے کا اختیار بعض عورتوں کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [2226]

ایک دن میں اپنے خاوند کو بیس مرتبہ طلاق دے دیتی۔ پس عورت ناقص عقل اور ناقص دین کی مالک ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے آگاہ کیا ہے کہ جب عورت اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے درآنحالیکہ وہ اس سے بدسلوکی نہیں کرتا، اس کا مطالبہ خوامخواہ ہو تو وہ عورت جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گی۔ یا اسی مفہوم کے الفاظ نبی ﷺ سے ثابت ہیں۔ لیکن جب اس کا خاوند اس سے بدسلوکی کرتا ہو یا وہ خاوند کو ناپسند کرنے کی وجہ سے اس کے ساتھ خوشگوار زندگی نہ بسر کرسکتی ہو تو وہ ایسی صورت میں طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے، پس اگر خاوند بدسلوک ہو اور اس کی اصلاح ممکن نہ ہو تو اللہ عزوجل اپنی کتاب کریم میں فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ﴾

[النساء: 35]

”اور اگر ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔“

اور جب عورت کہتی ہو: میرا خاوند خرچ میں کوتاہی کرتا ہے اور اس کے اخلاق بھی اچھے نہیں، تو مرد اور عورت کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک ایک [illegible] مسئلہ کی تحقیقات کریں گے۔ اور اگر وہ اپنے خاوند کو اللہ کے لیے ناپسند کرتی ہے تو (اس کا حل وہ ہے جو) رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس [illegible] بیوی کو (جب اس نے اپنے خاوند سے طلاق لینے کی ٹھان لی) کہا تھا:

«أترديں عليه حديقته؟»[1] (کیا تو (حق مہر میں لیا ہوا) اس کا باغ واپس کر دے گی) اس نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو طلاق دے دیں۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

ازدواجی زندگی کے اختلافات دور کرنے کے لیے پند و نصائح

سوال آپ شوہروں اور بیویوں کو کیا نصیحت فرمائیں گے کہ وہ ازدواجی زندگی کے آپس کے اختلافات دور کر سکیں؟ اور آپ کی کیا نصیحت ہوگی عورتوں کے ان اولیاء کے متعلق جو اپنی زیر ولایت عورتوں کو ان کی آمدنی اڑانے کے لیے ان کو شادی کرنے سے روکے رکھتے ہیں؟

جواب میں خاوندوں اور بیویوں میں سے ہر ایک کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ آپس کے اختلافات کو نہ بھڑکائیں اور ہر ایک اپنے حق سے چشم پوشی کر لیا کرے، جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ اس کی طرف راہنمائی کی ہے:

«لا يفرك مؤمن مؤمنة إن سخط منها خلقا رضي خلقا آخر»[2]

"کوئی مومن کسی مومنہ سے نفرت نہ کرے، اگر وہ اس کی کسی ایک عادت کو ناپسند کرتا ہے تو اس کی کسی دوسری عادت سے راضی ہو جایا کرے۔"

رہے وہ لوگ جو اپنی زیر ولایت لڑکیوں کو ان کی آمدنی ہڑپ کرنے کے لیے ان کو شادی سے روکتے ہیں تو بلاشبہ یہ ان کی خیانت ہے جو وہ زیر ولایت عورتوں سے کر رہے ہیں ان کے لیے ایسا کرنا حرام ہے اور جب وہ ایسا کریں تو بلاشبہ ان کی ولایت ختم ہو جاتی ہے اور اس روکنے والے ولی کے بعد جس کا درجہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4971]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [1469]

ہے اس کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، پس اگر دوسرا ولی بھی شادی سے روکے تو اس سے اگلے درجے والی ولی کی طرف ولایت منتقل ہوجاتی ہے اور اگر تمام اولیاء ہی اس کی آمدنی کے بند ہوجانے کے خوف سے اس کو شادی سے روکیں تو یہ مقدمہ حکومت کے سامنے پیش کیا جائے گا اور قاضی اس کی شادی کروا دے گا۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال آنجناب کی "بیت الطاعۃ" [1] کے متعلق کیا رائے ہے؟ خصوصاً جب خاوند اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے؟

جواب شریعت مطہرہ میں اصل یہ ہے کہ بلاشبہ زوجین کے درمیان اچھا رہن سہن ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: 19]

"ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرۃ: 228]

"اور معروف کے مطابق ان (عورتوں) کے لیے اسی طرح حق ہے۔"

زوجین میں سے ہر ایک کے ذمہ دوسرے کے حقوق ہیں جو اس کو اپنے فرائض سمجھتے ہوئے پورے کرنے چاہییں، اور ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو ناحق کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچائے۔ وَبِاللہِ التوفیق

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

---

[1] سعودی عرب میں عائلی قانون کی ایک شق ہے جس کے موجب بیوی اگر خاوند کی نافرمان ہو اور اس کے گھر سے نکل جائے تو عدالت اس عورت کو اس کے خاوند کے گھر بھیجنے پر مجبور کرسکتی ہے۔

اس عورت کا حکم جو پیغام نکاح دینے والے پر یہ شرط لگائے کہ وہ تمباکو نوشی نہیں کرے گا

سوال ایک عورت کو کسی شخص نے نکاح کا پیغام بھیجا، عورت نے اس پر شرط لگائی کہ وہ تمباکو نوشی نہیں کرے گا، اس نے یہ شرط مان لی تو اس عورت نے اس سے شادی کر لی، پھر عورت پر یہ بات کھلی کہ اب بھی وہ تمباکو نوشی کرتا ہے، اس عورت کا معاملہ کیا ہوگا؟

جواب الحمد للہ، جب معاملہ اسی طرح ہے جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو بلاشبہ عورت کو اختیار ہے کہ وہ اس سے نکاح فسخ کرنے کا مطالبہ کرے، یا اس کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ (محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

عورت کو اپنے خاوند سے خلع طلب کرنا کب جائز ہے؟

سوال بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ بلاشبہ ثابت بن قیس کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس (ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ) پر اخلاق اور دینداری کے حوالے سے کوئی ملامت نہیں کرتی، لیکن میں اسلام میں کفر (ناشکری) کو ناپسند کرتی ہوں۔ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کو طلاق کا مطالبہ کرنے کی کیا ضرورت اور سبب تھا، پس اس میں اور اس سابقہ حدیث میں کیا مناسبت اور موافقت ہے؟

جواب یہ ناپسندیدگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی، مذکورہ حدیث کی بعض سندوں سے یہ الفاظ ثابت ہیں کہ اس نے کہا تھا: بلاشبہ اس نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو مردوں کی ایک جماعت کے ساتھ دیکھا تو وہ ان میں سب سے چھوٹے

(پستہ قد) تھے لہٰذا وہ ان کو ناپسند کرنے لگی، ان کے اخلاق اور دینداری (میں کوئی نقص اور عیب ہونے) کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک ایسے امر کی وجہ سے جس سے اللہ نے اس کے دل میں کراہت اور نفرت پیدا کر دی۔ پس اس طرح کی صورت حال میں، جیسے کہ پہلے بھی گزرا ہے، عورت کے مرد سے خلع کا مطالبہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور واجب ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کیا جائے، کیونکہ اگر اس کو ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے گا جس کو وہ پسند ہی نہیں کرتی تو خدشہ ہے کہ وہ خودکشی کر لے گی یا اپنے گھر سے بھاگ جائے گی۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

کیا عورت کے لیے خاوند کی (لا علاج) بیماری کی وجہ سے خلع طلب کرنا جائز ہے؟

سوال کیا بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے خاوند سے، جو ایسی بیماری میں مبتلا ہے جس سے اس کی شفایابی کی امید نہیں ہے، طلاق کا مطالبہ کرے، کیونکہ اگر وہ اس حال میں اس کے پاس رہتی ہے تو اسے اپنے متعلق فتنہ کا ڈر ہے؟

جواب الحمد للہ، مجھے بیوی کے ایسے خاوند سے جو اس کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی گزارنے سے عاجز ہے، طلاق کا مطالبہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی جبکہ وہ اپنے متعلق فتنہ اور حرام (زنا کاری) میں مبتلا ہونے کا ڈر محسوس کرتی ہو۔

جیسا کہ اس کے جواز پر ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت موجود ہے۔ سائلہ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ اچھا رہن سہن رکھنے سے عاجز ہے اور اسے اس حالت میں اپنے متعلق کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا

خدشہ ہے، اس کو شرعی سبب شمار کیا جائے گا جو اس کے لیے طلاق کا مطالبہ کرنا جائز قرار دیتا ہے۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن سلیمان المنیع ﷾)

سوال ایک شادی شدہ عورت کو عرصہ ہوا ہے کہ اس نے اولاد پیدا نہیں کی، پھر چیک اپ کے بعد معلوم ہوا کہ نقص اس کے خاوند میں ہے اور (خاوند کے نقص کی وجہ سے) ان کے ہاں اولاد کا ہونا محال ہے، کیا وہ اس سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

جواب جب یہ واضح ہو جائے کہ بانجھ پن صرف مرد کی طرف سے ہے تو اس عورت کو اس سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ پس اگر تو وہ اس کو طلاق دے دے تو اچھا ہے، اور اگر وہ اس کو طلاق نہیں دیتا تو قاضی اس عورت کا نکاح فسخ کر دے گا، کیونکہ عورت کو بھی اولاد کا حق حاصل ہے۔ اور کتنی ہی عورتیں ہیں جو صرف حصول اولاد کے لیے شادی کیا کرتی ہیں۔ لہٰذا جب وہ شخص جس سے اس نے شادی کی ہے، بانجھ ہے اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے تو عورت کو حق ہے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے اور نکاح فسخ کروا لے، اہل علم کے نزدیک یہی راجح قول ہے۔

(عبداللہ بن سلیمان المنیع ﷾)

کیا عورت ایسے شخص کی زوجیت میں رہنے سے گنہگار ہوتی ہے جو شخص امور دین کا مذاق اڑاتا ہے؟

سوال ایک عورت اپنے خاوند کے متعلق بتاتی ہے کہ وہ کبھی نماز ادا نہیں کرتا، کبھی کبھار جمعہ کی نماز ادا کر لیتا ہے، اور شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کا مسلسل استعمال کرتا ہے اور جب یہ عورت نماز کے لیے کھڑی ہوتی ہے تو

وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، تو کیا اس عورت کے لیے ایسے خاوند کی زوجیت میں رہنا جائز ہے؟

جواب جب خاوند ایسا ہی ہو جیسا کہ بیان کیا گیا ہے تو اس کی مسلمان اور نماز کی پابند بیوی کے لیے اس کے پاس اس کی زوجیت میں رہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا خاوند ترک نماز اور نماز پڑھنے والے کا مذاق اڑانے کی وجہ سے کافر ہو چکا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ [الممتحنة: 10]

''پھر اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ یہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر مرد) ان کے لیے حلال ہوں گے۔''

لہٰذا مذکورہ عورت پر لازم ہے کہ وہ حتی الوسع شرعی ذرائع کو بروئے کار لا کر اس سے خلاصی حاصل کر لے۔ وباللہ التوفیق (سعودی فتویٰ کمیٹی)

حلالہ کرنے والے کی خدمات حاصل کرنے کا حکم

سوال کیا عورت کے گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی مرد کے ساتھ یہ طے کریں کہ وہ حلالہ کرنے کے لیے اس عورت سے شادی کرے اور پھر اس (عارضی شادی) کے بعد اس کو طلاق دے دے؟

جواب ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، یہ قطعاً جائز نہیں ہے اور یہ (حلالہ کرنے والا) تو کرائے کا سانڈھ ہے جو ہمارے نبی ﷺ کی زبانی ملعون ہے۔ اگر کرائے کا یہ سانڈھ (حلالہ کرنے والا) اس سے شادی کرے تو وہ عورت

اپنے پہلے خاوند (جس نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں) کے لیے حلال نہیں ہوگی، بلکہ وہ پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے ایسا نکاح نہیں کرتی جس میں نکاح کی رغبت اور اس کی پوری شرائط پائی جاتی ہوں، اور وہ دوسرا خاوند اس سے دخول کرے اور وہ اس عورت کا اور وہ عورت اس مرد کا مزا چکھے۔

(محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

خاوند کا اپنی بیوی کو لعن طعن کرنا طلاق شمار نہیں ہوتا

سوال میں آپ کے سامنے اپنا یہ مسئلہ رکھنا چاہتی ہوں کہ بلاشبہ میری ایک بیٹی ہے جس کا نام (ع۔ی۔ج۔ر) ہے، اس کی شادی (ی۔ر۔ع) نامی شخص سے ہوئی ہے اس نے اپنی بیوی (میری بیٹی) پر ظلم کیا اور اس کو ستر (۷۷) مرتبہ لعنت کی۔ ہم نے محکمہ حقوق کے قاضی کے پاس داد رسی کے لیے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ جب اس کے خاوند نے قاضی کے روبرو اپنی بیوی کو لعن طعن کرنے کا اعتراف کیا تو قاضی نے اس کو چھ دن قید کی سزا سنا دی۔ پھر قاضی نے اس کی زیادتی کا سزا سے موازنہ کیے بغیر اس کی بیوی کو اس کی طرح لوٹا دیا، پس میں جناب کی خدمت میں اس مسئلہ کے دریافت کرنے کو حاضر ہوئی ہوں کیا اس کا اپنے خاوند کے پاس جانا جائز ہے یا جائز نہیں ہے؟ ہمیں فتویٰ دیجیے، جزاکم اللہ خیراً

جواب آدمی کا اپنی بیوی اور اس کے علاوہ کسی بھی مسلمان پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوجاتی بلکہ وہ بدستور اس کی بیوی ہی رہتی ہے، کیونکہ لعن طعن کرنا طلاق نہیں ہے،

البتہ مذکورہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنے اس فعل سے توبہ اور استغفار کرے، امید ہے کہ اللہ ہماری اور اس کی توبہ قبول کرے گا۔ وباللہ التوفيق وصلى اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

رجعی طلاق والی عورت کے پاس جانے کا حکم

سوال جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس کی اپنی اس بیوی سے اولاد ہو تو کیا اس شخص کا اس عورت کو ملنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب جب اس نے اس کو ایک رجعی طلاق دی ہے تو اس کے لیے دوران عورت اس عورت کو ملنا، اس سے خلوت کرنا اور اس کا وہ سب کچھ دیکھنا جو ایک خاوند اپنی بیوی سے دیکھتا ہے سب جائز ہے، خواہ اس کی اس عورت سے اولاد ہو یا نہ ہو۔ پس اگر اس کی عدت ختم ہو جائے تو وہ اس کے لیے ایک اجنبی عورت ہے، اب اس سے خلوت و تنہائی کرنا جائز نہیں ہے اور اب اس سے وہی چیز دیکھنا جائز ہے جو ایک اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ اور جب وہ اس کو مال لے کر (خلع کی صورت میں) یا تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دے چکے تو وہ عورت بائنہ ہو جائے گی، اس مرد کے لیے اب وہ اجنبی عورت کے حکم میں ہے، اس کے ساتھ خلوت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ اس عورت سے پیدا ہونے والی اپنی اولاد سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے ساتھ خلوت اختیار کرنے کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کرے، مثلاً وہ اپنی اولاد میں سے جس کو ملنا چاہتا ہے اس کو بلا لیا کرے، یا وہ اپنی کوئی محرم رشتہ دار عورت کو بھیجے تاکہ وہ اس کی اولاد

میں سے جس کو وہ ملنا چاہتا ہے اس کے پاس لے آئے یا وہ اس عورت کے محرم رشتہ دار کی موجودگی میں اس کے پاس چلا جائے۔

وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

معلق طلاق کی مختلف صورتوں میں سے وہ صورت جس میں طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال ایک شخص کے پاس کچھ خط آئے جن میں یہ تحریر تھا کہ اس کی بیوی بدچلن و بدکردار ہے، اس نے ان خطوط کی تحریر کو سچ سمجھ کر ان کی بنیاد پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر اس پر واضح ہوا کہ وہ خطوط جعلی اور جھوٹ پر مشتمل تھے، اب وہ شخص سوال کرتا ہے کیا مذکورہ صورت حال میں اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو چکی ہے؟

جواب جب صورت حال وہی ہے جو بیان کی گئی ہے کہ بلاشبہ طلاق دینے والے نے اپنی بیوی کو ان خطوط کی بنیاد پر طلاق دی جن کو وہ سچ سمجھتا تھا، پھر اس پر واضح ہوا کہ وہ خطوط جھوٹ اور دروغ گوئی کا پلندہ تھے، اگر اس نے اس مذکورہ صورت حال میں طلاق دی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ مذکورہ طلاق مذکورہ صورت میں ایسی شرط پر معلق طلاق شمار کی جائے گی جو شرط واقع نہیں ہوئی۔ (لہٰذا عدم شرط کی وجہ سے طلاق بھی واقع نہیں ہوگی)

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

حمل، ولادت، زچگی
اور علاج معالجہ
کے متعلق فتوے
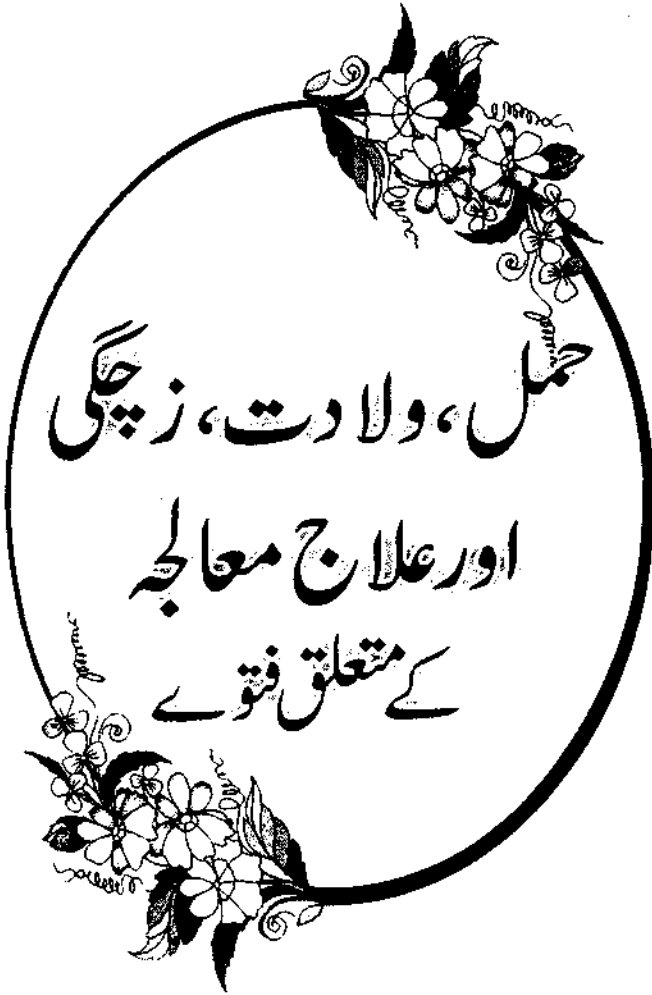
اجنبی یا کافر ڈاکٹر کا مسلمان عورت کا علاج کرنے کا حکم

سوال مسلمان بیمار عورت کے لیے علاج معالجہ، اور ٹیسٹ کروانے کے لیے مندرجہ ذیل ڈاکٹروں میں سے کس کے پاس جانا جائز ہے: کافر آدمی، کافرہ عورت یا ایسا آدمی جو مسلمان ہے لیکن نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ روزہ رکھتا ہے؟

جواب جو نماز نہیں پڑھتا علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ بلاشبہ وہ کافر ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«العهد الذي بيننا و بينهم الصلاة فمن تركها فقد كفر»[1]

"ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان نماز قائم رکھنے کا عہد ہے، جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔" (اس کو ابو داود نے بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے)

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ليس بين العبد و الكفر أو الشرك إلا الصلوة»[2]

"ایک مؤمن بندے اور کافر یا مشرک کے درمیان نماز کا فرق ہے۔"

لہٰذا یہ (بے نماز اور بے روزہ) اور وہ دونوں ہی کافر ہیں اور علاج کروانے کے لیے عورت کا محرم اس کو ساتھ لے کر جائے، چاہے وہ مسلمان سے علاج کروائے یا کافر سے۔ علماء فرماتے ہیں کہ مسلم ڈاکٹر سے علاج کروانے

---

1. صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [2621]
2. صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [464]

میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب عورت کو مسلمان ڈاکٹر میسر نہ آئے تو وہ اپنے ولی کے ساتھ کافر ڈاکٹر کے پاس جائے بشرطیکہ اس میں اس کو کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا ڈر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم کو چاہیے کہ ہم اس مسئلہ میں شدت اور سختی نہ کریں۔ پس لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو کہتا ہے: کہ میں اپنی بیوی کو کسی مرد (ڈاکٹر) کے پاس علاج کے لیے نہیں لے کر جاؤں گا۔ یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا کہ ان کی عورتیں زخمیوں کو مرہم پٹی اور بیماروں کو دوائی پلاتی تھیں، لیکن ایسا کہنے والا شخص اگر بالفرض خود بیمار ہو جائے اور بیماری کی شدت کی وجہ سے سخت تکلیف محسوس کرے تو ممکن ہے کہ وہ کسی مرد، مسلمان عورت، کافر عورت یا اس کے علاوہ بلا امتیاز کسی کے پاس بھی علاج کی غرض سے پہنچ جائے، تو ہم اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنائیں گے:

«لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه»[1]

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

اور جب ایمان کی مضبوطی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی شخص ایسے معالج کے ملنے تک، جس سے علاج کروانے میں وہ فتنہ سے محفوظ ہو، بیماری پر صبر کر لے تو ٹھیک ہے (ورنہ وہ بحالت مجبوری مذکورہ ڈاکٹروں سے علاج کروالے)۔ اور جب انسان کو کوئی ایسی بیماری ہو جو طہارت میں خلل پیدا کرتی ہو جیسے سلسل البول (پیشاب کے قطرے گرتے رہنا) حیض اور استحاضہ کا مسلسل جاری رہنا تو ایسی صورت میں آدمی پر ان بیماریوں کا علاج کروانا واجب ہو جاتا ہے چاہے وہ کسی کافر سے ہی کیوں نہ کروائے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [13] صحيح مسلم، رقم الحديث [45]

اجنبی ڈاکٹر کے مسلمان عورت کا علاج کرنے کا حکم

سوال اگر بالعموم علاج کے لیے اور خاص طور پر دانتوں کے علاج کے لیے لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہو تو کیا عورت کے لیے ایسی صورت میں مرد ڈاکٹر کے پاس علاج کی غرض سے جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں، یقیناً (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) صحابیات رضی اللہ عنہن (جنگوں میں) نکلتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، لہٰذا یہ اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ جب مرد ڈاکٹر میسر نہ ہو بلکہ لیڈی ڈاکٹر میسر ہو تو مرد (مریض) کو اس سے علاج کروانا جائز ہے بشرطیکہ وہ لیڈی ڈاکٹر فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے۔ اور اسی طرح جب لیڈی ڈاکٹر نہ مل سکے، بلکہ نیک سیرت مرد ڈاکٹر میسر ہو تو عورت کو اس سے علاج کروانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ فتنہ سے بچی رہے۔

بہر حال ہم اس سب حالات پر اللہ کی جناب میں دعا کرتے ہیں، ہمارے ہسپتال مخلوط ہیں، حرمین کی سرزمین میں اور دیگر ممالک میں مرد عورت سے علاج معالجہ کرواتے ہیں اور عورتیں مرد سے، پس ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ان مخلوط ہسپتالوں سے مستغنی و بے پرواہ کر دے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

عورت کا محرم کے بغیر مرد ڈاکٹر کے پاس جانے کا حکم

سوال اسلام ایک باشرع عورت کے مرد ڈاکٹر کے پاس جانے پر کیا حکم لگاتا ہے جبکہ ڈاکٹر معاینہ کی غرض سے اس کے جسم کا صرف وہی حصہ دیکھے جہاں پر بیماری ہوتی ہے، اور اگر اس عورت کا محرم بھی ہو مگر وہ اس کے

ساتھ جانا نہیں چاہتا؟

جواب اگر مرد ڈاکٹر کے پاس سفر کر کے جانا پڑتا ہے تو عورت کا محرم کے بغیر اکیلے جانا بلا ضرورت جائز نہیں ہے۔ اور اگر سفر کر کے ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا پڑتا تو ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جب عورت کو علاج کے لیے لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہو، کیونکہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگوں میں جاتی تھیں اور وہاں پر زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کو دوائی وغیرہ پلانے کا کام کرتی تھیں۔ لہٰذا اب بھی اگر (مرد کو عورت سے اور عورت کو مرد سے علاج کروانے کی) کوئی ایسی ضرورت ہو تو ان شاء اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر عورت کو علاج اور معاینہ کی غرض سے مرد ڈاکٹر سے خلوت و تنہائی اختیار کرنا پڑتی ہے تو اس کو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے راہنمائی لینا چاہیے:

«لا یخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم»[1]

''کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ اس کے محرم کی موجودگی کے بغیر خلوت اختیار نہ کرے۔'' واللہ المستعان (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

اجنبی ڈاکٹر کے عورت کا ڈلیوری کیس (بچہ جنوانا) کرنے کا حکم

سوال مرد کے عورت کا بچہ جنوانے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کو ڈلیوری کے لیے ہسپتال لے جانے کا قول مطلق طور پر بالکل جائز نہیں ہے، اس کی تحدید ضروری ہے۔

جب لیڈی ڈاکٹر اپنے علم کے مطابق یہ رائے قائم کرے کہ بلاشبہ اس

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4935] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1341]

حاملہ عورت کا بچہ نارمل اور طبعی طریقے سے پیدا نہیں ہوگا بلکہ بچے کی ولادت کے لیے اس عورت کا آپریشن کرنا پڑے گا تو اس حالت میں عورت کو صرف نارمل طریقے سے ولادت کو ممکن بنانے کے لیے ہسپتال میں منتقل کیا جائے گا۔

جب عورت کو مجبوراً ہسپتال جانا ہی پڑے تو ضروری ہے کہ مرد ڈاکٹر اس کا بچہ نہ جنوائے، لیکن اگر لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، بلکہ جب عورت خطرناک صورت حال میں مبتلا ہو تو لیڈی ڈاکٹر کی غیر موجودگی میں مرد ڈاکٹر کا ڈلیوری کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ جواب اصول فقہ کے قواعد میں سے دو قاعدوں سے اخذ کیا جاتا ہے، اور وہ دو قاعدے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ پہلا قاعدہ: "الضرورات تبیح المحظورات" ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔

۲۔ دوسرا قاعدہ: "الضرورۃ تقدر بقدرھا" ضرورت اپنی حد تک ہی رہے گی۔

جب تک عورت کے لیے گھر میں بچہ پیدا کرنا ممکن ہو اس کو ہسپتال جانا جائز نہیں ہے۔ پس اگر وہ مجبور ہو، مثلاً دایہ میسر نہ آئے جو اس کا بچہ جنوائے، تو لیڈی ڈاکٹر اس کا بچہ جنوائے گی اور اگر لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہو تو مرد ڈاکٹر اس کا بچہ جنوائے گا۔ لہٰذا اصل یہ ہے کہ بلاشبہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ سوائے خاص مجبوری کے اپنے گھر سے نکلے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ [الأحزاب: 33]

"اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قد أذن اللہ لکن أن تخرجن لحاجتکن»[1]

"(اے عورتو!) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھارے کسی ضروری کام کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے۔" (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا مسلمان عورت کے لیے جائز ہے کہ وضع حمل کے لیے یہ جانتے ہوئے بھی ہسپتال جائے کہ وہاں پر کافر مرد ڈلیوری کیس کریں گے؟

جواب جب وہ مجبور ہو اور کافر ڈاکٹروں کے علاوہ اس کو کوئی (مسلمان مرد یا لیڈی) ڈاکٹر میسر نہ ہو تو ان سے ڈلیوری کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم پڑھا کرتے ہیں کہ اس کو مسلمان ڈاکٹر کے علاوہ کسی سے بچہ جنوانا جائز نہیں ہے لیکن اس کی دلیل کہاں ہے جبکہ ضرورتوں کے وقت احکام مختلف ہوتے ہیں؟ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

مسلمان عورت کے غیر مسلمہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے اپنا ستر اور پردہ کھولنے کا حکم

سوال کیا مسلمان بیمار عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ کافرہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے اپنا ستر و حجاب کھولے اور خاص طور پر جب وہ کافر ملک میں رہ رہی ہو؟

جواب جائز ہے، رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿أَوْ نِسَآئِهِنَّ﴾ [النور: 31] عورتوں کے اپنے جسم و بدن سے کچھ ظاہر ہو جانے کے مباح ہونے کے بیان میں ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے: ﴿أَوْ نِسَآئِهِنَّ﴾ [النور: 31] یہ کافر عورت کو نکال دیتا ہے جبکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ پس اس کے لیے جائز ہے کہ وہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [146] صحيح مسلم، رقم الحديث [2170]

علاج وغیرہ کی غرض سے جسم کے جس حصے کو کھولنے کی ضرورت محسوس کرے کھول لے۔ اور علاج معالجہ کے معاملہ میں کافر عورت کو مسلمان کی طرح ہی سمجھنا چاہیے الا یہ کہ ڈر ہو کہ کافر لیڈی ڈاکٹر اس کا راز فاش کرے گی یا اس کی مخفی باتیں نشر کرے گی تو پھر اس سے علاج کروانا جائز نہ ہوگا۔ رہا علاج کا مسئلہ تو مسلمان عورت کے کافر عورت سے علاج کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

خاوند کی منی کو عورت کے رحم کی طرف منتقل کرنے کا حکم

سوال کیا آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ ڈاکٹر کو اجازت دے کہ وہ اس کا پانی (منی) اس کی بیوی کی طرف منتقل کرے، یا وہ (ایسے طریقے سے بچہ پیدا کرے) جس کو عرف عام میں ٹیسٹ ٹیوب بے بی کہا جاتا ہے؟

جواب یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ منی کے اس انتقال سے کم از کم ڈاکٹر کو عورت کی شرمگاہ کو کھولنا پڑے گا اور عورتوں کی شرمگاہوں کو جھانکنا جائز نہیں ہے اور جو چیز شرعاً جائز نہ ہو اس کا ضرورت کے تحت ہی ارتکاب کرنا جائز ہے۔

اور ہم یہ تصور نہیں کرتے کہ کسی آدمی کو اس حرام طریقے سے اپنا پانی (منی) اپنی بیوی کی طرف منتقل کرنے کی ضرورت ہو، اور بعض اوقات ایسا کرنے کے لیے ڈاکٹر کو مرد کی شرمگاہ بھی کھولنا پڑتی ہے اور یہ بھی جائز نہیں ہے۔

حصول اولاد کے اس طریقے کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہ ٹھان لی ہے کہ ہم اہل مغرب کے ہر اس عمل کے کرنے میں جو وہ کرتے ہیں ہر اس کام سے بچنے میں جس سے وہ بچتے ہیں ان کی تقلید کریں گے۔ اور وہ شخص جس کو طبعی طریقے سے اولاد نہیں ملی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی تقدیر

اور اس کے فیصلے پر راضی نہیں ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو حصول رزق اور کسب حلال کے سلسلہ میں مشروع طریقے ہی اختیار کرنے کی رغبت دلاتے ہیں تو حصول اولاد کے سلسلہ میں وہ بالاولیٰ مشروع طریقوں کو اختیار کرنے کی رغبت دلائیں گے۔

سوال مصنوعی طریقے سے بچہ پیدا کرنے کے متعلق اسلام کی کیا رائے ہے؟

جواب اس موضوع پر بہت بحث کی گئی ہے، جبکہ حق بات یہ ہے کہ بلاشبہ لازمی اور ضروری ہے کہ اس قسم کے طریقوں کا سہارا نہ لیا جائے، کیونکہ اس موضوع پر مختلف اقوال میں سے جس قول کو ہم احسن تصور کر سکتے ہیں وہ یہ کہ خاوند کے مادہ منویہ کو لے کر اس کی بیوی کے رحم میں داخل کیا جائے۔

اب ہم اس کی کم سے کم واقع ہونے والی صورت کو بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ خاوند خود ہی ڈاکٹر ہو اور وہ چاہتا ہو کہ وہ عورت کا بیضہ لے کر اپنے پانی (مادہ منویہ) کے ساتھ ملاپ کرائے، اور یہ عمل کوئی اجنبی مرد سرانجام نہ دے، تو یہ جائز ہے، جب طبیب (اس کا خاوند) سمجھتا ہو کہ عورت اس (کے جماع) سے حاملہ نہ ہوگی یا اس سے حاملہ تو ہو سکتی ہے لیکن وہ بیمار یا کمزور ہو جائے گی تو اس حالت میں مذکورہ عمل جائز ہے۔

لیکن اگر مذکورہ عمل کرنے میں کوئی اجنبی مرد شامل ہو اور وہ مرد کا پانی (مادہ منویہ) اور عورت کا بیضہ لے کر ان کا ملاپ کرائے تو اس میں شریعت اسلامیہ کی کم از کم یہ مخالفت تو پائی ہی جائے گی کہ یقیناً میاں بیوی میں سے ہر ایک کو اپنا ستر کھولنا پڑے گا اور یہ حرام ہے۔ پھر مذکورہ عمل میں بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ منی کے منی سے اور بیضہ کے بیضے سے تبدیل ہو جانے کا احتمال موجود ہے، لہٰذا اس کا سد باب کرنے کے لیے اس دروازے کو بند کرنا واجب ہے، کیونکہ

اس میں کہیں نہ کہیں ستر کو کھولنا پڑتا ہے اور یہ حرام ہے۔ اتنی بھی کوئی بڑی ضرورت اور مجبوری نہیں ہے کہ اس طرح کے حرام کام کا ارتکاب کیا جائے، ہاں پہلی صورت جو ہم نے بیان کی ہے وہ جائز ہے، لیکن وہ ویسے ہی بہت نادر ہے۔

متبنّیٰ (کسی کو منہ بولا بیٹا) بنانے کا حکم

سوال ایک سائلہ کا کہنا ہے کہ وہ ایک شادی شدہ عورت ہے، لیکن اللہ کی مشیت نہیں ہے کہ اس کے ہاں اولاد پیدا ہو، کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی بچے کو بیٹا بنا کر اپنے اور اپنے خاوند کی طرف منسوب کر لے؟ اور جب یہ جائز ہے تو جس بچے کو متبنّیٰ بنایا جا رہا ہے اس کی صفات کیا ہوں، اس معنی میں کہ اس کے والدین معروف ہوں لیکن وہ فوت ہو چکے ہوں، مثلاً جیسے یتیم ہے، یا جس کے والدین معروف نہ ہوں وغیرہ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب زمانہ جاہلیت میں کسی کو متبنّیٰ بنانے کا عمل موجود تھا مگر اسلام نے اس کو باطل قرار دیتے ہوئے اس سے منع کر دیا۔ وہ بچہ جس کو بیٹا بنایا گیا ہے وہ بیٹا بنانے والے کے لیے اجنبی ہی ہے، اس لیے اس کو اس کے حقیقی والدین کی طرف منسوب کیا جائے گا نہ کہ ان کی طرف جنھوں نے اس کو بیٹا بنایا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَ اللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [الأحزاب: 4,5]

''اور نہ تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارے بیٹے بنایا ہے، یہ تمھارا اپنے مونہوں سے کہنا ہے اور اللہ سچ کہتا ہے اور وہی (سیدھا) راستہ

دکھاتا ہے۔ انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔''

پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس خطرناک فعل سے پرہیز کریں جس کو اسلام نے باطل قرار دیا ہے اور ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔ مگر اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ مسلمان یتیم کے ساتھ اور ایسے چھوٹے بچے کے ساتھ حسن سلوک کرے جس کا کوئی ولی نہیں ہے جو اس کی پرورش کر سکے، لہٰذا اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بہت بڑی فضیلت ہے لیکن وہ اس کو متبنیٰ نہ بنائے۔

آدمی کا دوسرے کی منی کے ساتھ جماع کرنے کا حکم

سوال جب آدمی (بے اولادی کا) خارجی علاج کروانے کے لیے جاتا ہے تو ڈاکٹر اس کی منی کے علاوہ کسی اور کی منی اس کے ساتھ نتھی اور پیک کر دیتے ہیں، پس وہ (غیر کی منی کے ساتھ) اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب یہ تو زنا ہوگا، اس کے بعد ہم اپنے یمنی بھائیوں کو نصیحت کریں گے کہ وہ اس غیر ملکی نظریہ سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ (اس نظریے کی مخالفت میں) توپ اور مشین گن لے کر نکلیں، میرا مطلب یہ ہے کہ جب تم پر یہ نظریہ پیش کیا جائے تو لازم ہے کہ تم اس نظریے کے اسلام سے بعید ہونے کو پہچان جاؤ، اور یہ سمجھ جاؤ کہ (اس طرح کی غیر فطری کارروائیوں سے) وہ مسلمان کی نسل کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ بعض اوقات ان کو معلوم ہوتا ہے کہ مانع حمل گولیوں کا استعمال نقصان دہ ہے، لیکن پھر بھی وہ مسلمہ عورت کو ضرر پہنچانے کی غرض سے ان گولیوں کا استعمال کرواتے ہیں۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

قرآن کے ذریعہ علاج کرنے کا حکم

سوال کیا ایسے مسئلہ میں قرآن سے علاج کرنا جائز ہے جس میں کوئی نص موجود نہ ہو، یا یہ توقیفی امر ہے؟

جواب مجھے تو قرآن مجید کے ذریعہ اجتہاد کرتے ہوئے شفا طلب کرنے میں کوئی مانع دکھائی نہیں دیتا، اور یہ توقیفی امر نہیں ہے۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا اس معاملے میں قرآن کے ذریعے علاج معالجہ کرنا جائز ہے جس میں کوئی نص موجود نہ ہو؟

جواب قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیات کسی پلیٹ، مٹی کے کورے برتن یا کاغذ پر لکھنا اور اس کو پانی یا زعفران وغیرہ سے دھونا اور حصول برکت، حصول علم، کسب مال یا صحت اور عافیت وغیرہ کی امید پر اس کو پینے کے متعلق ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کوئی حدیث معلوم نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے یا کسی اور کے لیے مذکورہ عمل کیا ہو، اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اس کی اجازت دی ہو یا اپنی امت کو اس کی رخصت دی ہو، باوجود اس کے کہ اس عمل کی طرف لانے والے دواعی واسباب موجود تھے۔

لہٰذا اس بنا پر اس عمل کا ترک ہی اولیٰ اور بہتر ہے۔ اور یہ کہ انسان اس سے مستغنی و بے پرواہ ہو کر قرآن اور اللہ کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ وہ دم جو شریعت سے ثابت ہے اس کو اختیار کرے، نیز وہ اذکار اور مسنون دعائیں پڑھے جن کے معانی صاف اور معروف ہوں جن میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو،

تاکہ وہ مشروع اعمال کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے ثواب کی امید کے ساتھ، اور اس امید کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اس کا رنج وغم دور کر دے اور اس کو نفع مند علم عطا کرے اور بس اسی پر اکتفا کرے۔ جو شخص اللہ کے مشروع اعمال پر اکتفا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوسروں سے بے نیاز کر دے گا۔ واللہ الموفق

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

جادو کے ذریعہ میاں بیوی کی صلح کروانے کی حرمت

سوال میاں بیوی کے درمیان جادو کے ذریعہ صلح کروانے کا کیا حکم ہے؟

جواب ایسا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے، میاں بیوی کے درمیان جادو کے ذریعہ صلح کروانے کو ''عطف'' (خاوند کی طرف پھیرنا اور مائل کرنا) کا نام دیا جاتا ہے، جادو کے ذریعہ جو ان کے درمیان جدائی اور علیحدگی کروائی جاتی ہے اس کو ''صرف'' (خاوند سے پھیرنا اور جدا کرنا) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ بھی حرام ہے بلکہ بعض اوقات کفر اور شرک تک لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴾ [البقرۃ: 102]

''حالانکہ وہ دونوں کسی ایک کو نہیں سکھاتے تھے، یہاں تک کہ کہتے ہم تو محض ایک آزمائش ہیں، سو تو کفر نہ کر۔ پھر وہ ان دونوں سے

وہ چیز سیکھتے جس کے ساتھ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے اور وہ اس کے ساتھ ہرگز کسی کو نقصان پہنچانے والے نہ تھے مگر اللہ کے اذن کے ساتھ۔ اور وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتی اور انھیں فائدہ نہ دیتی تھی، حالانکہ بلاشبہ یقیناً وہ جان چکے تھے کہ جس نے اسے خریدا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔"

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مربوط (جس کو اپنی بیوی کے ساتھ جادو کے ذریعہ جماع کرنے سے روک دیا گیا ہو) کا علاج

سوال ہمارے ہاں مصر میں ایک نیا عمل شروع ہوا ہے وہ یہ کہ ہر انسان جب شادی کرتا ہے تو وہ اپنی شادی کی پہلی رات (سہاگ رات) کو اپنی بیوی سے مجامعت نہیں کر پاتا جس کا سبب جادو بیان کیا جاتا ہے وہ جادو جس کا نام لوگوں نے "رباط" یا "مربوط" یا "ربط" رکھا ہے، یعنی جس پر اس قسم کا جادو کیا گیا ہے وہ اپنی بیوی سے (مجامعت کرنے سے) روک دیا گیا ہے۔

جواب جادو کے ذریعہ اس طرح کی بندش کا لگ جانا کوئی ضروری نہیں ہے، لیکن بعض اوقات ایسا ہو بھی جاتا ہے، یقیناً کوئی شخص اس طرح اس کا شکار ہو جاتا ہے کہ کوئی دوسرا اس پر جادو کر کے اس کو اپنی بیوی سے (مجامعت کرنے سے) روک دیتا ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [البقرۃ: 102]

"پھر وہ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے جس کے ساتھ وہ مرد اور اس کی

بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے اور وہ اس کے ساتھ ہرگز کسی کو نقصان پہنچانے والے نہ تھے، مگر اللہ کے اذن کے ساتھ۔''

لیکن جب اس میں مبتلا شخص شرعی دعاؤں کا استعمال کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جادو کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے گا، اور جب اس کو اس قسم کی کوئی تکلیف ہوگی اللہ تعالیٰ اس سے اس تکلیف کو دور کر دے گا۔ لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے اوپر آیت الکرسی، سورۃ الفاتحہ، جادو (توڑنے) والی آیات، سورۂ اخلاص اور معوذتین (سورۃ فلق اور ناس) پڑھے، اللہ کے حکم سے یہ تکلیف رفع ہوجائے گی، اس کا کئی دفعہ تجربہ کیا جا چکا ہے۔ اور (اگر مریض خود نہ پڑھ سکے تو) ایک اچھا قاری جو خیر و صلاح سے متصف لوگوں میں سے ہو جن سے بھلائی کی امید ہوتی ہے، وہ قاری مذکورہ قرآنی آیات اور سورتیں پڑھ کر پانی میں دم کرے تو مریض وہ دم کیا ہوا پانی پی لے اور اس سے غسل کرے اس کی بیماری رفع ہوجائے گی، یا وہ (پانی پر دم کرنے کی بجائے) اس مریض کو پھونک مار دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس تکلیف سے شفایاب کر دے گا۔ چنانچہ مذکورہ سب چیزیں صحت و عافیت حاصل کرنے کے اسباب اور طریقے ہیں۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

تعویذ لٹکانے کا حکم

سوال تعویذ لٹکانے، اور یہ جانتے ہوئے کہ ان میں صرف آیات قرآنیہ لکھی ہوئی ہیں ان کو سینے یا تکیے کے نیچے رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ بلاشبہ تعویذ لٹکانا، چاہے وہ قرآن اور احادیث نبویہ پر مشتمل ہوں، حرام ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے، اور ہر وہ چیز جس کو کسی دوسری چیز کا سبب بنایا جائے درآنحالیکہ رسول

اللہ ﷺ سے وہ ثابت نہ ہو تو وہ لغو اور غیر معتبر ہے، کیونکہ مسبب الاسباب تو صرف اللہ عزوجل ہے، پس جب شریعت کی طرف سے تجربات کی روشنی میں اور حسی اور واقعی طور پر یہ سبب ہم کو معلوم نہیں ہے تو اس کے سبب ہونے کا عقیدہ رکھنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔

لہٰذا راجح قول کے مطابق تعویذ لٹکانا حرام ہے، خواہ وہ قرآنی ہوں یا غیر قرآنی۔ اور جب انسان اس قسم کی تکلیف و آزمائش میں مبتلا ہو تو وہ کسی سے دم کروالے جس طرح جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کو دم کیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی دم کیا کرتے تھے، یہی مشروع طریقہ ہے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال قرآنی تعویذات یعنی ایک پلیٹ میں روغن زیتون یا زعفران سے قرآنی آیات لکھ کر ان پر پانی ڈال کر ان کو دھو کر اس کو پینے کا کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ چیزوں کے ساتھ قرآن مجید کو اس طرح لکھنا اور تحریر شدہ آیات کو دھو کر پینا جائز نہیں ہے۔ (عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

پانی پر قرآن مجید پڑھ کر اس کو پینے یا اس سے غسل کرنے کا حکم

سوال پانی یا کھانے والی کسی چیز پر قرآن مجید پڑھنے اور اس کو کھانے پینے کا کیا حکم ہے؟

جواب اپنی حسب منشاء کسی بھی چیز پر قرآن پڑھ کر دم کرنا جائز ہے، اسی طرح مریض یا کھانے پینے والی کسی بھی چیز پر دم کرنا جائز ہے۔

(عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

نفسیاتی پریشانیوں کی خاطر تعویذ لٹکانے کا حکم

سوال کیا میرے لیے تعویذ لٹکانا جائز ہے جبکہ میں نفسیاتی پریشانیوں کا شکار ہوں؟

جواب تعویذ لٹکانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے، البتہ قرآن، دعاؤں اور مسنون وظائف کے ساتھ دم کرنا جائز ہے۔ اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا، نیک اعمال بجا لانا، شیطان سے پناہ پکڑنا، نافرمانیوں اور نافرمانوں سے دور رہنا ان تمام چیزوں سے راحت وسکون اور نیک بخت زندگی حاصل ہوتی ہے۔ (عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین ﷾)

عورتوں کا ختنہ کرنے کا حکم

سوال لڑکی کا ختنہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورتوں کا ختنہ نبی ﷺ کے دور کی معروف سنت اور طریقہ ہے، البتہ یہ سنت اس عورت کے لیے ہے جس کو ختنہ کی ضرورت ہے، رہی وہ عورت جس کو ختنے کی ضرورت نہیں ہے اس کے حق میں یہ سنت بھی نہیں ہے۔
(محمد ناصر الدین الالبانی ﷫)

سوال کیا عورت کا ختنہ امر واجب ہے یا سنت؟

جواب نبی ﷺ کی کئی ایک حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو ختنہ کروانے پر ابھارا اور ختنہ کرنے والی عورت کو حکم دیا کہ وہ ختنہ کرنے میں مبالغہ سے کام نہ لے۔ مگر اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے یعنی مختلف ملکوں میں مختلف حکم ہے۔ ختنہ کرتے وقت عورت کی شرمگاہ کا جو حصہ کاٹا جاتا ہے کبھی وہ ظاہر اور ابھرا ہوا ہوتا ہے اور کبھی ظاہر نہیں ہوتا اور ایسا ٹھنڈے ملکوں میں ہوتا ہے۔

پس اگر کوئی ایسا حصہ ہو جو کاٹے جانے اور ختنہ کرنے کے لائق ہو تو ختنہ کیا جائے، ورنہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا لڑکی کا ختنہ کرنا جائز ہے؟ اور کیا اس کے متعلق کوئی حدیث موجود ہے؟

جواب الحمد للہ، بلاشبہ لڑکی کا ختنہ کرنا مستحب ہے۔ اور ختنہ عورتوں کے لیے قابل قدر اور مردوں پر واجب ہے۔ یہ ختنہ زمانہ جاہلیت میں عام تھا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا جیسا کہ حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا ختنہ کرنے والی عورت کو کہا:

((الختان سنة للرجال، مكرمة للنساء))[1]

"ختنہ مردوں کے حق میں سنت، عورتوں کے حکم میں قابل عزت چیز ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بے شک جمہور اہل علم اور محققین کا یہ موقف ہے کہ بلاشبہ ختنہ مردوں کے حق میں فرض ہے، کیونکہ اس سے انتہائی زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے اور عورتوں کے حق میں قابل عزت چیز ہے، البتہ ان پر واجب نہیں ہے، بلکہ ان کے حق میں مسنون ہے۔ واللہ اعلم (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

علاج معالجہ میں جنوں سے مدد لینے کا حکم

سوال محرم رشتہ داروں کی موجودگی میں مرد کے عورت کا علاج کرنے اور عورت کے سر پر ہاتھ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز علاج معالجہ میں جنوں سے تعاون لینے کا کیا حکم ہے، حالانکہ ہم ان کی سچائی کو نہیں جانتے؟

جواب بوقت ضرورت مرد کے عورت کا اور عورت کے مرد کا علاج کرنے میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بعض

---

[1] ضعيف. مسند أحمد [669/1]

غزوات میں شریک ہو کر زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کو دوائی پلاتی تھیں۔ اور اگر معالج کو اپنے نفس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو تو رأس المال یعنی دین کی حفاظت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، لہٰذا اس حالت میں مَیں اس کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس سے پرہیز کرے۔

اسی طرح اگر معالج کو خود عورت کے متعلق خطرہ ہو کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے گی تو بھی اس سے پرہیز کرے۔ اور رہا جنوں کی مدد سے علاج کرنے کا حکم تو علماء اس مسئلہ میں بھائی عبدالقادر کا پتہ بتاتے ہیں کہ بلاشبہ ان کو اس کی معرفت حاصل نہیں جبکہ بھائی عبدالقادر کہتے ہیں: اس مسئلہ میں اس زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس میں جن ہے اور اس میں جن نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: یہ سب کچھ قراءتِ قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔

(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

شراب اور دیگر منشیات کے ذریعہ علاج معالجہ کرنے کا حکم

سوال شریعت اسلامیہ میں بوقت ضرورت شراب پینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ڈاکٹر نے اس کو (بطور علاج) شراب پینے کا حکم دیا ہو؟

جواب جمہور علماء کے نزدیک شراب اور خبیث اشیاء میں سے کوئی بھی ایسی چیز، جس کو اللہ نے حرام کیا، پی کر علاج کرنا حرام ہے۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ طارق بن سوید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے استعمال کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کے استعمال سے منع کر دیا۔ انھوں نے عرض کیا: میں اس کو دوائی میں استعمال کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إنه ليس بدواء، ولكنه داء»❶

''بلا شبہ وہ (شراب) دوائی نہیں ہے وہ تو خود بیماری ہے۔''

اس کو امام احمد اور مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إن الله أنزل الدواء والداء، وجعل لكل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام»❷

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے دوائی بھی نازل کی ہے اور بیماری بھی، اور ہر بیماری کا علاج بھی اتارا ہے، لہٰذا تم علاج کرو، لیکن حرام چیز سے علاج نہیں کرو۔'' اس کو ابو داود نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«نهى رسول الله عن الدواء الخبيث وفي لفظ: يعني السم»❸

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوائی کے استعمال سے منع کر دیا، اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: خبیث دوائی یعنی زہر (وغیرہ سے علاج معالجہ کرنا)۔'' اس کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں ابن مسعود کی روایت ذکر کی ہے:

«إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم»❹

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری شفاء اس چیز میں نہیں رکھی ہے جس کو اس نے تم پر حرام کیا ہے۔''

---

❶ صحيح مسلم، رقم الحديث [1984]

❷ ضعيف. سنن أبي داود، رقم الحديث [3874]

❸ صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3459]

❹ صحيح البخاري، رقم الحديث [5291]

ابن مسعود کی موقوف روایت کو ابو حاتم بن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں نبی ﷺ سے مرفوع بیان کیا ہے۔ یہ اور اس جیسی نصوص خبیث چیز سے علاج کرنے کی ممانعت میں صریح ہیں اور شراب سے علاج کرنے کے حرام ہونے کی صراحت کرتی ہیں، کیونکہ شراب ام الخبائث اور گناہوں کا مجموعہ ہے۔

علماءِ کوفہ میں سے جس نے شراب سے علاج کو مباح قرار دیا ہے اس نے اس کو مجبور آدمی کے مردار کھانے اور خون پینے پر قیاس کیا ہے، مگر یہ قیاس نص کے خلاف ہونے کی وجہ سے کمزور ہے، کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے، وہ اس طرح کہ مردار کھانے اور خون پینے سے ضرورت پوری ہوتی ہے اور زندگی بچ جاتی ہے اور یقیناً اللہ نے اس کو زندگی بچانے کے لیے متعین کیا ہے، لیکن علاج کی خاطر شراب پینا تو اس سے بیماری کا ازالہ متعین و مقرر نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ شراب خود بیماری ہے، دوائی نہیں ہے۔ اور نہ ہی آپ ﷺ نے شراب کو طریقہ علاج کے طور پر متعین و مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس مسلمان پر جس نے اپنی بیماری کے علاج کے لیے صرف انھی چیزوں پر اکتفاء کیا جن کو اللہ نے طیب اور پاکیزہ چیزوں میں سے جائز اور مباح قرار دیا ہے، اور مباح چیزوں پر اکتفاء کرتے ہوئے ان چیزوں سے بے پرواہی اختیار کی جن کو اللہ نے خبیث اور ممنوعہ چیزوں میں سے حرام قرار دیا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال بلاشبہ ایک شخص کو کوئی بیماری لاحق ہوگئی، وہ علاج کے لیے ہسپتال گیا، وہاں ہسپتال میں اس کو ایک شخص نے کہا: شراب پیو اس سے تمھاری بیماری دور ہو جائے گی، سوال یہ ہے کہ کیا دوائی کے طور پر شراب کا استعمال کرنا جائز ہے؟ ہمیں فائدہ پہنچایئے گا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب یہ باطل ہے، شراب کبھی دوائی نہیں بن سکتی ہے، کیونکہ حدیث میں موجود

ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے شراب کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا یا شراب بنانے کو ناپسند کیا، انھوں نے عرض کیا: میں تو اس کو صرف دوائی کے لیے بناتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إنه ليس بدواء ولكنه داء)) [1]

''بلاشبہ وہ (شراب) دوائی نہیں ہے، یقیناً وہ تو خود بیماری ہے۔''

پس نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ شراب بیماری ہے علاج نہیں ہے۔ اور اس حقیقت کو انگریز اور دیگر ڈاکٹروں نے ثابت بھی کیا ہے۔ ان سب محقق ڈاکٹروں نے تحقیق کر کے وضاحت کی ہے کہ بلاشبہ شراب دوائی اور علاج نہیں ہے، حتی کہ جرمنی کے بعض ڈاکٹروں نے کہا ہے: بلاشبہ شراب پینے والے اور اس کے نشے میں دھت رہنے والے کی عقل کمزور ہوجاتی ہے اور شراب پینے سے ضعف عقل اور پراگندہ خیال کی بیماری اس کی نسل میں بھی منتقل ہوتی ہے، لہٰذا ہر شخص کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ صحت کی حفاظت کرتے ہوئے شراب پینے سے گریز کرے۔

ایسے ہی بعض فرانسیسی ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ بلاشبہ ہمیشہ شراب پینے والے کے جسم کی ہیئت اور کیفیت اس طرح کی ہوجاتی ہے کہ وہ چالیس سال کی عمر میں ساٹھ سالہ دکھائی دیتا ہے، اس لیے کہ شراب اعصاب اور سوچ و فکر کو کمزور کرتی ہے اور جسم کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شراب کے عادی لوگ ساٹھ سال کی عمر سے کم ہی آگے بڑھتے ہیں، تو اس سب کے باوجود شراب دوائی کیسے قرار دی جاسکتی ہے؟!

جان لیجیے کہ اہل علم نے دوائی کے طور پر کسی حالت میں شراب پینا کبھی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1984]

جائز نہیں قرار دیا۔ سوائے ایک مسئلہ کے اور وہ ہے جب گلے میں لقمہ پھنس جائے اور بندے کو ڈر ہو کہ وہ اس سے مر جائے گا اور اس کے پاس شراب کے علاوہ پینے کی کوئی اور چیز بھی نہ ہو تو وہ پھنسے ہوئے اس لقمے کو حلق سے نیچے اتارنے کے لیے صرف ایک گھونٹ شراب پی سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدة: 90,91]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟''

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی حالت میں بھی شراب پینا جائز اور مباح قرار نہیں دیا ہے، نہ جسم میں خون پیدا کرنے کے لیے اور نہ کسی اور غرض کے لیے، بلکہ شراب تو بذات خود ایک بیماری ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کے متعلق خبر دی ہے اور طب جدید نے بھی اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے۔

لہٰذا یہ مریض جس کے متعلق میں بات کر رہا تھا اس کے لیے بطور علاج شراب پینا جائز نہیں ہے۔ (عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ)

چہرے کے داغ دھبے دور کرنے کے لیے بعض کھانے پینے والی چیزوں کا استعمال

سوال میری بعض سہیلیاں داغ دھبوں اور چہرے پر نمودار ہونے والی چھائیوں کے علاج کی غرض سے انڈہ، شہد اور دودھ استعمال کرتی ہیں، کیا ان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب یہ بات تو معلوم ہے کہ بلاشبہ کھانے پینے کی یہ اشیاء جن کو اللہ عزوجل نے غذاءِ بدن کے طور پر پیدا کیا ہے، جب انسان ان کو کسی اور چیز میں جو نجس اور حرام نہ ہو جیسے علاج کے طور پر استعمال کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ [البقرۃ: 29]

''وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمھارے لیے پیدا کیا۔''

پس اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿لَكُمْ﴾ ''تمھارے لیے'' ہر قسم کا فائدہ اٹھانے پر مشتمل ہے، بشرطیکہ وہ فائدہ اٹھانا حرام نہ ہو۔ رہا کھانے پینے والی ان اشیاء کو چہرے وغیرہ کی خوبصورتی کے لیے استعمال کرنا تو گزارش یہ ہے کہ خوبصورتی حاصل کرنے کے لیے کھانے پینے کی ان اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء جو موجود ہے ان کا استعمال اولیٰ اور بہتر ہے۔

نیز آگاہ رہو کہ بلاشبہ خوبصورتی حاصل کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے بلکہ یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہیں اور خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں لیکن اس میں ایسی فضول خرچی کرنا کہ یہ انسان کی سب سے بڑی فکر اور اہتمام والی چیز بن کے رہ جائے، وہ اس طرح کہ انسان خوبصورتی کے حصول کا بہت زیادہ اہتمام

کرے اور دین و دنیا کے بڑے مصالح سے اکثر غفلت کیا کرے تو یہ مناسب اور لائق نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنا اسراف و فضول خرچی میں داخل ہے، اور اسراف کو اللہ عزوجل پسند نہیں فرماتے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خوبصورتی کی خاطر پلاسٹک سرجری کروانے کا حکم

سوال خوبصورتی کی خاطر پلاسٹک سرجری کروانے کا کیا حکم ہے؟ اور ''علم تجمیل'' پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب تجمیل (خوبصورتی حاصل کرنے اور بڑھانے کے لیے سرجری) کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ تجمیل ہے جو کسی عیب کو دور کرنے کی غرض سے ہو وہ عیب جو کسی حادثہ وغیرہ سے پیدا ہو جاتا ہے، سو اس میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو، جس کی جنگ میں ناک کٹ گئی تھی، سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی تھی۔

دوسری قسم: اضافی خوبصورتی حاصل کرنا جو کسی عیب کو دور کرنے کی غرض سے نہ ہو بلکہ محض حسن بڑھانے کے لیے ہو تو یہ حرام ہے، جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے «لعن النامصة والمتنمصة، والواصلة والمستوصلة، والواشمة والمستوشمة»[1] ''ابرو کے بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والی پر، بالوں کو جوڑنے اور جڑوانے والی پر اور گودنا گودنے اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی''، کیونکہ اس میں تجمیل کمالی کو پیدا کیا جاتا ہے جو عیب دور کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔

جہاں تک دوران تعلیم ''علم جراحت تجمیل'' کے حصول کا تعلق ہے تو اس کے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن حرام صورتوں میں اس علم کو استعمال میں نہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4604] صحيح مسلم، رقم الحديث [4170]

لائے۔ بلکہ اس علم کو حاصل کرنے والے کو اس سے پرہیز ہی کرنے کی نصیحت کی جاتی ہے، کیونکہ یہ حرام ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کی زبان سے کی گئی نصیحت لوگوں کے دلوں میں (علماء کی نصیحت سے) زیادہ راسخ ہونے والی اور جگہ پکڑنے والی ہوتی ہے۔

علاج کی غرض سے بھاپ لینے اور نہانے والے حماموں میں جانے کا حکم

سوال کیا عورت کے لیے اکیلے یا عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ علاج یا کسی اور غرض سے حمام میں جانا جائز ہے؟

جواب علاج کی غرض سے جانے میں کوئی حرج نہیں، رہا کسی اور غرض سے جانا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث سے جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے، استدلال کیا:

«أيما امرأة وضعت ثيابها في غير بيت زوجها فقد هتكت ستر ما بينها وبين الله»[1]

”جس عورت نے اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ کسی گھر میں کپڑے اتارے گویا اس نے اپنے اور اللہ کے درمیان پردہ ہٹا دیا۔“

عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث سے عورت کے حمام میں جانے سے ممانعت پر استدلال کیا ہے۔ بلاشبہ عورتوں کے مطلق طور پر حمام میں جانے کی ممانعت میں کئی احادیث مروی ہیں لیکن جب علاج کی غرض سے یا کسی اور امر ضروری کی وجہ سے حمام میں جایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

---

[1] صحیح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3750]

حمام میں عورت کتنا جسم چھپائے؟

سوال جب عورت کا حمام میں جانا جائز ہے تو اس پر کتنا جسم ڈھانپنا واجب ہے؟

جواب اس پر اپنا ستر اور شرمگاہ ڈھانپنا ضروری اور واجب ہے، اور اتنا بھی کافی ہے کہ وہ بنیان اور ایسی شلوار پہن لے جو قدموں یا ٹخنوں کو ڈھانپنے والی ہو، مجھے تو یہی بات صحیح محسوس ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

طہارت کے
متعلق فتوے

چھوٹے بچے کے پیشاب کا حکم

سوال چھوٹے بچے کا پیشاب کپڑے کو لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ بلاشبہ اس بچے کا پیشاب، جس کی غذا صرف (ماں کا) دودھ ہو، خفیف اور ہلکی نجاست ہے، اور اس سے پاکی حاصل کرنے کے لیے صرف چھینٹے مار لینا کافی ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے پر پانی پھینکا جائے، یہاں تک کہ وہ بغیر کھرچنے اور نچوڑنے کے اس کے اندر چلا جائے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک چھوٹا سا بچہ لایا گیا، آپ ﷺ نے اس کو گود میں بٹھایا تو اس نے پیشاب کر دیا، آپ ﷺ نے پانی منگوا کر پیشاب والی جگہ پر پھینک دیا اور اس کو دھویا نہیں۔[1]

رہا بچی کا پیشاب تو اس کو دھونا ضروری اور لازمی ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ بلاشبہ پیشاب نجس ہے اور اس کو دھونا واجب ہے، لیکن سنت سے دلیل مل جانے کی وجہ سے شیر خوار بچے کو اس سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

خون سے طہارت حاصل کرنے کا حکم

سوال تفصیل سے بیان کیجیے گا کہ کیا خون نجس ہے یا پاک؟

جواب أولاً: نجس اور پلید حیوان سے نکلنے والا قلیل اور کثیر خون نجس ہے، مثلاً

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [286]

خنزیر یا کتے سے نکلنے والا خون چاہے ان کی زندہ حالت میں نکلا ہو یا مردہ حالت میں۔

ثانیاً: ایسے حیوان سے نکلنے والا خون جو زندہ حالت میں پاک اور مرنے کے بعد نجس ہوتا ہے، تو اس جانور سے اس کے زندہ ہوتے ہوئے نکلنے والا خون نجس ہے، لیکن معمولی ہو تو معاف ہے، جیسا کہ بکری ہے۔ اس کے مرنے کے بعد نجس ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ [الأنعام: 145]

”کہہ دے میں اس وحی میں، جو میری طرف کی گئی ہے، کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا جسے وہ کھائے، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کہ بے شک وہ گندگی ہے۔“

ثالثاً: ایسے حیوان کا خون جو زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں پاک ہو، وہ خون پاک ہے، مگر عام علماء کے نزدیک آدمی کا خون اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ پس بلاشبہ آدمی کا خون ایسے بدن سے خارج ہونے والا ہے جو بدن زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں پاک ہے مگر اس کے باوجود جمہور علماء کے نزدیک وہ نجس ہے لیکن معمولی مقدار کی معافی ہے۔

رابعاً: سبیلین یعنی آدمی (مرد عورت) کے دو راستوں دبر (پچھلی شرمگاہ) قبل (اگلی شرمگاہ) سے نکلنے والا خون نجس ہے اور معمولی مقدار بھی قابل معافی نہیں ہے، کیونکہ جب عورتوں نے نبی ﷺ سے کپڑے کو لگنے والے خون

حیض کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے بغیر کسی تفصیل و فرق کے اس کو دھونے کا حکم دیا۔

رہا وہ خون جو انسان سے سبیلین کے علاوہ سے نکلتا ہے وہ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ وضو کو نہیں توڑتا ہے، جیسے نکسیر کا خون اور زخم سے نکلنے والا خون، بلکہ ہم کہیں گے: سبیلین کے علاوہ بدن انسان سے نکلنے والی ہر چیز وضو کو نہیں توڑتی ہے، جیسے قے، خون اور زخموں کی پیپ وغیرہ۔

یہ خون جن کو ہم نے تقسیم کیا ہے (ان کی حرمت اس وقت ہے) جب یہ زندہ حیوان سے نکلیں، لیکن جو خون اس کی موت کے بعد نکلے تو اگر تو اس حیوان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو تو وہ خون پاک ہوگا خواہ اس کی سرخی ظاہر ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک بکری ذبح کی اور اس کی جان نکلنے کے بعد اس کی کھال اتارنے لگا تو اس کو بکری کا خون لگا تو یہ خون تھوڑا ہو یا زیادہ پاک ہے، پاکی میں کچھ نقصان دہ نہیں ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

شرمگاہ سے خارج ہونے والی رطوبات کا حکم

سوال عورت سے خارج ہونے والے رطوبات کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے وضو کو توڑنے والی نجاست سمجھا جائے گا؟ اور کیا وہ کپڑے جن کو یہ لگ جاتے ہیں پلید ہو جائیں گے؟ اور اس عورت کا کیا حکم ہے جس سے یہ رطوبات کبھی منقطع نہیں ہوتیں حتی کہ ان عبادات کے دوران بھی جن میں کافی وقت صرف ہوتا ہے، جیسے عمرہ، طواف اور دیر تک مسجد میں بیٹھنا؟ اور نیز ان رطوبات کا کیا حکم ہے جو عورت کی جنسی خواہش کو ابھارتے وقت یعنی جماع کے بغیر بوس و کنار کے وقت خارج ہوتے ہیں؟ کیا ایسی صورت

میں غسل جنابت کی طرح غسل واجب ہوگا؟

جواب عورت کی قُبل (اگلی شرمگاہ) سے نکلنے والے بلاشبہ نجس ہیں اور وضو کو توڑ دیتے ہیں اور بدن یا کپڑوں کے جس حصے کو لگ جائیں اس کو پلید کر دیتے ہیں، لہٰذا ان رطوبات کے خارج ہونے کے وقت وہ استنجا کرے اور جب وہ نماز کا ارادہ کرے تو وضو کرنا اور بدن یا کپڑے کی جس جگہ یہ لگ جائیں ان کو دھونا واجب ہوگا۔ اسی طرح مسلمان جب بھی نماز پڑھنا چاہے اس پر سبیلین سے نکلنے والی ہر چیز سے وضو کرنا واجب ہوگا۔

اور وہ عورت جس کو یہ رطوبات نکلتے ہی رہتے ہیں وہ استنجا کرے، اپنی شرمگاہ کو صاف کرے اور اس میں کوئی ایسی چیز رکھے جو اس سے کسی چیز کے نکلنے کو روکے، اور ہر نماز کے وقت نیز جب وہ طواف کرنا چاہے تو وہ وضو کرے۔ اور اس کے مسجد میں ٹھہرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ رطوبات حیض کے حکم میں نہیں ہیں، اور جو چیز عورت کو مسجد میں ٹھہرنے سے روکتی ہے وہ حیض، نفاس اور جنابت ہے۔

اور خاوند کے بوس و کنار کرنے اور کھیل کود کرنے کے نتیجہ میں عورت سے نکلنے والی رطوبات غسل کو واجب نہیں کرتی ہیں، الا یہ کہ عورت سے جھٹکے اور لذت کے ساتھ منی خارج ہو۔ (صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

عورت کی فرج (اگلی شرمگاہ) سے نکلنے والی ہوا کا حکم

سوال کیا عورت کی فرج (اگلی شرمگاہ) سے نکلنے والی ہوا سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وہ اس ہوا کی طرح جو دبر (پچھلی شرمگاہ) سے نکلتی ہے، محل نجس سے نہیں نکلتی۔ (محمد بن صالح العثیمین ﷫)

مذی اور ودی کا حکم

سوال ایک شخص کا خط ہمارے پاس آیا ہے جو شہریت کے اعتبار سے مصری ہے اور آج کل ریاض میں مقیم ہے، وہ کہتا ہے: میرا سوال یہ ہے کہ مجھے پیشاب کے بعد سفید رنگ کا سیال مادہ (مذی) خارج ہوتا رہتا ہے، لہٰذا میرے وضو کا حکم کیا ہوگا اور وضو کا صحیح طریقہ کیا ہوگا؟ معلوم رہے کہ میں استنجا کے بعد اپنے عضو تناسل کو جھاڑتا ہوں اور مجھے بعض بھائیوں نے کہا کہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے اور صحت کے حوالے سے بھی یہ اچھا نہیں ہے، پس میں اپنے عضو تناسل پر ٹشو پیپر رکھ کر کچھ دیر انتظار کرتا ہوں، لیکن بعض اوقات میں سڑک پر ہوتا ہوں اور بعض اوقات میں پیشاب کرنے کے لیے حمام میں ہوتا ہوں تو نماز کے لیے اذان کہہ دی جاتی ہے تو میں اپنے آپ کو روک کر فوراً وضو کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں اور مجھے ڈر ہی رہتا ہے کہ میری یہ نماز کامل نہیں ہوئی، مجھے صحیح جواب سے نواز کر فائدہ پہنچایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ پہنچائے۔

جواب اس معاملے میں تکلف کرنا مناسب نہیں ہے، عضو تناسل کو جھاڑنے میں بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ یہ سلسل البول اور وسواس کے اسباب میں سے ہے، لیکن جب پیشاب نکلے تو تم استنجا کر لیا کرو یا پتھر استعمال کر لیا کرو۔

رہا عضو تناسل کو جھاڑنا اور نچوڑنا، تاکہ بعد میں اس سے کوئی چیز نہ نکلے، غلط ہے جائز نہیں ہے، یہ وسوسے اور سلسل البول کے اسباب میں سے ہے، لہٰذا تمہارے لیے لائق یہ ہے کہ تم اس سے پرہیز کرو، اور جب پیشاب ختم ہو جائے تو پانی سے استنجا کر لو یا پتھر وغیرہ تین یا زیادہ مرتبہ استعمال کر لو تاکہ گندگی کی صفائی

ہو جائے اور بس اتنا ہی کافی ہے۔ رہا وہ سفید پانی جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے وہ مذی یا ودی ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کا حکم پیشاب کا حکم ہے، لہٰذا مذی خارج ہو یا ودی تم اس سے استنجا کرلو۔ لیکن جب مذی نکلے جو شہوت کے بھڑکنے کی وجہ سے نکلا کرتی ہے تو تم اس میں استنجا کرتے وقت عضو تناسل کے ساتھ خصیتین کو بھی دھولو، جیسا کہ حدیث میں ایسا کرنے کا حکم موجود ہے۔

لیکن مذی کے علاوہ جو سفید پانی نکلتا ہے وہ ودی ہے وہ بھی پیشاب کے حکم میں ہے، لہٰذا عضو کے جس حصے کو یہ لگ جائے اس کو دھولو اور بس اسی قدر کافی ہے۔ والحمد للہ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

منی کا حکم

سوال کیا منی جب کپڑے کو لگ جائے تو وہ نجس ہے؟

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلوۃ والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ... وبعد:

منی کے متعلق اصل تو یہی ہے کہ یہ پاک ہے اور ہمیں اس کے نجس ہونے کی کوئی دلیل معلوم نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال نیند سے بیدار ہوتے وقت میں نے اپنے آپ کو محتلم پایا تو کیا کپڑے ناپاک ہوں گے جبکہ کپڑوں پر منی کا پانی بالکل نہیں لگا ہے؟

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلوۃ والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ... وبعد:

احتلام وغیرہ کے ذریعہ منی کے نکلنے سے محتلم کے کپڑے پلید نہیں ہوتے ہیں اگرچہ ان کو منی لگ بھی جائے، اس لیے کہ منی پاک ہے۔

لیکن اس میں مشروع یہ ہے کہ صفائی ستھرائی اور میل کچیل کو دور کرنے

کی غرض سے کپڑے کے اس حصے کو جہاں پر منی لگی ہوئی ہو اس کو صاف کیا جائے۔ وباللّٰہ التوفیق، وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم
(سعودی فتویٰ کمیٹی)

پانی کے علاوہ نجاست کو پاک کرنے کا حکم

سوال کیا پانی کے بغیر نجاست سے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے؟

جواب نجاست کا ازالہ کرنا ان اعمال میں سے نہیں ہے جن سے عبادت کا قصد و ارادہ کیا جاتا ہو۔ یعنی بلاشبہ ازالہ نجاست مقصودی عبادت نہیں ہے۔ ازالہ نجاست تو صرف خبیث اور نجس چیز کو صاف کرنے کا نام ہے۔ پس جس چیز سے بھی نجاست کا ازالہ کیا جائے اور اس چیز سے وہ نجاست اور اس کا اثر زائل ہوجائے تو وہ چیز پاک ہوجائے گی، خواہ اس کو پانی سے پاک کیا جائے یا پٹرول سے، یا کسی بھی ازالہ کرنے والی چیز سے پاک کیا جائے۔ جب کسی بھی چیز سے عین نجاست زائل ہوجائے اسی کو اس کی پاکی شمار کیا جائے گا۔ حتی کہ راجح قول کے مطابق، جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی مختار قول ہے، اگر دھوپ اور ہوا سے بھی نجاست کا ازالہ ہوجائے تو محل نجاست پاک ہوجائے گا۔ کیونکہ وہ، جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے، ایک نجس اور پلید چیز ہے، جب نجاست اور پلیدی کسی چیز پر پائی جائے گی تو وہ چیز اس کے ساتھ پلید ہوجائے گی۔ اور جب اس سے نجاست زائل ہوجائے گی تو وہ چیز اپنی اصل یعنی طہارت کی طرف لوٹ آئے گی، پس ہر وہ چیز جس سے عین نجاست اور اس کا اثر زائل ہوجائے وہ چیز اس کو پاک کرنے والی ہوگی، الا یہ کہ وہ رنگ باقی رہ جائے جس کو زائل کرنا ممکن نہ ہو۔

پاک صاف ٹشو پیپرز سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال کیا استنجاء میں ٹشو پیپرز استعمال کرنا کافی ہوگا؟

جواب ہاں، استنجاء میں ٹشو پیپرز کا استعمال کافی ہے اور اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ استنجاء سے نجاست کے نشانات کا ازالہ کرنا مقصود ہے، وہ ٹشو پیپرز، کپڑے کے ٹکڑے، مٹی یا پتھروں میں سے کسی بھی چیز سے ہوجائے درست ہے۔ ہاں مگر یہ جائز نہیں ہے کہ انسان ایسی چیز سے استنجاء کرے جس سے شارع نے منع کیا ہے، جیسے ہڈیاں اور گوبر۔ کیونکہ ہڈیاں جنوں کا کھانا ہے، بشرطیکہ وہ ذبح کیے ہوئے جانوروں کی ہوں، اور اگر وہ ایسے جانوروں کی ہوں جن کو ذبح نہیں کیا گیا تو وہ نجس ہوں گی اور نجس چیز پاک نہیں کیا کرتی۔ رہے گوبر، اگر تو وہ نجس جانوروں کے ہیں تو وہ نجس ہیں جن سے طہارت حاصل نہیں ہوتی اور اگر وہ پاک جانوروں کے ہوں تو جنوں کے جانوروں کا کھانا ہے، کیونکہ وہ جن جو نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ پر ایمان لائے، آپ ﷺ نے ان کو ایسی ضیافت دی جو قیامت تک ختم نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لكم كل عظم ذكر اسم الله عليه، تجدونه أوفر ما يكون لحما»[1] ”تمھارے لیے (ضیافت ہے) ہر اس ہڈی کی جو اس جانور کی ہو جس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، تم ان ہڈیوں کو گوشت سے بھرا ہوا پاؤ گے۔“ یہ غیبی امور ہیں جن کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا، لیکن ہم پر واجب ہے کہ ہم ان پر ایمان لائیں۔ ایسے ہی یہ گوبر جنوں کے جانوروں کے لیے چارہ کا کام دیں گے۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [450]

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسانوں کو جنوں پر فضیلت حاصل ہے، اور نیز اس لیے بھی انسان جنوں سے افضل ہیں کہ انسان آدم علیہ السلام سے ہیں اور جنوں کے باپ ابلیس کو حکم ہوا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾

[الکہف: 50]

''مگر ابلیس، وہ جنوں میں سے تھا، سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔'' (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

وضو کا طریقہ

سوال وضو کا طریقہ بیان کرنے کا سوال ہے کہ وضو کیسے کیا جائے؟

جواب شرعی وضو کے دو حصے ہیں:

ا۔ واجب حصہ: وہ ہے جس کے بغیر وضو صحیح نہیں ہوتا اور وہ حصہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة: 6]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو)۔''

اور یہ حصہ کچھ اس طرح سے ہے: ایک مرتبہ چہرہ دھونا اور اس میں کلی

کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا بھی شامل ہے، ایک مرتبہ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا۔ وضو کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ بازو دھوتے وقت ہتھیلیوں کا بھی خیال رکھے اور بازوؤں کے ساتھ ان کو بھی دھوئے۔ بعض لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں اور صرف بازو دھوتے ہیں جبکہ یہ غلطی ہے۔ پھر وہ ایک مرتبہ سر کا مسح کرے، یہی وضو کا وہ واجب حصہ ہے جس کو بجالانا ضروری ہے۔

۲۔ رہا وضو کا دوسرا حصہ جو مستحب حصہ ہے تو ہم اب اللہ کی مدد سے اس کو بیان کریں گے اور وہ یہ ہے:

انسان وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھے، اور تین مرتبہ اپنی ہتھیلیاں دھوئے، پھر تین مرتبہ تین چلو پانی کی مدد سے کلی کرے اور ناک میں پانی ڈال کر اس کو صاف کرے، پھر تین تین مرتبہ دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، پہلے دایاں اور پھر بایاں، پھر ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح کرے، وہ اس طرح کہ اپنے ہاتھوں کو تر کر کے سر کے اگلے حصے سے پھیرتے ہوئے پچھلے حصے تک لے جائے، پھر اگلے حصے تک واپس لے آئے، پھر اپنے کانوں کا مسح اس طرح کرے کہ اپنی شہادت والی انگلیاں کانوں کے سوراخوں میں ڈال کر (کانوں میں بنے ہوئے راستے میں گھمائے اور جب آخر تک پہنچ جائے تو) کانوں کی پشت پر انگوٹھوں کے ساتھ مسح کرے، پھر دائیں سے شروع کر کے بائیں تک دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت تین تین مرتبہ دھوئے، پھر اس کے بعد پڑھے:

«أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين»[1] (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [55]

شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والے اور پاک رہنے والوں میں شامل کر دے۔"

پس بے شک جب وہ مذکورہ وضو کر کے یہ دعائیں پڑھنے کا یہ عمل کرے گا تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے کہ وہ ان میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے، نبی ﷺ سے ایسے ہی صحیح حدیث سے ثابت ہے جس کو عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سوال کیا وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے؟

جواب وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث جس میں بسم اللہ کے وجوب کا ذکر ہے اس کا صحیح ثابت ہونا محل نظر ہے۔ بلاشبہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "إنه لا يثبت في هذا الباب شيء." "(وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کے وجوب کے) اس باب میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں ہے۔" اور امام احمد رحمہ اللہ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ وہ (جرح حدیث کے) اس فن کے ائمہ میں سے اور اس فن کے حفاظ میں سے ہیں، تو جب انھوں نے کہا ہے کہ بلاشبہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے، پس بلاشبہ اس مسئلہ کے بارے میں حدیث کے متعلق دل میں کھٹکا ہی رہتا ہے، پس جب اس حدیث کا ثبوت ہی محل نظر ہے تو بے شک انسان کو اپنے نفس کے لیے اس بات کو آسان بنانا چاہیے کہ وہ اللہ کے بندوں پر ایک ایسی چیز کو واجب قرار دے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہے، اس لیے میں سمجھتا

ہوں کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ لیکن جس کے ہاں وجوب بسم اللہ کی حدیث ثابت ہے تو وہ اس کے وجوب کا قائل ہو جائے یعنی اس کا کہ بلاشبہ بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اس روایت میں موجود "لا وضوء" کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ صحت کی نفی ہے کمال کی نفی نہیں (یعنی بسم اللہ نہ پڑھنے سے وضو صحیح نہیں ہوتا نہ کہ مکمل نہیں ہوتا)

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

غسل کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سوال کیا غسل میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے؟

جواب ہاں، غسل میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، کیونکہ غسل وضو کے قائم مقام ہے اور جو وضو میں بسم اللہ نہیں پڑھتا، اس کا وضو نہیں ہوتا (تو جو غسل میں جو کہ وضو کا قائم مقام ہے، بسم اللہ نہیں پڑھے گا اس کا غسل نہیں ہوگا)

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

اس شخص کا حکم جو وضو میں کسی عضو کو دھونا بھول جائے

سوال جب انسان وضو کرے اور اعضاءِ وضو میں سے کسی عضو کو دھونا بھول جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب جب انسان وضو کرے اور اعضاءِ وضو میں سے کسی عضو کو دھونا بھول جائے تو اگر تو اسے جلدی یاد آجائے تو وہ اس عضو کو اور اس کے بعد دھوئے جانے والے اعضاء کو دھو لے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اپنا بایاں ہاتھ (کہنی سمیت) دھونا بھول گیا، اس نے اپنا دایاں ہاتھ (کہنی سمیت) دھویا، پھر اپنے

سر اور کانوں کا مسح کیا، پھر اپنے پاؤں دھوئے اور جب وہ پاؤں دھوکر فارغ ہوا تو اس کو یاد آیا کہ اس نے بایاں ہاتھ نہیں دھویا ہے تو ہم اس کو کہیں گے: بایاں ہاتھ دھولو اور سر اور کانوں کا مسح کرو اور پاؤں کو دھولو تاکہ وضو کی ترتیب قائم رہے، پس بلاشبہ وضو کے لیے واجب ہے کہ اس کو اسی طرح ترتیب سے کیا جائے جیسے اللہ عزوجل نے ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدۃ: 6]

”تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)۔“

لیکن اگر اس کو ایک لمبی مدت کے بعد یاد آیا تو وہ دوبارہ سے وضو کرے۔

مثال: ایک شخص وضو کرتا ہے اور اپنا بایاں ہاتھ (کہنی سمیت) دھونا بھول جاتا ہے، پھر اپنے وضو سے فارغ ہوکر کہیں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ کافی وقت گزر جاتا ہے، پھر اس کو یاد آتا ہے کہ اس نے وضو کرتے وقت بایاں ہاتھ نہیں دھویا تھا، تو اس پر واجب ہے کہ وہ شروع سے وضو دہرائے، کیونکہ اس نے پے در پے اعضاءِ وضو کو نہیں دھویا جبکہ اعضاءِ وضو کو پے در پے دھونا اس کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے۔

لیکن یہ بات بھی جان لی جائے کہ اگر اس کو شک ہو یعنی وضو سے فارغ ہونے کے بعد اس کو اپنا دایاں یا بایاں ہاتھ دھونے میں یا کلی کرنے یا ناک صاف کرنے میں شک گزرے (کہ اس نے یہ کام کیے ہیں یا نہیں) تو وہ اس شک کی طرف توجہ نہ دے بلکہ وہ نماز پڑھتا رہے اس میں کوئی حرج نہیں، اور یہ اس لیے ہے کہ عبادات سے فارغ ہوکر ان کے متعلق شک ہونے کا کوئی اعتبار

نہیں، کیونکہ اگر ہم اس کا اعتبار کریں گے تو ہم لوگوں پر وسوسوں کا ایک دروازہ کھول دیں گے اور ہر انسان اپنی عبادت کے بارے میں شک میں ہی مبتلا رہے گا۔ پس یہ اللہ عزوجل کی رحمت ہے کہ جب عبادت سے فارغ ہونے کے بعد اس میں کوئی شک ہو تو اس کی طرف توجہ نہ دی جائے اور انسان اس کی فکر نہ کرے، الا یہ کہ اس کو کسی نقص یا خرابی کا یقین ہو جائے، کیونکہ خرابی کا تدارک کرنا اس پر واجب ہے۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا وضو کرتے وقت سر کا مسح کرنا

سوال کیا عورت کے لیے مسنون ہے کہ وہ وضو میں سر کا مسح کرتے ہوئے مرد کی طرح ہاتھوں کو سر کے اگلے حصے سے شروع کر کے پیچھے لے جائے اور پھر پیچھے سے اگلے حصے کی طرف واپس لے آئے؟

جواب ہاں، کیونکہ احکام شرعیہ میں اصل یہ ہے کہ بلاشبہ جو احکام مردوں کے لیے مشروع اور ثابت ہیں عورتوں کے لیے بھی وہی احکام ہیں۔ اور اسی طرح اس کے برعکس جو احکام عورتوں کے حق میں ثابت ہیں وہ مردوں کے لیے بھی ہیں الا یہ کہ تخصیص کی کوئی دلیل مل جائے۔

اور سر کے مسح میں مجھے کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں ہے جو عورت کے لیے کوئی خاص حکم رکھتی ہو، سو اس بنا پر عورت سر کے اگلے حصے سے مسح کرتے ہوئے ہاتھوں کو پیچھے لے جائے گی، اور اگر بال لمبے ہیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، کیونکہ مسح کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ بالوں کو زور سے دبائے یہاں تک کہ وہ تر ہو جائیں یا سر کی چوٹی تک چڑھ جائیں، بلکہ اس کو اطمینان و سکون سے مسح کرنا چاہیے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کے سر کی چٹیا (بالوں کا گچھا) پر مسح کرنے کا حکم

سوال عورت کے سر کی چٹیا پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے اپنے سر پر مسح کرنا جائز ہے، خواہ اس نے بالوں کا گچھا بنایا ہو یا سب کھلے چھوڑے ہوں۔ لیکن عورت اپنے بالوں کو لپیٹ کر سر کی کھوپڑی پر گچھا اور چٹیا نہ بنالے، اس لیے کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ نبی ﷺ کے اس فرمان کی وعید میں نہ داخل ہو جائے:

«ونساء كاسيات عاريات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا» [1]

”(جہنمیوں کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت وہ) عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، ان کے سر مائل ہونے والی بختی اونٹنی کی طرح ہوں گے، نہ وہ جنت میں ہی جائیں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی، باوجود اس کے کہ اس کی خوشبو دور دور تک پھیل رہی ہوگی۔“ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

دوپٹہ پر مسح کرنے کا حکم

سوال عورت کے لیے اپنے دوپٹے پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ عورت اپنے دوپٹہ پر مسح کر لے بشرطیکہ دوپٹہ اس کے حلق کے نیچے سے گھما کر نکالا گیا ہو، کیونکہ بعض صحابیات رضی اللہ عنہن سے ایسا کرنا ثابت ہے۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2128]

بہر حال عورت کو جب سر کا مسح کرنے میں یا تو موسمی ٹھنڈک کی وجہ سے یا دوپٹہ اتار کر دوبارہ لپیٹنے کی دقت کی وجہ سے مشقت محسوس ہوتی ہو تو اس طرح کے معاملہ میں نرمی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ دوپٹہ پر مسح نہ ہی کرے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا ہیئر کریم ناقض وضو ہے؟

سوال کیا ہیئر کریم اور لپ اسٹک کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب عورت کا اپنے بالوں پر کریم لگانا یا اس کے علاوہ دیگر تیل استعمال کرنا وضو کو باطل نہیں کرتا، بلکہ روزے کو بھی باطل نہیں کرتا اور ایسے ہی ہونٹوں پر تیل لگانا وضو اور روزے کو باطل نہیں کرتا، لیکن روزے میں اگر ہونٹوں پر لگائی جانے والی سرخیوں میں ذائقہ پایا جاتا ہو تو ان کو اس طرح استعمال کرنا کہ ان کا ذائقہ پیٹ تک اترتا ہو، جائز نہیں ہے۔
(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا وضو کرتے وقت مصنوعی دانتوں کو اتارا جائے؟

سوال جب آدمی نے مصنوعی دانت لگا رکھے ہوں تو کیا کلی کرتے وقت ان کا اتارنا واجب ہے؟

جواب جب انسان نے مصنوعی دانت لگا رکھے ہوں تو بظاہر صحیح بات یہی محسوس ہوتی ہے کہ وضو کرتے وقت ان کو اتارنا واجب نہیں ہے، یہ دانت انگوٹھی کے مشابہ ہیں اور وضو کرتے وقت انگوٹھی کو اتارنا واجب نہیں ہے، بلکہ افضل یہ ہے کہ اس کو صرف انگلی پر حرکت دے لے اور وہ بھی واجب نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ انگوٹھی پہنتے تھے اور آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے کہ

آپ ﷺ وضو کرتے وقت اس کو اتارتے ہوں، حالانکہ انگوٹھی مصنوعی دانتوں کی نسبت پانی کو چمڑے تک پہنچنے سے روکنے میں زیادہ ظاہر ہیں۔ اور خاص طور پر بلاشبہ بعض لوگوں پر ان مصنوعی دانتوں کو لگانا اور اتارنا شاق گزرتا ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

غسل کو واجب کرنے والی اشیاء

سوال غسل کو واجب کرنے والی اشیاء کونسی ہیں؟

جواب غسل کو واجب کرنے والی اشیاء درج ذیل ہیں:

اولاً: بیداری یا نیند کی حالت میں شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا۔ لیکن نیند کی حالت میں اگر وہ شہوت محسوس نہ بھی کرے منی کے خروج سے ہی اس پر غسل واجب ہوگا، کیونکہ بعض اوقات سونے والے کو احتلام تو ہوتا ہے، مگر اس کا احساس نہیں ہوتا، لہٰذا جب انسان کو شہوت کے ساتھ منی خارج ہو تو اس پر بہرحال غسل کرنا واجب ہے۔

ثانیاً: غسل کو واجب کرنے والی دوسری چیز جماع ہے، تو جب خاوند اپنی بیوی سے بایں طور مجامعت کرے کہ حشفہ (عضو تناسل کا اگلا حصہ) عورت کی فرج میں داخل کرے تو اس پر غسل واجب ہوجائے گا۔ پس جب وہ حشفہ یا اس سے زیادہ عضو تناسل عورت کی فرج (اگلی شرمگاہ) میں داخل کرے گا تو اس پر غسل واجب ہوجائے گا، کیونکہ وجوب غسل کی مذکورہ پہلی صورت کے متعلق نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«الماء من الماء»[1]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [343]

"(غسل کرنے کے لیے) پانی (کا استعمال کرنا) پانی (منی خارج ہونے) سے (واجب ہوتا) ہے۔"

یعنی بلاشبہ منی خارج ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے، اور وجوب غسل کی دوسری صورت کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا جلس بين شعبها الأربع ثم جهدها، فقد وجب الغسل» [1]

"جب مرد عورت کی چار شاخوں (شرمگاہ) کے درمیان بیٹھ کر کوشش کرے (یعنی جماع کرے) تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔"

اگرچہ اسے انزال نہ بھی ہو۔ اور بغیر انزال کے جماع کے مسئلہ کا حکم اکثر لوگوں پر مخفی ہے، حتی کہ بعض لوگوں پر ہفتے اور مہینے گزر جاتے ہیں وہ اپنی بیوی سے بغیر انزال والا جماع کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں عدم واقفیت کی وجہ سے غسل نہیں کرتے، یہ ایک سنگین معاملہ ہے۔ پس انسان پر ان حدود کو جاننا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کی ہیں۔ بلاشبہ جب انسان اپنی بیوی سے مجامعت کرے تو اس پر غسل واجب ہوگا اگرچہ اسے انزال نہ ہو، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابھی ہم نے بیان کی ہے۔

ثالثاً: غسل کو واجب کرنے والی چیزوں میں سے خون حیض اور خون نفاس کا خارج ہونا بھی ہے، بلاشبہ جب عورت کو حیض آئے، پھر وہ حیض سے پاک ہو تو اس پر غسل واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرة: 222]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [287] صحيح مسلم، رقم الحديث [348]

''سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے، بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔''

نیز اس لیے بھی کہ نبی ﷺ نے استحاضہ والی عورت کو حکم دیا کہ جب وہ حیض کی مدت گزار چکے تو وہ غسل کرے، اور نفاس والی عورت حیض والی عورت کے حکم میں ہے، لہٰذا اس پر بھی غسل کرنا واجب ہے۔

اور حیض و نفاس کے غسل کا طریقہ جنابت کے غسل کی طرح ہے، سوائے اس کے کہ بعض اہل علم نے حائضہ کے غسل میں اس بات کو پسند کیا ہے کہ وہ بیری (کے پتوں کو پانی میں ابال کر اس پانی) سے غسل کرے، کیونکہ اس سے کمال درجہ کی صفائی اور طہارت حاصل ہوتی ہے۔

اور بعض علماء نے موت کو بھی غسل واجب کرنے والی اشیاء میں شامل کیا ہے، ان کی دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ آپ ﷺ نے ان عورتوں، جو آپ ﷺ کی بیٹی کو (اس کی وفات کے بعد) غسل دے رہی تھیں، کہا:

((إغسلنها ثلاثا أو خمسا أو سبعا أو لأكثر من ذلك إذا رأيتن ذلك))[1]

''اس کو تین، یا پانچ، یا سات، یا اگر تم ضرورت سمجھو تو اس سے زیادہ مرتبہ غسل دو۔''

نیز ان علماء نے غسل میت کے وجوب پر آپ ﷺ کے اس فرمان سے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1196] صحيح مسلم، رقم الحديث [939]

دلیل لی ہے کہ آپ ﷺ نے اس آدمی کے متعلق فرمایا جس کو حالت احرام میں اس کی سواری نے میدان عرفات میں گرا کر اس کی گردن توڑ دی تھی (اور وہ شخص فوت ہوگیا تھا):

«إغسلوه بماء وسدر وكفنوه في ثوبيه» ❶

''اس کو پانی اور بیری (کے پتوں کو پانی میں ابال کر اس پانی) سے غسل دو اور اس کو اس کے کپڑوں یعنی احرام میں ہی کفن دو۔''

تو علماء نے کہا: بلاشبہ موت وجوب غسل کا ایک سبب ہے، لیکن یہ وجوب زندہ کے متعلق ہے یعنی زندہ لوگوں کا اس کو غسل دینا واجب ہے، اس لیے کہ فوت ہونے والا تو اب شریعت کا مکلّف نہیں رہا، لیکن زندوں پر واجب ہے کہ وہ نبی ﷺ کے مذکورہ فرمان کی وجہ سے اس کو غسل دیں۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

تیمّم کرنا کب جائز ہوگا؟

سوال جب (کوئی شخص وضو اور غسل کے لیے) پانی کے استعمال سے معذور ہو تو پھر طہارت کیسے حاصل ہوگی؟

جواب جب پانی کی عدم دستیابی یا اس کے استعمال کے ضرر رساں ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال مشکل ہو تو یہ حالت آدمی کو تیمّم کی طرف لے جاتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ زمین پر مارے پھر ان کو اپنے چہرے پر اور ایک دوسرے پر پھیر لے، لیکن یہ تیمّم حدث سے طہارت حاصل کرنے کے لیے خاص ہے۔

رہی ناپاکی اور نجاست کی طہارت تو اس میں تیمّم نہیں ہے، خواہ وہ

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [1206] صحيح مسلم، رقم الحديث [1206]

نجاست بدن پر ہو یا کپڑے پر یا زمین کے ٹکڑے پر، کیونکہ نجاست سے طہارت حاصل کرنے کی صورت میں مقصود عین نجاست کو زائل کرنا ہوتا ہے، اس میں عبادت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے، اسی لیے اگر انسان کے قصد و ارادہ کے بغیر یہ عین نجاست دور ہو جائے تو نجاست والی جگہ پاک ہو جائے گی۔ پس اگر ناپاک جگہ یا ناپاک کپڑے پر بارش پڑ جائے اور بارش کے پانی سے نجاست زائل ہو جائے تو نجاست والی جگہ اور کپڑا پاک ہو جائے گا، اگرچہ انسان کو اس کا علم نہ ہو، برخلاف حدث سے طہارت حاصل کرنے کے، کیونکہ وہ عبادت ہے جس کے ساتھ انسان اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرتا ہے، لہٰذا اس میں نیت اور ارادہ کرنا ضروری ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا مریض کے جسم پر موجود نجاست تیمّم کو واجب کرتی ہے؟

سوال جب مریض کے بدن پر نجاست ہو تو کیا وہ اس کی وجہ سے تیمّم کرے گا؟

جواب مریض اس نجاست کی وجہ سے تیمّم نہیں کرے گا، اگر اس مریض کے لیے اس نجاست کو دھونا ممکن ہو تو وہ اس نجاست کو دھوئے، وگرنہ اپنی اسی حالت میں بغیر تیمّم کیے نماز ادا کر لے، کیونکہ نجاست کو دور کرنے میں تیمّم مؤثر نہیں ہے، اس لیے کہ نجاست لگنے کی صورت میں مطلوب یہ ہے کہ بدن کو نجاست سے پاک کیا جائے اور جب وہ نجاست کے لگنے کی وجہ سے تیمّم کرے گا تو بدن سے نجاست تو دور نہیں ہوگی۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

طبعی خون
(حیض و نفاس وغیرہ)
کے متعلق فتوے
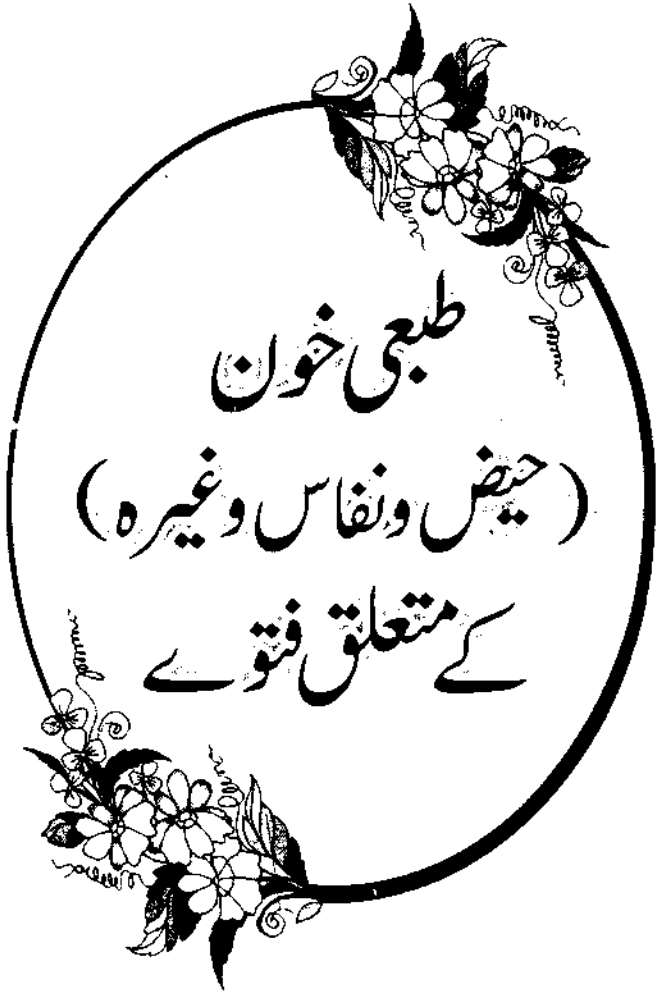
اس عورت کا حکم جس کی عادتِ حیض تبدیل ہوجائے

سوال جب حائضہ کی پہلی عادت تبدیل ہوجائے اور اس میں دو، تین یا چار دنوں کا اضافہ ہوجائے، مثلاً پہلے اس کی عادت یہ تھی کہ اس کو چھ یا سات دن خونِ حیض آتا تھا، پھر اس کو دس یا پندرہ دن خون آنے لگا، وہ ایک دن یا ایک رات طہر دیکھتی ہے، پھر اس کو خون جاری ہوجاتا ہے، کیا وہ غسل کر کے نماز ادا کرے یا کامل طہارت حاصل ہونے تک (نماز روزہ سے) بیٹھی رہے؟ اس لیے کہ اس کی پہلی ماہواری کی عادت میں اضافہ ہوگیا ہے اور وہ استحاضہ والی بھی نہیں ہے، اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب جب مذکورہ صورت کے مطابق عورت کے ایامِ حیض کے دوران ایک دن یا ایک رات کے لیے خونِ حیض بند ہوجائے تو عورت پر لازم ہے کہ وہ غسل کرے اور اس طہر میں جتنی نمازیں اس کو مل جائیں ادا کرے، کیونکہ وہ ابن عباس کے اس قول کے مطابق پاک ہے:

«أما إذا رأت الدم البحراني فإنها لا تصلي، وإذا رأت الطهر ساعة فلتغتسل»[1]

''جب عورت تیز بہاؤ دیکھے تو وہ نماز ادا نہ کرے اور اگر کچھ وقت کے لیے طہارت حاصل ہوجائے تو وہ غسل کرے (اور نماز ادا کرے)۔''

اور یہ بھی مروی ہے کہ بلاشبہ جب طہر ایک دن سے کم ہو تو اس کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف التفات نہ کیا جائے، کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [286]

«لا تعجلن حتى يرين القصة البيضاء»[1]

''عورتیں جلدی نہ کریں جب تک سفید روئی کو نہ دیکھ لیں۔''

اور اس لیے بھی کہ خون ایک وقت میں جاری ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں رک جاتا ہے، لہٰذا محض خون کے انقطاع سے طہارت ثابت نہ ہوگی، جیسے کہ ایک ساعت سے کم وقت کے لیے خون رک جائے، اور یہی رائے ہے صاحب ''المغنی'' ابن قدامہ حنبلی کی۔ وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم.

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کو ولادت سے پہلے آنے والا خون

سوال اس خون کا کیا حکم ہے جو عورت کو ولادت سے پہلے آتا ہے؟ کیا وہ نفاس کا خون ہوگا یا استحاضہ کا؟

جواب یہ استحاضہ کا خون ہے، اس لیے کہ نفاس کا خون بچے کی ولادت کے بعد آیا کرتا ہے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

نفاس والی عورت کب نماز پڑھے گی؟ کب روزہ رکھے گی اور کب حج کرے گی؟

سوال میں آپ جناب سے اپنے اس مسئلہ میں فتویٰ کی امید رکھتی ہوں کہ کیا نفاس والی عورت چالیس دن مکمل ہونے کے بعد نماز پڑھے گی یا اس سے پہلے اگر وہ طہارت کو دیکھ لے؟

جواب نفاس والی عورت جب طہر دیکھ لے تو وہ پاک ہوجائے گی اور وہ روزہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [314]

رکھے گی اور نماز ادا کرے گی، خواہ اس کے چالیس دن پورے ہوئے ہوں یا نہیں۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال جب نفاس والی عورت چالیس دن سے پہلے پاک ہوجائے تو کیا اس کے لیے روزہ رکھنا، نماز پڑھنا اور حج کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں، جب وہ چالیس دن سے پہلے ہی پاک ہوجائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ رکھے، نماز ادا کرے، حج اور عمرہ کرے نیز اس کے خاوند کے لیے اس سے وطی کرنا بھی حلال ہوگا۔ پس اگر وہ بیس دن کے بعد پاک ہوجائے تو وہ غسل کرے، نماز ادا کرے اور روزہ رکھے اور اپنے خاوند کے لیے حلال ہوجائے۔ اور یہ جو عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس کو مکروہ سمجھا ہے تو اس کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا، اور ویسے بھی یہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

درست بات یہ ہے کہ جب وہ چالیس دن سے پہلے پاک ہوجائے تو اس کا یہ طہر صحیح طہر شمار ہوگا۔ پس اگر چالیس دن کے اندر دوبارہ خون آنے لگے تو صحیح بات یہ ہے کہ وہ چالیس دن تک اس کو خون نفاس شمار کرے اور طہارت کی حالت میں اس کے روزے، نماز اور حج سب درست ہوں گے، طہارت کی حالت میں کیا ہوا کوئی بھی عمل دھرایا نہیں جائے گا۔

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

سوال جب نفاس والی عورت چالیس دن سے پہلے پاک ہوجائے تو کیا اس پر روزہ اور نماز واجب ہے؟

جواب ہاں، جب نفاس والی چالیس دن سے پہلے پاک ہوجائے تو اس پر روزہ

رکھنا واجب ہے اگر یہ رمضان میں ہو، اور اس پر نمازوں کی ادائیگی بھی واجب ہے، اور اس کے خاوند کے لیے اس سے مجامعت کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ پاک ہے اور روزے، نماز اور جماع سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال کیا نفاس والی عورت چالیس دن تک نماز روزے سے بیٹھی رہے، یا انقطاع خون معتبر ہے کہ جب خون نفاس منقطع ہوجائے تو وہ پاک ہوجائے گی اور نماز پڑھے گی؟

جواب نفاس والی عورت کی مدت مقرر نہیں ہے، بلکہ جب تک اس کو خون جاری رہے گا، وہ بیٹھی رہے گی نہ نماز پڑھے گی اور نہ روزہ رکھے گی اور نہ ہی اس کا خاوند اس سے مجامعت کرے گا۔ اور جب وہ پاک ہوجائے گی، اگرچہ چالیس دن سے پہلے ہو اور اگرچہ وہ دس دن یا پانچ دن ہی نفاس کی وجہ سے بیٹھی ہو تو وہ نماز پڑھے گی اور روزہ رکھے گی اور اس کا خاوند اس سے مجامعت کرے گا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ بلاشبہ نفاس ایک امر محسوس ہے، احکام کا تعلق اس کے وجود اور عدم وجود کے ساتھ ہے، لہٰذا جب نفاس جاری ہوگا تو اس کے احکام جاری ہوں گے اور جب عورت اس سے پاک ہوجائے گی تو وہ اس کے احکام سے حلال ہوجائے گی۔ لیکن اگر یہ خون ساٹھ دن سے زیادہ آئے تو عورت مستحاضہ شمار ہوگی اور صرف اپنی عادت حیض کی مدت میں وہ (نماز روزے سے) بیٹھے گی پھر وہ غسل کر کے نماز ادا کرے گی۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

جنین کے ساقط ہونے کے بعد خون کا حکم

سوال بعض عورتیں کسی عارضہ کے سبب جنین کے سقوط کا شکار ہوجاتی ہیں، اور

حمل میں پلنے والے بعض بچے ایسے ہوتے ہیں جن کی خلقت مکمل ہوتی ہے اور بعض کی خلقت ابھی تک مکمل نہیں ہوتی، میں ان دونوں حالتوں میں نماز کے معاملہ کی وضاحت چاہتی ہوں؟

جواب جب عورت ایسے بچے کو ساقط کرے جس میں انسانی خلقت ظاہر ہو چکی ہو، سر یا ہاتھ یا پاؤں یا دیگر اعضاء بن چکے ہوں تو وہ عورت نفاس والی ہوگی اور اس پر نفاس کے احکام لاگو ہوں گے وہ نہ نماز پڑھے گی، نہ روزہ رکھے گی اور نہ ہی اس کے خاوند کے لیے اس سے جماع کرنا حلال ہوگا تاوقتیکہ وہ پاک ہو جائے یا چالیس دن مکمل کر لے۔ اور جب وہ چالیس دن سے پہلے ہو جائے تو اس پر غسل طہارت کر کے نماز ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا واجب ہے، اور اس کے خاوند کے لیے اس سے جماع کرنا بھی حلال ہے۔

اور نفاس کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اگر ولادت کے بعد دس دن یا اس سے کم یا زیادہ دنوں میں عورت پاک ہو جائے تو اس پر غسل کرنا واجب ہوگا اور اس پر پاک عورتوں کے احکام جاری ہوں گے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور چالیس دن کے بعد جو خون وہ دیکھے وہ فاسد خون ہوگا وہ اس کے دوران روزے رکھتی رہے، نماز پڑھتی رہے اور اس کے خاوند کے لیے اس سے جماع کرنا حلال ہوگا، اور اس پر لازم ہے کہ وہ مستحاضہ کی طرح ہر نماز کے وقت وضو کرے، کیونکہ نبی ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش کو جو مستحاضہ تھیں فرمایا:

«توضئي لوقت كل صلاة»[1] ''ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرو۔''

اور جب چالیس دن کی مدت گزرنے کے بعد حیض شروع ہو جائے یعنی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [226] صحيح مسلم، رقم الحديث [333]

ایام ماہواری شروع ہو جائیں تو عورت کے لیے حائضہ کا حکم ہوگا اور اس پر پاک ہونے تک نماز اور روزہ حرام ہوگا اور اس دوران اس کے خاوند پر اس سے جماع کرنا بھی حرام ہوگا۔

لیکن جب عورت سے ساقط ہونے والے بچے میں انسانی خلقت ظاہر نہ ہوئی ہو، مثلاً وہ ابھی گوشت کا لوتھڑا ہو اس میں کوئی انسانی شکل نہ پائی جائے، یا بچہ ابھی خون کی شکل میں ہو تو وہ عورت مستحاضہ کے حکم میں ہوگی، نہ اس پر نفاس کا حکم لگے گا اور نہ ہی حیض کا، اور اس پر لازم ہے کہ وہ نماز ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے، اور اس کے خاوند کے لیے اس سے جماع کرنا حلال ہوگا، اور اس پر لازم ہے کہ وہ ہر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرے اور خون سے بچنے کے لیے روئی وغیرہ استعمال کرے جس طرح مستحاضہ کیا کرتی ہے، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے۔

اس کے لیے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا بھی جائز ہے، وہ اس طرح کہ ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر ادا کر لے اور اس کے لیے ان دو دو نمازوں کے لیے غسل کرنا مشروع ہے اور ایک غسل فجر کے لیے۔ اس کی دلیل حمنہ بنت جحش سے ثابت صحیح حدیث ہے، کیونکہ یہ مذکورہ عورت اہل علم کے نزدیک مستحاضہ کے حکم میں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

کیا نفاس والی عورت اپنے گھر میں ہی بیٹھی رہے؟

سوال کیا نفاس والی عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنی مدت ختم ہونے سے پہلے گھر سے نہ نکلے؟

جواب نفاس والی عورت کا حکم دیگر عورتوں کی طرح ہے، بوقت ضرورت گھر سے نکلنے میں اس پر کوئی حرج نہیں اور جب کوئی کام کاج نہ ہو تو تمام عورتوں کے لیے گھروں میں بیٹھے رہنا ہی افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ [الأحزاب: 33]

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔'' (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے مانع حیض ادویات استعمال کرنے کا حکم۔

سوال کیا عورت کے لیے مانع حیض ادویات کا استعمال جائز ہے تاکہ اس کے لیے سہولت کے ساتھ مناسک حج یا عمرہ ادا کرنا ممکن ہو سکے؟

جواب میں تو اس مانع حیض طبی ذریعہ کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا بشرطیکہ جب ڈاکٹر یہ سمجھے کہ ان گولیوں کے استعمال سے عورت کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، نیز ہر چیز میں اصل اس کا مباح اور جائز ہونا ہے اور پھر اس مذکورہ عمل میں کسی حرام اور ممنوع کام کا ارتکاب بھی نہیں ہے۔ (لہٰذا جائز ہے)

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کچھ گولیاں ایسی ہیں جو عورتوں کی ماہواری کو روک دیتی ہیں یا اس کے وقت سے اس کو مؤخر کر دیتی ہیں، کیا صرف حج کے دوران ان گولیوں کا استعمال جائز ہے، اس ڈر سے کہ کہیں ماہواری نہ شروع ہو جائے؟

جواب عورت کے لیے دوران حج ماہواری کے آنے کے ڈر سے مانع حیض گولیاں استعمال کرنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ایسا کرنے کے لیے ایک

اسپیشلسٹ ڈاکٹر مشورہ دے کہ اس سے عورت کی صحت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی طرح رمضان میں جب عورت لوگوں کے ساتھ روزے رکھنا پسند کرے تو وہ مانع حیض گولیاں استعمال کر سکتی ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

ایام عادت کے بعد عورت کو آنے والے خون وغیرہ کا حکم

سوال میں دیکھتی ہوں کہ ماہواری سے غسل اور ایام عادت پانچ دن حیض کے گزارنے کے بعد بعض اوقات بہت تھوڑی مقدار میں مجھے خون آ جاتا ہے اور یہ غسل کے متصل بعد آتا ہے، پھر اس کے بعد کچھ نہیں آتا، میں نہیں جانتی کہ میں اپنی عادت کے پانچ ایام کو حیض شمار کروں اور جو خون اس کے بعد آیا ہے اس کو کچھ نہ شمار کرتے ہوئے نماز ادا کروں اور روزے رکھوں جس کے کرنے میں مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، یا اس دن کو، جس میں مجھے تھوڑی مقدار میں خون آیا، ایام عادت میں شمار کر کے نہ نماز ادا کروں اور نہ ہی روزہ رکھوں، واضح ہو کہ مجھے ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا ہے، بلکہ دو یا تین حیض گزارنے کے بعد ایسا ہوتا ہے، امید ہے کہ آپ جواب سے نوازیں گے؟

جواب غسل طہارت کے بعد نازل ہونے والی چیز اگر زردی مائل یا مٹیالے رنگ کی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ اس کا حکم پیشاب کا حکم ہے۔ اور اگر وہ واضح خون ہو تو وہ حیض شمار ہوگا اور تم پر غسل طہارت دوبارہ کرنا لازم ہوگا، کیونکہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات میں سے ہیں، نے فرمایا:

«كنا لا نعد الصفرة و الكدرة بعد الطهر شيئاً»[1]

''ہم حیض سے پاک ہونے کے بعد زردی مائل اور مٹیالے رنگ

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [368]

کی خارج ہونے والی چیز کا کوئی لحاظ نہیں کرتی تھیں۔“

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

حائضہ کا مسجد میں داخل ہونے کا حکم

سوال کیا حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے؟

جواب حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا سلبی اور ایجابی دو دلیلوں کے ساتھ جائز ہے:

۱۔ سلبی دلیل: یہ ہے کہ عورت کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنے والی کوئی دلیل نہیں ہے، اور یہ ایک اصولی قاعدہ سے ثابت ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے:

«إن الأصل في الأشياء الإباحة»

”بلاشبہ چیزوں میں اصل اباحت ہے۔“

اور کسی چیز سے روکنے کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور مطلق طور پر کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں حائضہ کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا گیا ہو۔

۲۔ ایجابی دلیل: عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو ”صحیح بخاری“ میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ حجۃ الوداع کے موقع پر، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے قریب سرف نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، حائضہ ہوگئیں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ یہ رو رہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا؟ «مالك؟ أنفست؟» ”تجھے کیا ہے؟ (کیوں رو رہی ہو؟) کیا تجھے حیض آ گیا ہے؟“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هذا أمر كتبه الله على بنات آدم، فاصنعي ما يصنع الحاج، غير ألا تطوفي ولا تصلي»[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [299] صحيح مسلم، رقم الحديث [1211]

یہ (حیض) ایسا امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنات آدم پر لکھ دیا ہے، لہٰذا تو وہ سب کچھ کر جو حاجی کرتا ہے، صرف طواف نہ کر اور نماز نہ پڑھ۔"

تو یہ نص ہے اس مسئلہ کی کہ حائضہ عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، بلکہ مسجد حرام میں بھی، یہ اس طرح کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے مباح قرار دیا کہ وہ سب کچھ کرے جو حاجی کرتا ہے، یعنی مسجد میں داخل ہونا، طواف کرنا اور نماز ادا کرنا، حاجی یہ سب کچھ کرتا ہے، لیکن آپ ﷺ نے حاجی کے تمام اعمال سے ان کے لیے یہ مستثنیٰ کیا کہ وہ طواف نہیں کرے گی اور نماز ادا نہیں کرے گی۔

پس تب تو حائضہ مسجد میں داخل ہوگی اور قرآن مجید کی تلاوت کرے گی اور جو شخص اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ عورت کے دخول مسجد کے حرام ہونے کی دلیل پیش کرے، اور نیز یہ بھی ثابت کرے کہ یہ حرمت اس حلت کے بعد کی ہے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

حائضہ کا دعائیں پڑھنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا

سوال کیا حائضہ کے لیے عرفہ کے دن دعاؤں والی کتابیں پڑھنا جائز ہے، جبکہ ان کتابوں میں قرآنی آیات بھی ہوتی ہیں؟

جواب حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے مناسک حج میں فرض دعاؤں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور صحیح قول کے مطابق ان کے قرآن کی تلاوت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ کوئی صحیح اور صریح نص ثابت نہیں ہے جو حائضہ اور نفاس والی کو تلاوت قرآن سے منع کرتی ہو، البتہ جنبی کے لیے خاص نص موجود ہے کہ وہ جنابت کی حالت میں قرآن مجید نہ

پڑھے، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے (اس کے منع کی) حدیث مروی ہے۔

رہا حائضہ اور نفاس والی عورت کے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کا مروی ہونا:

«لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن» [1]

''حائضہ اور جنبی بالکل قرآن نہ پڑھے۔''

تو یہ روایت ضعیف ہے، اس لیے کہ یہ حدیث اسماعیل بن عیاش کی اہل حجاز سے مروی روایت ہے، اور وہ اہل حجاز سے روایت بیان کرنے میں ضعیف ہے۔

لیکن حائضہ اور نفاس والی مصحف کو چھوئے بغیر زبانی قرآن مجید کی تلاوت کریں گی، رہا جنبی تو اس کے لیے غسل کیے بغیر نہ زبانی تلاوت قرآن جائز ہے اور نہ مصحف سے دیکھ کر۔ جنبی اور حائضہ اور نفاس والی میں فرق یہ ہے کہ بلاشبہ جنبی کے لیے جنابت کا وقت تھوڑا سا ہے، اس کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے مجامعت کے بعد فوراً غسل کرے، سو مدت جنابت کوئی لمبی مدت نہیں ہے، اور معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جب چاہے غسل کر لے (اور پاک ہوجائے)۔ اور اگر وہ پانی کے استعمال سے عاجز بھی آجائے تو تیمم کر کے نماز ادا کر لے اور قرآن مجید کی تلاوت کر لے، لیکن حیض اور نفاس حائضہ اور نفاس والی کے بس میں نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ حیض کئی دنوں تک رہنے کا محتاج ہے اور ایسے ہی نفاس بھی، اسی لیے ان کے لیے تلاوت قرآن کو مباح کر دیا گیا تاکہ وہ اس کو بھول نہ جائیں، اور تاکہ وہ تلاوت قرآن کی فضیلت اور کتاب اللہ سے احکام شرعیہ کی تعلیم سے محروم نہ رہیں۔ تو حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے ایسی کتابوں کا پڑھنا بالاولیٰ جائز ہے جن میں ایسی دعائیں ہیں جو آیات و احادیث وغیرہ پر مشتمل ہیں، یہی درست

---

[1] ضعيف. سنن الترمذي، رقم الحديث [131]

بات ہے اور اس مسئلہ میں علماء ؒ کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔
(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ؒ)

کیا آپریشن کے ذریعہ ولادت نفاس کو واجب کرتی ہے؟

سوال جب عورت دردِ زہ میں مبتلا ہو اور اسے ہسپتال میں منتقل کر دیا جائے، اس کے لیے نارمل ڈلیوری مشکل ہو جائے اور اس کے پیٹ سے بچہ کو نکالنے کے لیے اس کا آپریشن کیا جائے، تو کیا یہ عورت نفاس والی عورت کے حکم میں ہوگی اور نفاس کی مدت معینہ میں نماز روزہ کو ترک کر دے گی یا نہیں؟ ہمیں جواب سے نوازیں اللہ آپ کو اجر عطا کرے۔

جواب ہاں، جب ولادت کے سبب اس کی شرمگاہ سے خون نکلے تو وہ نفاس والی شمار ہوگی اور اس پر نماز روزہ لازم نہیں ہوگا، پس یقیناً علماء نے ذکر کیا ہے کہ بلاشبہ جب عورت اس طرح بچہ پیدا کرے کہ اس سے خون نفاس خارج نہ ہو تو یقیناً وہ نفاس والی شمار نہیں ہوگی، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسی عورت کے متعلق ارشاد فرمایا جس نے اس طرح بچے کو جنم دیا کہ نہ اس سے خون نفاس خارج ہوا اور نہ ہی کوئی اور فاسد مادہ اور پانی خارج ہوا: "تلك امرأة طهرها الله" (اس عورت کو اللہ نے پاک کر دیا ہے) یعنی وہ نماز ادا کرے اور روزے رکھے۔

حاصل کلام: بلاشبہ جب عورت اس طرح بچہ جنم دے کہ اس کی شرمگاہ سے خون نکلے تو یہ خون نفاس شمار ہوگا اور یہ عورت پاک ہونے تک (نماز روزہ سے) بیٹھی رہے، پھر (پاک ہونے کے بعد) غسل کرے اور نماز ادا کرے۔ لیکن جب اس سے بوقت ولادت بالکل کوئی چیز خارج نہ ہو تو اس پر لازم ہے

کہ وہ نماز ادا کرے اس کا نفاس نہیں ہے اور یہی وہ موقف ہے جس کو حنابلہ وغیرہ اہل علم نے تسلیم کیا ہے۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ)

حائضہ کے ہاتھ سے کھانا تناول کرنا

سوال کیا حائضہ کے ہاتھ سے کھانا تناول کرنا جائز ہے؟ ہمیں جواب سے نوازیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا۔

جواب حائضہ عورت کے ہاتھ سے کھانے میں کوئی حرج نہیں، خواہ وہ خود پکا کر تمھیں کھلائے یا کسی اور کے ہاتھ کا پکا ہوا تمھیں کھلائے یا اس سے ملتی جلتی کوئی بھی شکل ہو سب جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے کہا:

«إن حيضتك ليست بيدك»[1]

"بلاشبہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔"

پس جو چیز بھی وہ اپنے ہاتھ سے تیار کر کے اپنے ہاتھ سے تمھیں لقمے کھلائے تو اس میں کوئی حرج اور ممانعت نہیں، کیونکہ حائضہ کا حیض اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ)

اس عورت کا حکم جو فجر کے فوراً بعد پاک ہو جائے

سوال جب عورت فجر کے فوراً بعد پاک ہو جائے تو کیا وہ کھانے پینے سے رک جائے اور اس دن کا روزہ رکھے؟ کیا اس کا وہ دن روزے میں شمار ہوگا یا اس کو اس دن کی قضا دینا پڑے گی؟

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [299]

جواب جب عورت طلوع فجر کے بعد پاک ہو تو اس کے اس دن کھانے پینے سے رکنے کے متعلق علماء کے دو قول ہیں:

۱۔ پہلا قول: بلاشبہ اس کے لیے اس دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے رکنا لازم ہے لیکن اس کے لیے وہ دن روزے میں شمار نہیں ہوگا بلکہ اس پر اس دن کی قضا کرنا واجب ہوگا، امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کا مشہور قول یہی ہے۔

۲۔ دوسرا قول: بلاشبہ اس کے لیے اس دن کے باقی حصہ میں رکنا لازم نہیں ہے کیونکہ اس دن میں اس کا روزہ صحیح نہیں ہے، چونکہ وہ دن کے پہلے حصے میں حائضہ تھی اس لیے وہ روزہ رکھنے کے اہل لوگوں میں شمار نہ ہوگی۔ اور جب اس کے لیے اس دن کا روزہ درست نہیں ہے تو اس کے کھانے پینے سے رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور یہ زمانہ اور وقت ایسا وقت نہیں ہے کہ اس کے لیے اس میں کھانا پینا حرام ہو، کیونکہ وہ دن کے پہلے حصے میں روزہ چھوڑنے کی پابند تھی، بلکہ ہم دن کے اول حصے میں اس کا روزہ رکھنا حرام قرار دیں گے۔ اور شرعی روزہ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی عبادت کی غرض سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ توڑنے والی چیزوں سے رک جانا اور یہ قول، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، کھانے پینے سے رکنے کے قول سے زیادہ راجح ہے۔ بہر حال دونوں قولوں کے مطابق اس پر اس دن کی قضا دینا لازم ہوگی۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سارا رمضان عورت کو خون کے قطرے آتے رہے

سوال جب عورت کو رمضان کے ایام میں واضح خون کے دھبے لگتے ہوں اور

خون کے یہ دھبے رمضان کے سارے مہینے میں لگتے رہیں اور وہ روزے رکھتی رہے تو کیا اس کے روزے صحیح ہوں گے؟

جواب ہاں، اس کے روزے صحیح ہیں، رہے خون کے یہ دھبے تو ان کا کچھ لحاظ نہیں ہے، کیونکہ وہ رگوں (کے پھٹنے) سے نکلنے والا خون ہے۔ (حیض نہیں ہے)۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ اثر مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

«إن هذه النقط التي تكون كرعاف الأنف ليست بحيض»

''بلاشبہ خون کے ان دھبوں کا حکم ناک سے بہنے والی نکسیر کا حکم ہے، یہ حیض نہیں ہے۔''

اس عورت کا روزہ جو فجر سے پہلے پاک ہوجائے اور فجر کے بعد غسل کرے

سوال جب حائضہ یا نفاس والی فجر سے پہلے پاک ہوجائے اور فجر کے بعد غسل کرے تو کیا اس کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

جواب ہاں، جب حائضہ فجر سے پہلے پاک ہوجائے اور طلوع فجر کے بعد غسل کرے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، اور یہی حکم نفاس والی عورت کا ہے کیونکہ وہ اس وقت روزہ رکھنے کے اہل لوگوں میں سے شمار ہوگی اور وہ اس شخص کے مشابہ ہے جس کو حالتِ جنابت میں فجر طلوع ہو، اور بلاشبہ اس کا روزہ درست ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ [البقرة: 187]

''تو اب ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھا ہے اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمہارے لیے سیاہ دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہوجائے۔''

پس جب اللہ تعالیٰ نے طلوع فجر تک جماع کرنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ غسلِ جنابت طلوعِ فجر کے بعد ہی ہو۔

نیز عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

«أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان يصبح جنبا وهو صائم» [1]

''بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل سے جماع کے سبب جنابت کی حالت میں صبح کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے۔''

یعنی آپ علیہ الصلاۃ والسلام طلوع فجر کے بعد جنابت کا غسل کرتے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اس عورت کے روزے کا حکم جس کو حیض آنے کے احساس کے بغیر خون اترے

سوال جب عورت خون نکلتا ہوا محسوس کرے، لیکن فی الحقیقت اس کو غروب آفتاب سے پہلے خون نہ نکلے، یا اس کو ماہواری کی درد محسوس ہو (مگر خون نہ آئے) تو کیا عورت کا اس دن کا روزہ درست ہوگا؟ یا اس دن کی قضا کرنا پڑے گی؟

جواب جب پاک عورت روزے کی حالت میں انتقالِ حیض کو محسوس کرے لیکن

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1830] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1109]

خون حیض غروب آفتاب کے بعد جاری ہو، یا اس کو حالت حیض کی درد تو شروع ہو جائے لیکن خون حیض غروب آفتاب کے بعد جاری ہو تو عورت کا اس دن کا روزہ صحیح اور درست ہوگا، فرض روزہ ہونے کی صورت میں اس کا اعادہ لازم نہیں ہوگا اور نفل روزہ ہونے کی صورت میں اس کا ثواب باطل نہیں ہوگا۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اس عورت کے روزے کا حکم جس کو خون آیا مگر اس پر یہ واضح نہ ہوا کہ یہ خونِ حیض ہے یا نہیں؟

سوال جب عورت نے خون دیکھا اور اسے یقین نہ ہوا کہ بلاشبہ وہ خون حیض ہے تو اس دن کے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کا اس دن کا روزہ درست اور صحیح ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ وہ حیض نہیں یہاں تک کہ واضح ہو جائے کہ وہ حیض ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حائضہ اور نفاس والی عورت کا ایامِ رمضان میں کھانے پینے کا حکم

سوال کیا حائضہ اور نفاس والی ایام رمضان میں کھا پی سکتی ہے؟

جواب ہاں، وہ ایام رمضان میں کھا پی سکتی ہیں لیکن اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ جب گھر میں ان کے پاس بچے ہوں تو وہ چھپ کر کھائیں پئیں تاکہ بچوں کے ذہنوں میں اشکال پیدا نہ ہو۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حمل ساقط کرنے والی عورت کے روزہ کا حکم

سوال بعض عورتیں جو حمل ساقط کر دیتی ہیں ان کی دو حالتیں ہوتی ہیں، یا تو خلقت

ظاہر ہونے سے پہلے جنین کو ساقط کر دیں یا خلقت ظاہر ہونے اور انسانی ساخت تیار ہوجانے کے بعد ساقط کریں، پس وہ دن جس میں وہ حمل ساقط کریں اور جن ایام میں ان کو خون جاری ہو ان ایام کے روزوں کا کیا حکم ہے؟

جواب جب جنین کی تخلیق نہ ہوئی ہو تو عورت کا خون خون نفاس نہیں ہے اور اس بنا پر وہ روزے رکھے گی اور نماز ادا کرے گی اور اس کا روزہ صحیح ہوگا۔

اور جب جنین کی تخلیق ہوچکی ہو تو بلاشبہ یہ خون نفاس کا خون ہوگا، عورت کے لیے ان ایام میں نماز روزہ جائز نہیں۔ اس مسئلہ میں قاعدہ یا ضابطہ یہ ہے کہ اگر جنین کی تخلیق ہوچکی ہو تو خون، خون نفاس ہے، اور اگر جنین کی خلقت ظاہر نہیں ہوئی تو یہ خون، خون نفاس نہیں ہے، اور جب خون نفاس کا ہو تو عورت پر وہ تمام چیزیں حرام ہوں گی جو نفاس والی عورت پر حرام ہوتی ہیں، اور جب خون نفاس کا نہ ہو تو اس پر وہ چیزیں حرام نہ ہوں گی۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اس حاملہ کے روزے کا حکم جس کو رمضان کے ایام میں خون جاری ہو

سوال کیا حاملہ کو ایام رمضان میں جاری ہونے والا خون اس کے روزے پر اثر انداز ہوتا ہے؟

جواب جب عورت کو روزے کی حالت میں حیض کا خون جاری ہو تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم»[1]

”کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نہ نماز ادا کرتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔“

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [298]

لہٰذا ہم خون حیض کو روزہ توڑنے والی اشیاء میں شمار کریں گے، اور نفاس کا حکم بھی حیض کا حکم ہے، حیض اور نفاس کے خون کا جاری ہونا روزے کو فاسد کر دیتا ہے۔

رہا حاملہ کو رمضان کے ایام میں خون جاری ہونا، اگر تو وہ حیض کا خون ہے تو وہ غیر حاملہ کے حیض کی طرح ہے، یعنی اس کے روزے کو متاثر کرے گا، اور اگر وہ حیض کا خون نہیں ہے تو اس کے روزے پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

ایسا حیض جو حاملہ کو آتا ہے وہ اسی وقت حیض کے حکم میں ہوگا جب وہ ہمیشہ مقررہ اوقات میں آتا رہے اور حمل کے بعد بھی منقطع نہ ہو تو راجح قول کے مطابق یہ حیض کا خون سمجھا جائے گا اور اس کے لیے حیض کے احکام ثابت ہوں گے۔

لیکن اگر حمل کے بعد اس کو خون آنا بند ہو گیا، پھر وہ غیر معتاد انداز میں خون دیکھتی رہی تو یہ خون اس کے روزہ پر اثر انداز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ حیض کا خون نہیں ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اس عورت کے روزے کا حکم جس کی ماہواری میں بگاڑ پیدا ہو گیا اور اسے ایک دن حیض آتا ہے اور ایک دن طہر کا ہوتا ہے

سوال جب عورت اپنے ماہواری کے ایام میں ایک دن خون پائے اور جب دوسرا دن ہو تو سارا دن اس کو خون نہ آئے تو وہ کیا کرے؟

جواب ظاہر بات تو یہ ہے کہ بلاشبہ یہ طہر یا خون کا وقتی طور پر خشک ہونا جو عورت کو اس کے ایام حیض میں لاحق ہوا یہ حیض کے ہی تابع ہوگا، طہر شمار نہیں ہوگا، لہٰذا اس بنا پر وہ ان تمام چیزوں سے رکی رہے جن سے حائضہ رکا کرتی ہے۔

اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جونسی عورت ایک دن خون اور ایک دن صفائی پاتی ہے تو پندرہ دن تک یہ خون حیض کا خون اور یہ صفائی طہر شمار ہوگی۔ اور جب پندرہ دن گزر جائیں گے تو اس کے بعد یہ خون استحاضہ شمار ہوگا، یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مشہور مذہب ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اس عورت کے روزے کا حکم جس کا حیض تو بند ہوگیا مگر ابھی اس نے سفید روئی نہیں دیکھی

سوال عورت حیض کے آخری ایام میں طہر سے قبل خون کے اثرات نہیں پاتی کیا وہ اس دن کا روزہ رکھے یا وہ کیا کرے جبکہ ابھی اس نے سفید روئی نہیں دیکھی؟

جواب جب اس کی عادت یہ ہو کہ وہ سفید روئی نہیں دیکھتی جیسا کہ بعض عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے تو وہ روزے رکھے اور اگر سفید روئی دیکھنا اس کی عادت ہے تو وہ اس کو دیکھنے تک روزے رکھنا شروع نہ کرے۔
(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

کیا حائضہ عورت اپنے حیض کے پاک لباس میں نماز ادا کرے؟

سوال کیا حائضہ کے لیے پاک ہونے کے بعد اپنا لباس تبدیل کرنا واجب ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کو خون اور نجاست نہیں لگی؟

جواب اس پر لباس تبدیل کرنا لازم نہیں کیونکہ حیض بدن کو نجس نہیں کرتا ہے اور خون حیض صرف اسی کو نجس کرے گا جس کو وہ لگے گا، اسی لیے نبی ﷺ نے عورتوں کو حکم دیا کہ جب ان کے کپڑوں کو خون حیض لگ جائے تو وہ

ان کو دھو کر ان میں نماز ادا کریں۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال جب عورت کو مثلاً ایک بجے بوقت ظہر حیض جاری ہوا اور اس نے ظہر کی نماز ادا نہ کی، کیا حیض سے پاک ہونے کے بعد اس پر اس نماز کی قضا دینا واجب ہوگا؟

جواب اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے:

بعض نے کہا: اس عورت پر اس نماز کی قضا دینا واجب نہیں ہے کیونکہ اس نے کوئی غلطی اور کوتاہی نہیں کی ہے کیونکہ اس کے لیے نماز کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کرنا جائز ہے۔

اور علماء میں سے بعض نے کہا: اس پر مذکورہ نماز کی قضا دینا واجب ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا عمومی ارشاد ہے:

«من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة»[1]

''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔''

لہٰذا اس کے لیے احتیاط اسی میں ہے کہ وہ مذکورہ نماز کی قضا دے، وہ ایک نماز ہی تو ہے اس کی قضا میں کوئی مشقت نہیں ہے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

حاملہ کے ولادت سے ایک یا دو دن پہلے خون دیکھنے کا حکم

سوال جب حاملہ ولادت سے ایک یا دو دن قبل خون دیکھے تو کیا وہ اس کی وجہ سے روزہ و نماز ترک کر دے یا وہ کیا کرے؟

جواب جب حاملہ ولادت سے ایک یا دو دن پہلے خون دیکھے اور اسے درد زہ بھی

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [555] صحیح مسلم، رقم الحدیث [607]

شروع ہو جائے تو یہ نفاس کا خون ہوگا، وہ اس کے سبب نماز و روزہ ترک کر دے، اور جب خون کے ساتھ دردزہ نہ ہو تو فاسد خون ہے اس کا کچھ لحاظ نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ اس کی وجہ سے روزہ رکھنے اور نماز ادا کرنے سے رکے گی۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

روزہ رکھنے کے لیے مانع حیض گولیاں استعمال کرنے کا حکم

سوال لوگوں کے ساتھ مل کر روزے رکھنے کی غرض سے ماہواری کو روکنے والی گولیاں استعمال کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب میں تمھیں ان گولیوں کے استعمال سے خبردار کرتا ہوں، کیونکہ ان گولیوں کے استعمال میں بہت بڑا نقصان ہے، بعض اطباء کے ذریعہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے، لہٰذا عورت کو کہا جائے گا: یہ حیض ایک ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے، پس تو اللہ عزوجل کے لکھے ہوئے پر قناعت کر۔ اور جب کوئی مانع اور رکاوٹ نہ ہو تو روزے رکھ، اور جب کوئی مانع پایا جائے تو اللہ عزوجل کی تقدیر پر راضی رہتے ہوئے روزہ چھوڑ دے۔
(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال مانع حیض گولیوں کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے مانع حیض گولیاں استعمال کرنے میں جب وہ اس کی صحت میں بگاڑ پیدا نہ کریں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس کا خاوند ایسا کرنے کی اجازت دے۔

لیکن جہاں تک مجھے علم ہے بلاشبہ یہ گولیاں عورت کے لیے نقصان دہ ہیں اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ بلاشبہ خون حیض کا خروج طبعی اور فطری خروج

ہے، اور طبعی چیز کو جب اس کے وقت مقرر سے روکا جائے تو اس کے روکنے سے لازمی طور پر جسم کو نقصان ہوتا ہے۔

اسی طرح ان گولیوں کے استعمال سے اس لیے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ عورت کی ماہواری کو خلط ملط کر دیتی ہیں اور اس کی عادت شہریہ میں تغیر و بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے عورت اپنی نماز، خاوند سے مباشرت کرنے اور دیگر چیزوں کے متعلق اضطراب و شک میں مبتلا رہتی ہے، لٰہذا میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ حرام ہیں لیکن عورت کے لیے ضرر رساں ہونے کی وجہ سے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ ان کو استعمال کرے۔

اور میں کہتا ہوں کہ عورت کے لائق یہی ہے کہ وہ اس پر راضی رہے جو اللہ نے اس کے مقدر میں کیا ہے۔ نبی ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں، جبکہ انھوں نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا:

«مالك؟ أنفست؟ قالت: نعم، قال: هذا شيء كتبه الله على بنات آدم »[1]

"تمھیں کیا ہے؟ شاید تمھیں حیض آ گیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک ایسی چیز ہے جسے اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر مقدر کر دیا ہے۔"

پس عورت کے لائق یہ ہے کہ وہ صبر کرے اور ثواب کی نیت رکھے، اور جب اس پر حیض کی وجہ سے نماز و روزہ مشکل ہو تو ذکر کا دروازہ تو کھلا ہے، وللہ الحمد، وہ اللہ کا ذکر کرے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تسبیح بیان کرے، صدقہ کرے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [226] صحيح مسلم، رقم الحديث [333]

اور اپنے قول وفعل کے ساتھ لوگوں سے حسن سلوک کرے، بلاشبہ یہ افضل اعمال میں سے ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال ایک عورت جب اپنی شادی کے دو ماہ بعد حیض سے پاک ہوئی تو اس کو خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے لگنے لگے تو کیا وہ روزہ چھوڑ دے اور نماز ادا نہ کرے؟ یا وہ کیا کرے؟

جواب عورتوں کے حیض و نکاح کے مسائل کی پیچیدگیاں ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے، ان پیچیدگیوں کے اسباب میں سے ایک سبب مانع حمل گولیوں کا استعمال ہے، لوگ ان کثیر تعداد میں موجود پیچیدگیوں کو سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اشکال کا وجود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بلکہ عورتوں کے وجود کے وقت سے ہی پایا جاتا ہے، لیکن مذکورہ سبب سے اس کی اتنی کثرت ہے کہ انسان ان کے حل کی تلاش میں حیران و ششدر ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے اور افسوس کے ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

لیکن مذکورہ مسئلہ میں عام قاعدہ یہ ہے کہ جب عورت پاک ہو جائے اور حیض و نفاس سے یقینی طور پر پاکی کو دیکھ لے، حیض سے پاکی حاصل ہونے سے میری مراد یہ ہے کہ عورت کو (شرمگاہ پر رکھی ہوئی) روئی سفید برآمد ہو اور یہ سفیدی اس مٹیالے رنگ کی، یا زردی مائل، یا دھبے یا رطوبت کی سفیدی ہے، جس کو طہر کے بعد عورتیں پہچانتی ہیں تو مذکورہ تمام پانی حیض نہیں ہیں اور یہ نماز کی ادائیگی، روزے رکھنے اور خاوند کے اپنے بیوی سے جماع کرنے سے مانع نہیں ہیں، کیونکہ یہ حیض نہیں۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

«كنا لا نعد الصفرة والكدرة شيئاً»[1]

---

[1] **صحیح**۔ سنن النسائي، رقم الحديث [368]

''ہم زردی مائل اور مٹیالے رنگ کے پانی کا کچھ لحاظ نہیں کرتی تھیں۔''

اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ ابو داود میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''بعد الطھر'' [1] (حیض سے پاک ہونے کے بعد) ''ہم عورتیں زرد اور مٹیالے کا کچھ لحاظ نہیں کرتی تھیں۔'' اس کی سند صحیح ہے۔

اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ یقینی طہر کے بعد اس قسم کی پائی جانے والی اشیا عورت کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں اور نہ ہی اس کو نماز ادا کرنے سے، روزے رکھنے سے اور خاوند کے اس سے مباشرت کرنے سے روکتی ہیں، لیکن عورت پر واجب ہے کہ وہ جلدی نہ کرے، حتی کہ وہ طہر کو دیکھ لے، کیونکہ بعض عورتیں جب ان کا خون خشک ہوجاتا ہے تو وہ مکمل طہر دیکھنے سے پہلے ہی غسل طہارت کرنے میں جلدی کرتی ہیں۔

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیویاں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی خون آلود روئی بھیجا کرتی تھیں تو عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو کہتیں: «لا تعجلن حتی ترین القصة البيضاء» [2] ''سفید روئی دیکھنے تک جلدی نہ کرو۔'' (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

مشتبہ خون کا حکم

سوال جب عورت پر خون مشتبہ ہوجائے اور وہ تمیز نہ کر پائے کہ وہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا یا کوئی اور خون ہے تو وہ اس کو کیا شمار کرے؟

جواب عورت سے خارج ہونے والے خون میں اصل تو یہ ہے کہ وہ خون حیض ہو الا یہ کہ واضح ہو کہ وہ استحاضہ کا خون ہے، سو اس بنا پر جب تک یہ واضح

---

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [307]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [314]

نہ ہو کہ وہ استحاضہ کا خون ہے عورت اس کو حیض کا خون ہی شمار کرے۔
(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال ایک عورت کو چالیس دن مکمل ہونے سے پانچ دن قبل ہی نفاس کا خون آنا بند ہوگیا، لہٰذا اس نے نماز ادا کرنا اور روزہ رکھنا شروع کر دیا، چالیس دن کے بعد خون دوبارہ جاری ہوگیا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب جب نفاس والی عورت چالیس دن پورے ہونے سے پہلے پاک ہوجائے تو اس پر نماز ادا کرنا اور اگر رمضان ہو تو اس کا روزہ رکھنا واجب ہے، نیز اس کے خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے مجامعت کرے، اگرچہ چالیس دن نفاس کے مکمل نہ بھی ہوئے ہوں۔ اور یہ مذکورہ عورت جو پینتیس دنوں میں پاک ہوگئی اس پر واجب ہے کہ وہ روزے رکھے اور نماز ادا کرے اور اس نے جو روزے رکھے اور نمازیں ادا کیں وہ بروقت اور برموقع تھیں، پس جب چالیس دن کے بعد اس کو دوبارہ خون جاری ہوا تو وہ حیض کا خون شمار ہوگا، الا یہ کہ وہ اکثر وقت اس کو آتا رہے، پس وہ صرف اپنی عادت کے ایام میں ہی (نماز و روزہ سے) بیٹھی رہے، پھر وہ غسل کر کے نماز ادا کرنا شروع کر دے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بچوں کی تربیت کے
متعلق فتوے
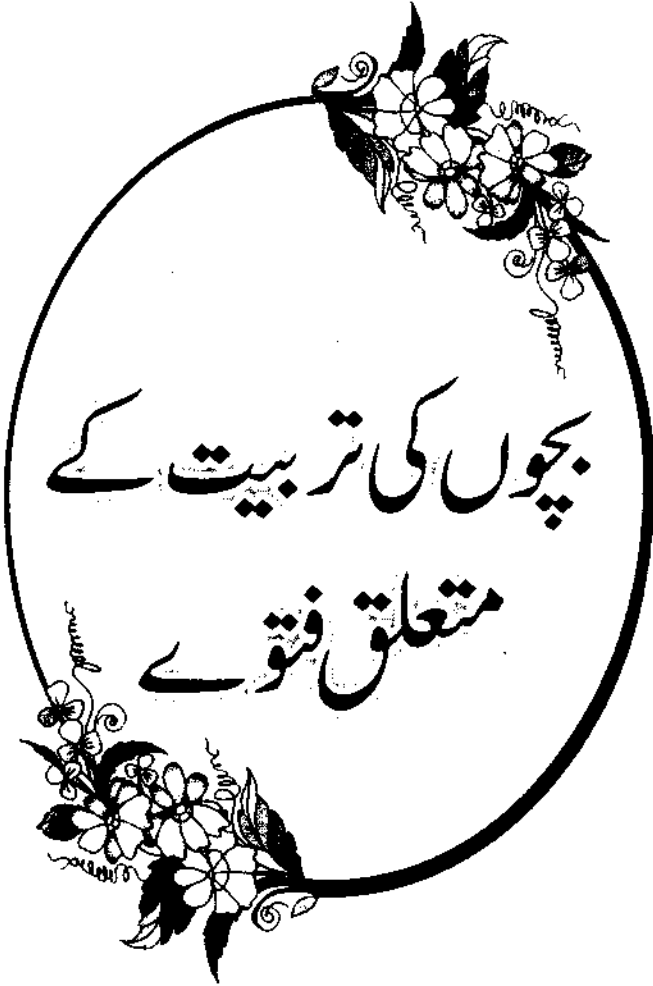
بچوں کی تربیت کی غرض سے مانع حمل گولیوں کا استعمال

سوال شریعت عورت کے لیے چھوٹے بچوں کی تربیت کی خاطر مانع حمل گولیوں کا استعمال کب جائز قرار دیتی ہے؟

جواب مانع حمل گولیوں کا استعمال جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی انتہائی مجبوری ہو، اور وہ یہ کہ ڈاکٹر لوگ اس خدشہ کا اظہار کریں کہ حمل عورت کی موت کا سبب بنے گا، رہا حمل میں وقفہ ڈالنے کے لیے مانع حمل گولیوں کا استعمال کرنا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جب عورت اس کی ضرورت محسوس کرے، خصوصاً جب عورت کی صحت پے در پے تھوڑے تھوڑے وقفوں سے حمل برداشت کرنے کی متحمل نہ ہو، یا نیا حمل عورت کے اس بچے کے لیے ضرر رساں ہو جس کو وہ دودھ پلا رہی ہو اور گولیاں حمل کے ٹھہرنے کو مستقل طور پر ختم نہ کرتی ہوں، بلکہ صرف اس میں وقفہ ڈالتی ہوں تو بقدر حاجت وضرورت ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے مشورہ سے ایسا کیا جائے۔ (صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

عقیقے کا مستحب ہونا

سوال بچہ خواہ مذکر ہو یا مؤنث اس کی طرف سے عقیقے کا جانور ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا مذکر بچے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرنا واجب ہے؟ جب وہ اس کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے اور اس کو ایک عرصہ گزر چکا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر دادا اپنے پوتے کا عقیقہ کرتے ہوئے عقیقے

کا جانور ذبح کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر عقیقے کے جانور خریدنے میں دوسرے لوگ تعاون کریں تو اس کا کیا حکم ہے؟ عقیقے کی دعوت پر ولیمہ منعقد کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسا کرنے میں اس پر کیا طریقے کار واجب ہوگا؟

جواب عقیقہ اس قربانی اور ذبیحے کا نام ہے جس کو بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔ بعض علماء آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے اس کو واجب کہتے ہیں:

«كل غلام مرتهن بعقيقته تذبح يوم سابعه ويسمى»[1]

''ہر بچہ اپنے عقیقے کا گروی ہے، اس (کی پیدائش) کے ساتویں دن عقیقے کا جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔''

لیکن یہ حدیث تو صرف اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ عقیقہ کرنا تاکیدی امر ہے، ورنہ اس میں اصل یہی ہے کہ یہ واجب نہیں۔ اس میں سنت یہ ہے کہ مذکر بچے کی طرف سے دو بکریاں یا دو بھیڑیں، اور بچی کی طرف سے ایک، اور اگر مذکر بچے کی طرف سے ایک بکری پر اکتفا کرے گا تو ان شاء اللہ یہ بھی کافی ہوگی۔ اسی طرح ان کے درمیان اس طرح فرق کرنا بھی جائز ہے کہ پہلی بکری ایک ہفتے کے بعد ذبح کرے اور دوسری دو ہفتوں کے بعد ذبح کرے جو کہ پہلی کے علاوہ ہے۔ عقیقے میں اصل یہ ہے کہ عقیقہ کرنا والد کے ذمہ واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہ اس نے اس کو بچے جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ تاہم اگر بچے کا دادا، یا بھائی اور ان دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی اس کے عقیقہ کا جانور خرید کر ذبح کر دے تو یہ کفایت کر جائے گا۔ اسی طرح اگر ان میں سے کوئی عقیقہ کا جانور خریدنے میں کچھ تعاون کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ عقیقے کے

---

[1] **صحیح**. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3165]

گوشت کے متعلق سنت یہ ہے کہ وہ ایک تہائی خود استعمال کرے اور ایک تہائی اپنے دوستوں کو ہدیہ دے اور ایک تہائی مسلمانوں پر صدقہ کرے، اور عقیقے کی دعوت پر اپنے دوستوں اور قریبی رشتہ داروں کو مدعو کرنا بھی جائز ہے، نیز عقیقے کا تمام گوشت صدقہ کر دینا بھی جائز ہے۔ (عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین ﷾)

عقیقہ نہ کرنے والے کا حکم

سوال مالدار لوگوں میں سے ایک کے سات بچے ہیں، اس نے ان میں سے دو کا عقیقہ کیا ہے اور باقیوں کا عقیقہ نہیں کیا تو کیا اگر وہ باقی بچوں کا عقیقہ کرتا ہے تو اس کو ثواب ہوگا اور اگر وہ ان کا عقیقہ نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہوگا؟

جواب ذکر اور مؤنث بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا مستحب ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو عبدالرزاق ﷫ نے ''مصنف'' میں عمرو بن شعیب عن ابیہ، عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کی مشروعیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا أحب العقوق»[1]

''میں ''عقوق'' کو (بمعنی نافرمانی) پسند نہیں کرتا۔''

گویا کہ آپ ﷺ نے اس کے نام کو ناپسند کیا۔ صحابہ کرام ﷢ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی اپنے بچے کے عقیقے کا جانور ذبح کرنا چاہتا ہے (تو اس کا کیا حکم ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«من أحب منكم أن ينسك عن ولده فليفعل عن الغلام شأتان وعن الجارية شاة»[2]

---

[1] **حسن**. مصنف عبد الرزاق [330/4]

[2] **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث [4212]

''جو تم میں سے اپنے بچے کے عقیقے کا جانور ذبح کرنا چاہتا ہے تو وہ بچے کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔''

یہ استحباب بھی صرف باپ کے حق میں ہے کیونکہ حدیث میں اسی کو مخاطب کیا گیا ہے، لہٰذا بچے کے حق میں عقیقہ باپ کے علاوہ کسی کی طرف سے مستحب نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

عطیات دینے میں بچوں کے درمیان امتیازی سلوک

سوال کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کوا ـ کا استقبال کرنے اور مرحباً کہنے میں دوسروں سے خاص کرے، جبکہ وہ سب اس عورت (اپنی ماں) سے برابر حسن سلوک کرتے ہوں، اور ایسے ہی اپنے پوتوں میں سے کسی کو خاص کرنا جبکہ وہ سب اس سے یکساں حسن سلوک اور سلام کلام کرتے ہیں؟

جواب باپ (اور ماں) پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرے اور عطیہ، تحفہ، ہدیہ اور دیگر عنایات کے دینے میں وہ بعض کو بعض پر فضیلت نہ دے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اتقو اللّٰه واعدلوا بين أولادكم»[1]

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرو۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«أتحب أن يكونوا في البر سواء فسو بينهم»[2]

''کیا تو پسند کرتا ہے کہ وہ سب تیرے ساتھ حسن سلوک کریں، تو تم

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2447]

[2] **صحیح**. صحیح ابن حبان [505/11]

بھی ان کے ساتھ برابری اور انصاف کرو۔"

اکابر علماء کرام رحمہم اللہ تو بچوں کے درمیان بوسہ دینے، خندہ پیشانی سے ملنے اور ان کو خوش آمدید کہنے میں بھی برابری اور انصاف کو پسند کرتے تھے، کیونکہ اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرنے کا واضح حکم ہے۔ لیکن بعض اوقات ان میں سے بعض چیزوں میں برابری نہ کرنے میں رعایت اور گنجائش موجود ہے، مثلاً بلاشبہ باپ بعض اوقات چھوٹے بچے اور مریض و بیمار بچے کو بطور شفقت کے دوسروں پر فضیلت دے۔ البتہ اس مسئلہ میں اصل یہی ہے کہ تمام معاملات میں بچوں کے درمیان عدل و انصاف کیا جائے، خاص طور پر جب وہ حسن سلوک، صلہ رحمی اور اطاعت وغیرہ کرنے میں اس کے ساتھ برابری کے حصہ دار ہوں۔ (عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ)

بچی کے پردہ کا حکم

سوال بچی کے لیے ستر پوشی اور پردہ سے معافی کی کم سے کم عمر کتنی ہے؟

جواب بلاشبہ جب بچی چھوٹی ہو اور سات سال کی عمر کو نہ پہنچی ہو تو اس کے حق میں ستر پوشی و پردہ واجب نہیں ہے، اور جب وہ سات سال کی ہو جائے تو اس پر ستر پوشی اور پردہ واجب ہے جیسا کہ بعض فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔ مگر اس کی ستر پوشی و پردہ اس عورت کی ستر پوشی و پردہ سے مختلف ہوگا جو اس سے عمر میں بڑی ہے۔ واللہ الموفق (محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

چھوٹی بچیوں کو چھوٹا لباس پہنانے کا حکم

سوال بعض عورتیں (اللہ ان کو ہدایت عطا فرمائے) اپنی چھوٹی بچیوں کو ایسا

لباس پہناتی ہیں جن سے ان کی پنڈلیاں ننگی رہتی ہیں۔ جب ہم ایسی ماؤں کو نصیحت کرتے ہیں تو وہ کہتی ہیں: ہم بھی اس سے پہلے ایسا لباس ہی پہنتی تھیں اور ہمارے بڑے ہونے کے بعد ہمیں اس کا کوئی نقصان محسوس نہیں ہوا۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی کو اس طرح کا لباس پہنائے، کیونکہ جب وہ اس کی عادی ہوجائے گی تو وہ اس طرح کا (عریاں) لباس پہننا معمولی سمجھنے لگ جائے گی۔ لیکن اگر وہ اپنے بچپن سے ہی شرم وحیا کو اپنی عادت بنالے گی تو بڑی ہوکر بھی وہ شرم وحیا والی رہے گی۔ میں اپنی مسلمان بہنوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دین کے بیرونی دشمنوں کا لباس ترک کردیں اور اپنی بیٹیوں کو پورے جسم کو چھپانے والا لباس پہننے کی عادی اور شرم وحیا کا پیکر بنائیں، کیونکہ حیا ایمان کا جزو اور حصہ ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال بچے کو امور دین کی کب تعلیم دی جائے؟

جواب جب بچے تمیز کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو تعلیم دینے کا آغاز کیا جائے اور ان کی تعلیم کا آغاز ان کی دینی تربیت سے کیا جائے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مروا أولادكم بالصلاة لسبع سنين واضربوهم عليها لعشر وفرقوا بينهم في المضاجع»[1]

”جب تمھارے بچے سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز ادا کرنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو ان کو اس (کے ترک

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [495]

کرنے) پر سزا دو اور ان کے بستر الگ کر دو۔"

پس جب بچہ تمییز کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کے والد کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بچے کو تعلیم دے اور اس کی خیر و بھلائی پر تربیت کرے، وہ اس طرح کہ اس کو قرآن اور آسان آسان احادیث کی تعلیم دے، اور اس بچے کی عمر کے مناسب حال اس کو شریعت کے احکام سکھائے، مثلاً اس کو وضو کرنا اور نماز پڑھنا سکھائے، اور اس کو سوتے جاگتے، کھاتے پیتے وقت کے اذکار اور دعائیں سکھائے، کیونکہ جب وہ تمییز کی عمر کو پہنچ جائے تو جس چیز کا اس کو حکم دیا جاتا ہے اور جس چیز سے اس کو منع کیا جاتا ہے وہ اس کو سمجھنے لگتا ہے، ایسے ہی باپ بچے کو غیر مناسب امور سے منع کرے اور اس پر واضح کرے کہ یہ امور مثلاً جھوٹ بولنا، چغلی کرنا اور اس طرح کے دیگر کام اس کے لیے جائز نہیں ہیں، حتی کہ صغر سنی سے ہی خیر و بھلائی کے کرنے اور برے کام کے چھوڑنے پر اس کی تربیت ہو جائے۔ یہ بڑا ہی اہم معاملہ ہے جو بعض لوگ اپنی اولاد کے ساتھ تربیت کا یہ معاملہ کرنے میں غفلت اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بلاشبہ اکثر لوگ اپنی اولاد کے معاملات کا خاص اہتمام نہیں کرتے اور نہ ہی صحیح سمت میں ان کی توجہ مبذول کرتے ہیں، وہ ان کو عمداً چھوڑ دیتے ہیں نہ ان کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور نہ بھلائی کی طرف ان کو متوجہ کیا جاتا ہے، بلکہ وہ جہالت اور غیر پسندیدہ افعال و اعمال پر تربیت و نشو و نما پاتے ہیں، برے لڑکوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں، سڑکوں پر آوارہ پھرتے ہیں اور اپنے اسباق سے غافل ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ کئی خرابیاں ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں جن پر، اپنے والدین کی غفلت کی وجہ سے، مسلمان نوجوانوں کی نشو و نما ہوتی ہے۔ والدین سے اپنی اولاد کے متعلق باز پرس ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر

ان کی اولاد کی ذمہ داری عائد کی ہے اور فرمایا ہے:

«مروا أولادكم بالصلاة لسبع، واضربوهم عليها لعشر، وفرقوا بينهم في المضاجع» [1]

''جب تمھارے بچے سات سال کے ہوں تو ان کو نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کو (ترک نماز پر) سزا دو اور ان کے بستر الگ کر دو۔''

والدین کو یہ حکم ہے اور وہ اس کے مکلف ہیں، پس وہ شخص جو اپنے بچوں کو نماز کا حکم نہیں دیتا یقیناً اس نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی اور حرام کام کا ارتکاب کیا اور ایسے فریضہ کو ترک کیا جو رسول اللہ ﷺ نے اس پر عائد کیا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته» [2]

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''

افسوس کہ بعض باپ اپنے دنیا کے کاموں میں اس طرح مشغول ہوتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی وقت نکالتے ہیں، بلکہ ان کا تمام وقت امور دنیا کے لیے مختص ہے اور یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے جو مسلمانوں کے ملکوں میں بہت زیادہ بڑھ چکا ہے جس کے سبب ان کے بچوں کی تربیت میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایسی حالت میں مبتلا ہیں کہ نہ دین کے رہے نہ دنیا کے۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [495]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [853] صحيح مسلم، رقم الحديث [1829]

بچوں کے بستر کس طرح جدا کیے جائیں؟

سوال اس حدیث کی مناسبت سے «فرقوا بينهم في المضاجع» ''ان کے بستر الگ کر دو'' کیا ان کے بستروں کو جدا کرنے کا حکم مذکر اور مؤنث دونوں قسم کے بچوں کو الگ الگ شامل ہے؟

جواب ضروری ہے یعنی مذکر سے مذکر کا بستر الگ کر دیا جائے اور مذکر سے مؤنث کا بستر تو بالاولیٰ جدا کرنا چاہیے، جی ہاں! اور کیا مؤنث سے مؤنث کا بستر بھی جدا کیا جائے؟ جی ہاں۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

چھوٹے بچوں کا قرآن کو چھونا اور پڑھنا

سوال بچوں کو قرآن مجید پکڑانے اور اس سے پڑھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب بچوں کو قرآن مجید پکڑانے اور اس سے پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ وہ طہارت کی حالت میں ہوں اور قرآن مجید کی کسی طرح سے اہانت کا ارتکاب نہ کریں۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بچوں کو مساجد میں لانے کا حکم

سوال عورتیں کے لیے اپنے بچوں کو مساجد میں داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب ہم تمھیں بتا دینا چاہتے ہیں کہ بلاشبہ عورتوں کو رمضان میں اپنے بچوں کے ساتھ مساجد میں آنے سے نہ روکا جائے، سنت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مساجد میں آتیں اور ان کے بچے بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے، وہ سنت اور حدیث یہ ہے:

«إني لأدخل في الصلاة وأنا أريد إطالتها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز فيها مخافة أن أشق على أمه»[1]

''میں نماز شروع کرتا ہوں، میں چاہتا ہوتا ہوں کہ نماز لمبی کروں، مگر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر اس کو مختصر کر دیتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں میں (نماز لمبی کر کے) اس کی ماں کے لیے مشکل نہ پیدا کر دوں۔''

نیز حدیث میں ہے:

«حمل النبي صلى الله عليه وسلم أمامة في صلاة الفريضة وهو يؤم الناس في المسجد»[2]

''نبی ﷺ مسجد میں لوگوں کو فرض نماز کی امامت کروا رہے تھے اور آپ ﷺ نے (اپنی نواسی) امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھا رکھا تھا۔''

لیکن عورتوں پر لازم ہوگا کہ وہ بچوں کی نیند وغیرہ کی حالت میں مسجد کو نجاست سے بچائیں۔ (محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

سوال عورت کے لیے اپنے بچوں کو مسجد میں لے جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب بچوں کو مسجد میں لے جانے کے مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے: اگر وہ سات سال کے ہو چکے ہیں تو بلاشبہ ان کو مسجد میں لے جایا جائے تاکہ ان کی نماز کی مشق ہو اور ان کی نماز پر تربیت ہو، اور اگر وہ سات سال سے چھوٹے ہوں تو بلاشبہ ان کو مسجد میں نہ لے جایا جائے الا یہ کہ جب اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ نمازیوں کو تنگ نہیں کریں گے اور مسجد میں کوئی خرابی نہیں پیدا کریں گے، یا ان کو مسجد کے گندہ کرنے سے روک کر رکھا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [677] صحيح مسلم، رقم الحديث [470]
[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [494] صحيح مسلم، رقم الحديث [543]

جائے، ان کو مسجد میں تب لے جایا جائے جب اس کی کوئی انتہائی ضرورت ہو، مثلاً اگر ان کو گھر میں چھوڑا جائے تو ان کو خطرہ لاحق ہو۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

سوال ہم عمرہ کرنے کے لیے مسجد حرام میں تھے، اور ایک رات کے لیے رہائش گاہ کا ملنا مشکل تھا لہٰذا ہم نے مسجد حرام میں ہی رات گزار لی، میرے ساتھ ایک چھوٹی بچی تھی جس کی عمر ساڑھے تین سال سے زیادہ نہ تھی، وہ بھی ہمارے ساتھ سو گئی، میں نے اس کے سونے کی جگہ میں مسجد حرام کے اندر کچھ (پیشاب کی) تری محسوس کی، اور میں اس کو دھو نہ سکی، کیونکہ آس پاس کافی لوگ سوئے ہوئے تھے اور بعد میں بھی اس کو دھونا بھول گئی، مجھ پر کیا واجب ہے؟ مجھے جواب سے نوازیں۔

جواب تم پر واجب ہے کہ اس سے توبہ کرو اور دوبارہ اس طرح کا کام نہ کرو، اور یاد رکھو کہ جب کبھی تمھیں مسجد حرام یا مسجد نبوی یا ان کے علاوہ دیگر مساجد میں رات گزارنے کا موقع ملے اور تمھارے پاس بچی ہو تو تم پر واجب ہے کہ اس کی حفاظت کرو تاکہ اس کا پیشاب اور پائخانہ مسجد میں نہ پھیلے، لیکن جب کوئی اس قسم کا کام ہوجائے تو تم پر واجب ہے کہ مسجد کو اس سے صاف کرو یا کم از کم صفائی کرنے والوں کو اس کی اطلاع دے دو تاکہ وہ مسجد کو اس گندگی سے پاک صاف کر دیں، تمھارے لیے اس معاملہ میں تساہل اور سستی کرنا جائز نہیں ہے۔ عفا اللّٰہ عنا وعنك وعن كل مسلم.

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

بچوں کو بد دعا دینے یا ان پر لعنت کرنے کا حکم

سوال اکثر باپ اور مائیں اپنے بچوں کو، جب ان سے کوئی خطا اور غلطی سرزد ہوجائے، بد دعا دیتے ہیں، ہم آپ سے ان کے لیے اس مسئلہ میں کسی وضاحتی بیان کی امید رکھتے ہیں؟

جواب ہم والدین کو بچوں کی صغر سنی میں ان کی غلط باتوں یا تکلیف دہ کاموں پر صبر کرتے ہوئے ان کو معاف کرنے اور ان کی کوتاہیوں سے صرف نظر کرنے کی نصیحت کرتے ہیں، کیونکہ بچوں کی عقلیں مکمل نہیں ہوتیں اور قول و فعل میں ان سے غلطی ہوجاتی ہے۔ پس جب والد حلیم الطبع بن کر اس کی غلطی سے درگزر کرے گا اور بچے کو شفقت اور نرمی سے غلط کاموں سے بچنے کی تعلیم دے گا اور اس کو نصیحت کرے گا تو بچہ اس طرح اس کی نصیحت کو قبول کر لے گا اور ادب سیکھ لے گا۔ لیکن والدین بعض اوقات بڑی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ ہے بچوں کو موت، بیماری، آفات اور مصائب میں مبتلا ہونے کی بد دعا دیتے اور اس بددعا میں اچھا خاصہ مبالغہ کرتے ہیں، پھر بعد میں جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے انھیں افسوس ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے بچوں کو بد دعا دے کر غلطی کی ہے اور وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان بد دعاؤں کا لگنا واجب نہیں ہے، کیونکہ انھوں نے دل کے ارادے سے یہ بد دعائیں کی ہی نہیں، آخر کار والدین میں فطری طور پر نرمی اور شفقت پائی جاتی ہے اور صرف شدت غضب نے ان کو ان بددعاؤں پر انگیخت کیا ہوتا ہے، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی اسے معاف کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ﴾ [یونس: 11]

''اور اگر اللہ لوگوں کو برائی جلدی دے انھیں بہت جلدی بھلائی دینے کی طرح تو یقیناً ان کی طرف ان کی مدت پوری کر دی جائے۔''

لہٰذا والدین پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ والی سزا کے ساتھ ان کو ادب سکھانا واجب ہے، کیونکہ بچہ ادب وتعلیم کی نسبت سزا سے زیادہ اثر حاصل کرتا ہے۔ رہا اس کو بد دعا دینا اس کو کوئی فائدہ نہیں دیتا اور وہ پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے متعلق کیا بددعا کی جا رہی ہے پس والد کے نامہ اعمال میں یہ بد دعائیں لکھ دی جاتی ہیں جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

(عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ)

بچوں کو لعن طعن نہ کرنے کی نصیحت

سوال ایک عورت جس کی عادت ہے کہ وہ اپنے بچوں پر لعنت کرتی ہے، گالیاں دیتی ہے اور ہر چھوٹے بڑے کو کبھی زجر وتوبیخ سے تکلیف دیتی ہے اور کبھی مار پٹائی سے، میں نے کئی مرتبہ اس کو اس عادت بد سے باز آنے کی نصیحت کی ہے، مگر اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ تم نے ان بچوں کو زبان دراز اور بد بخت بنا دیا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اس کی انتہائی سخت کلام کی بھی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ آخر یہ گالیاں دے گی اور مار پیٹ کرے گی (اور بس) اس بیوی کے حق میں میرے موقف کے متعلق دین کی معتبر رائے کیا ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔ کیا میں طلاق کے ذریعہ اس کو اپنے سے جدا کر کے بچے

اس کے حوالے کر دوں یا میں کیا کروں؟ مجھے اس کے جواب سے نوازیں اللہ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

جواب بچوں کو لعن طعن کرنا کبیرہ گناہوں سے ہے، اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے ایسے لوگوں پر لعنت کرنا بھی جو اس کے مستحق نہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لعن المؤمن كقتله» [1]

''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔''

نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«سباب المسلم فسوق وقتاله كفر» [2]

''مسلمان کو گالی دینا فسق و گناہ ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''

نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«إن اللعانين لا يكونون شهداء ولا شفعاء يوم القيامة» [3]

''بلاشبہ لعن طعن کرنے والے قیامت کے دن گواہ اور سفارشی نہ بن سکیں گے۔''

پس اس عورت پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں توبہ کرنا اور اپنی زبان کو اپنے بچوں کو گالی دینے سے محفوظ کرنا واجب ہے، اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اکثر اپنے بچوں کی ہدایت اور اصلاح کی دعا کیا کرے۔

اے اس عورت کے خاوند! تمھارے لیے مشروع یہ ہے کہ تم اس کو ہمیشہ نصیحت کرتے رہو اور بچوں کو گالی دینے سے منع کرتے رہو۔ اگر نصیحت فائدہ نہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5754] صحيح مسلم، رقم الحديث [110]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [48] صحيح مسلم، رقم الحديث [64]

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث [2598]

دے تو اس کو عارضی طور پر الگ کر دو، ایسا الگ کرنا جس کے متعلق تمھیں یقین ہو کہ وہ اس کے متعلق مفید ثابت ہوگا، اور اس کے ساتھ ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر سے کام لو اور طلاق دینے کی جلدی نہ کرو، ہم اللہ سے اپنی، تمھاری اور تیری بیوی کی ہدایت کا سوال کرتے ہیں، نیز تمھارے بچوں کو باادب بنانے اور ان کو خیر و بھلائی کی طرف مائل کرنے کا اللہ سے سوال کرتے ہیں تاکہ ان کے اخلاق سنور جائیں۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

بچیوں کو تعلیم دلوانے کا حکم

سوال بچیوں کو تعلیم دلوانے کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کی کوئی حد ہے؟ اور کتنی عمر میں ان کی تعلیم کو روک دیا جائے؟

جواب حصول علم کی ابتداء و انتہا کی کوئی حد نہیں ہے، پس جب تک بچی کو پڑھائی سے مفید علم حاصل ہوتا رہے اور اس میں کوئی خرابی اور بگاڑ نہ آئے تو اس کے درس و تدریس سے وابستہ رہنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ اور جب تعلیم و تعلم اس کے دین میں نقص، اس کے اخلاق میں انحطاط کا سبب بن رہا ہو اور وہ بن سنور کر بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آوارہ پھرنے لگے تو اس وقت اس کو اس سے روک دینا چاہیے۔ (محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ)

بچے کا باپ پر کب تک حق ہوتا ہے؟

سوال کیا بیٹے کا باپ پر اس کو اپنے پاس ٹھہرانے اور رہائش دینے کا حق اس کی بلوغت یا شادی سے ختم ہو جاتا ہے؟

جواب بیٹے کا اپنے باپ پر، اس سے مستغنی و بے پرواہ ہونے سے، حق ختم

ہو جاتا ہے، یعنی جب بیٹا بڑا ہو جائے اور خود کمائی کر کے باپ کے کسب و کمائی سے بے پرواہ ہو جائے تو باپ کا اس پر مال خرچ کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے، لیکن جب تک وہ، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، باپ سے مستغنی نہیں ہوتا اور خود کمانے کے قابل نہیں ہو جاتا باپ کے ذمہ اس پر خرچ کرنے کا حق باقی رہے گا، حتی کہ وہ مستغنی ہو جائے، اس کا یہ حق قرابت داری کی وجہ سے ہے۔ (صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

بچوں کو تربیت کے لیے مار پٹائی کرنے کا حکم

سوال کیا مار پٹائی کو بچوں کی تربیت کا ذریعہ بنانا جائز ہے؟

جواب میں تو اس مار کٹائی کو نبی ﷺ کے اس فرمان کی موجودگی میں جائز نہیں سمجھتا:

«واضربوهم عليها وهم أبناء عشر»[1]

"جب وہ (بچے) دس سال کے ہو جائیں تو ان کو (ترک نماز پر) سزا دو۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ یقیناً اہم چیز جس پر بچے کی تربیت ہونا چاہیے وہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ جی ہاں! اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت پر اور خاص طور پر اسلام کے ارکان میں سے دوسرے رکن پر جو کہ نماز ہے۔

جب نبی ﷺ بچے کے والدین کو صرف اس کے دس سال کی عمر کو پہنچنے پر سزا دینے کی اجازت دیتے ہیں تو میرا اعتقاد یہ ہے کہ تربیت اسلامیہ کا اسلوب و طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ بچے کو دس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے مار پٹائی نہ کی جائے، اس حدیث کی وجہ سے جس کا ایک ٹکڑا ابھی میں نے ذکر کیا ہے۔

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [495]

اس مکمل حدیث کو تم جانتے ہی ہو جو یہ ہے:

«مروا أولادكم للصلاة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر، وفرقوا بينهم في المضاجع»[1]

''جب تمھارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو ادائیگی نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کو (ترک نماز پر) سزا دو اور ان کے بستر الگ کر دو۔''

بچہ نماز سے اعراض کرنے سے بڑی خطا و غلطی کا ارتکاب تو نہیں کر سکتا، مگر اس کے باوجود حدیث ہمیں حکم دیتی ہے کہ ہم اس سے لطف و نرمی کریں اور اس کو خیر و بھلائی کی نصیحت فرمائیں اور ہم صرف اس کے دس سال کی عمر کو پہنچنے پر ہی مار پٹائی کو عمل میں لائیں، میری تو یہی رائے ہے۔ واللہ اعلم

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

بیوی کا بچوں کو خادمہ کے سپرد کر کے نوکری پر چلے جانے کا حکم

سوال خادم عورتوں اور مردوں کا مسلمانوں کے گھر میں نوکری کرنے کا کیا حکم ہے، جبکہ ان میں سے بعض غیر مسلم بھی ہوں؟

جواب مسلمان مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کافر عورت کو گھر میں داخل کرے، کیونکہ یہ کافر خادمہ مسلمان عورت کی پردے والی باتوں سے آگاہ ہو جائے گی، پس مسلمان عورت کی پردے والی باتوں کا کافر عورت کے سامنے ظاہر ہونا کسی اجنبی مرد کے سامنے ظاہر ہونے کی طرح ہے، لہٰذا مسلمان عورت کے لیے کافر عورت کے سامنے، چاہے وہ خادمہ ہی کیوں نہ ہو، چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [495]

جب کافرہ عورت کا یہ حال ہے تو کافر مرد کو خادم رکھنا بالاولی جائز نہیں ہے، اسی طرح مسلمان مرد کو خادم رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اور جب زوجین کے لیے کسی خادمہ کا رکھنا ضروری ہو تو لازم ہے کہ وہ مسلمان عورت کو خادمہ رکھیں۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال مسلمان عورت کا اپنے بچے مسلمان مربیات اور خادمات کے پاس چھوڑ کر اپنے گھر سے باہر جا کر جائز کام (نوکری) کرنے کے متعلق شارع کا کیا حکم ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اصل اللہ عزوجل کا وہ فرمان ہے جس میں اس نے (بظاہر) نبی ﷺ کی بیویوں کو خطاب کرتے ہوئے امت کی عورتوں کو مخاطب کیا ہے:

﴿ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ﴾ [الأحزاب: 33]

"اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بلاشبہ مرد کے حق میں اصل لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا اور (کام کاج کے لیے) نکلنا ہے، اور عورت کے حق میں اصل گھر میں ٹھہرنا اور سوائے کسی ضروری کام کے گھر سے نہ نکلنا ہے۔"

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر حجاب و پردہ فرض کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قد أذن الله لكن أن تخرجن لحوائجكن»[1]

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم عورتوں کو ضروری کاموں کے لیے (گھر

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [146] صحيح مسلم، رقم الحديث [2170]

سے) نکلنے کی اجازت دی ہے۔"

پس جب عورت اپنی چادر سے پردہ کر کے بغیر خوشبو لگائے اپنے کسی ضروری کام کے لیے گھر سے نکلے تو اس کا اس انداز میں نکلنا جائز ہے، لیکن جب اس کے گھر سے نکلنے سے کسی ایسی چیز کا ارتکاب ہوتا ہو جس کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے یا گھر کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہو تو پھر مذکورہ نص قرآنی پر عمل کریں گے:

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾ [الأحزاب: 33]

"اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔"

لہٰذا عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بچوں کو خادماؤں کے سپرد کر کے گھر سے (نوکری وغیرہ کے لیے) نکلے، پس جہاں تک میں سمجھتا ہوں ماں کو اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت پر توجہ دینی چاہیے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا لیڈی ڈاکٹر، استانی اور نرس کا کام ان ضروریات شرعیہ میں سے ہے جو عورت کے لیے بچے خادماؤں کے سپرد کر کے ان کاموں پر روانہ ہونے کو جائز قرار دیتی ہوں؟

جواب جب بچیوں کی لازمی اور ضروری تعلیم کے لیے مناسب افراد موجود نہ ہوں تو اس ضروری حاجت کے لیے عورت کا گزشتہ سوال میں مذکورہ شرطوں کے ساتھ اپنے گھر سے نکلنا جائز ہے تاکہ وہ اپنے جیسی بچیوں کو تعلیم دے سکے۔ مذکورہ شرطوں کے ساتھ یہ شرط بھی ضروری ہے کہ عورت کے اس کام میں مردوں کے ساتھ اختلاط نہیں ہونا چاہیے۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

لباس اور زیب و زینت
کے متعلق فتوے
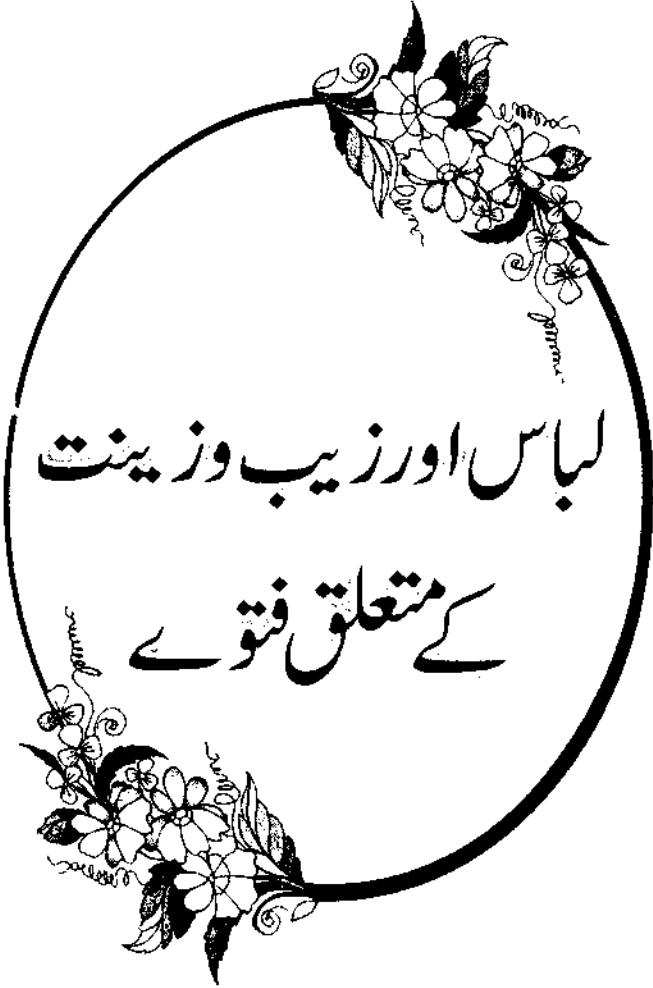
دلہن کے لیے مسنون لباس

سوال دلہن کے لیے مشروع لباس کونسا ہے اور اس کی شب زفاف میں کونسی چیز دکھائی دینی مشروع ہے؟ جب وہ اپنے محرم رشتے دار مردوں، اپنی ماں اور اپنی قریبی رشتہ دار عورتوں کے سامنے ہو تو کیا اس کے لیے ان کے سامنے اور ان کے علاوہ دیگر فاسق عورتوں کے سامنے خوبصورت لباس اور زیورات پہن کر، اور دوپٹہ اتار کر بال ننگے کر کے زینت کا اظہار کرنا جائز ہے یا عورت کی زیب و زینت دیکھنا صرف اس کے خاوند کا حق ہے؟

جواب عورت کے لیے اپنے زفاف (رخصتی) کے دن ایسی زیب و زینت کرنا جس میں اسراف وفضول خرچی نہ ہو، جائز ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«کل والبس وتصدق من غیر سرف ولا مخیلة» [1]

''بغیر فضول خرچی اور تکبر کے کھاؤ، پہنو اور صدقہ کرو۔''

لہٰذا مذکور مسئلہ میں قابل اعتبار بات یہ ہے کہ اس زیب و زینت میں اسراف وفضول خرچی نہ ہو، اور فضول خرچی کے بغیر سونے کے زیورات یا عمدہ لباس پہن کر زیب و زینت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، رہا یہ سوال کہ کیا وہ اپنے محرم رشتہ داروں اور عورتوں کے سامنے زینت کا اظہار کرسکتی ہے؟ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ یہ زینت خاوند کے لیے کی گئی ہو، اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے اور ایسی بھی کوئی نص نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ

[1] حسن۔ سنن النسائي، رقم الحدیث [2559]

عورت کی بعض زینت خاوند کے دیکھنے کی ہے اور بعض زینت دیگر محرم رشتہ دار دیکھ سکتے ہیں، اس فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اسی طرح نیک اور فاسق عورتوں کے لیے بھی اس کی زینت کو دیکھنا جائز ہے، حتی کہ اہل علم کے کئی اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق کافرہ عورت کو بھی اس کی زینت دیکھنا جائز ہے، اگرچہ جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ اگر عورت کافرہ ہو تو اس کے لیے مسلمان عورت کی زینت کو دیکھنا جائز نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل لیتے ہیں:

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ﴾ [النور: 31]

''اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں (کے لیے)۔''

پس صحیح بات یہ ہے کہ بلاشبہ کافرہ عورت کے لیے مسلم عورت کی زینت دیکھنا جائز ہے اس سے منع کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر کتابوں میں سے بہترین کتاب ہمارے بھائی مصطفیٰ العدوی کی کتاب ''جامع أحكام النساء'' ہے۔ یہ ایک راہنما کتاب ہے کہ مجھے اس جیسی کوئی اور کتاب معلوم نہیں ہے، جس نے اس مسئلہ پر اتنا عمدہ کلام کیا ہو۔ اس کتاب میں امام احمد رحمہ اللہ سے مذکورہ مسئلہ کے جواز اور منع پر دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، البتہ جواز ہی صحیح ہے، کیونکہ اس سے منع کی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

انھوں نے مسلمان عورتوں کو مشرک عورتوں کے ساتھ حمام میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا لیکن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ثابت نہیں ہے۔

(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

عورت کا اپنے بال کاٹ کر چھوٹے کرنا

سوال عورت کے اپنے کچھ بالوں کو کاٹنے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے بال کاٹنے پر حکم لگانے سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ اگر تو کوئی عورت کافر اور فاسق عورتوں کے ساتھ مشابہت کرتے ہوئے بال کاٹتی ہے تو اس نیت سے بال کاٹنا جائز نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ اپنے بالوں کو محض ہلکا کرنے کے لیے یا اپنے خاوند کی رغبت کے لیے بال کاٹتی ہے تو میں اس میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں دیکھتا ہوں صحیح مسلم میں روایت ہے:

«أن نساء النبي صلى الله عليه وسلم كن يأخذن من شعورهن حتى تكون كالوفرة»[1]

”بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اپنے بال کاٹتی تھیں حتی کہ وہ کانوں کے برابر ہو جاتے۔“ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

آبرو کے بال کاٹنے کا حکم

سوال عورت کے اپنے بال کاٹنے کا کیا حکم ہے؟ نیز عورت کے لیے آبرو کے بال کاٹنے کا کیا حکم ہے؟

جواب حنابلہ کے ہاں عورت کا اپنے بال کاٹنا مکروہ ہے اور اگر وہ کاٹنے کے بعد

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [320]

مردوں کے بالوں کے مشابہہ ہو جائیں تو یہ حرام ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لعن الله المتشبهات من النساء بالرجال»[1]

''عورتوں میں سے مردوں کی مشابہت کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔''

ایسے ہی اگر عورت ایسے اسٹائل (طریقے) سے بال کاٹتی ہے کہ وہ کافر عورتوں کے مشابہہ ہو جاتے ہیں تو یہ بھی حرام ہے، کیونکہ کافر اور فاجر عورتوں سے مشابہت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«من تشبه بقوم فهو منهم»[2]

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھی میں سے ہے۔''

اور اگر عورت مردوں اور کافر عورتوں کی مشابہت کی نیت کے بغیر بال کاٹے تو بلاشبہ علماء حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ کام مکروہ ہے۔

رہا عورت کا آبرو کے بال کاٹنا تو یہ حرام ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے "نامصہ" اور "متنمصہ" (بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والی) پر لعنت فرمائی ہے، اور ''نمص'' کا معنی ہے چہرے کے بال اکھاڑنا۔ ہاں عورت کے لیے ایک حالت میں بال اکھاڑنا اور صاف کرنا جائز ہے، وہ یہ کہ اگر اس کی مونچھیں یا داڑھی اگ پڑے تو ان کو صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5546]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4031]

بال اکھاڑے بغیر آبروؤں کو سنوارنے کا حکم

سوال خاوند کے لیے زینت کی غرض سے آبروؤں کے بالوں کو اکھاڑے بغیر مونڈھ کر سنوارنے کا کیا حکم ہے؟

جواب الحمدللہ، یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بلاشبہ آبروؤں کے بال اتارنا اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنے سے ہے، آپ ﷺ کے اس فرمان میں مذکورہ عمل سے سختی سے بچنے کو کہا گیا ہے:

«لعن الله النامصة و المتنمصة»[1]

''اللہ تعالیٰ نے بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔'' (بخاری مسلم)

اور مذکورہ عمل سے بچنا بالوں کے صاف کرنے کے وسیلے اور طریقے سے خاص نہیں کہ مونڈھنے اور اکھاڑنے میں فرق کیا جائے، پس مونڈھنے اور اکھاڑنے کا ایک ہی نتیجہ ہے اور وہ ہے: اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنا۔

لہٰذا اس سے واضح ہوا کہ بلاشبہ آبروؤں کو مونڈھنا اور اکھاڑنا یکساں گناہ ہے، لیکن جب آبروؤں کے بال اتنے لمبے ہو جائیں کہ آنکھوں کی تکلیف کا اور بدنما و بدشکل ہونے کا باعث بنیں تو ان کے زائد اور فالتو بال اکھاڑنے میں تو کوئی حرج دکھائی نہیں دیتا۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن سلیمان المنیع ﷾)

عورت کے لیے پتلون پہننے کا حکم

سوال پتلونیں پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب پتلون پہننے میں دو خرابیاں ہیں:

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4604] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4170]

۱۔ پہلی خرابی یہ ہے کہ پتلون اعضاءِ ستر کے حجم اور سائز کو ظاہر کرتی ہے، خاص طور پر جب پتلون پہننے والے نماز ادا کر رہے ہوں لہٰذا ایسا لباس جو ستر کے حجم کو ظاہر کرے مرد کو پہننا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ عورت یہ لباس پہنے؟

۲۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ پتلون کافروں کے لباس سے ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«بعثت بين يدي الساعة بالسيف حتى يعبد الله وحده لا شريك له، وجعل رزقي تحت ظل رمحي، وجعل الذل والصغار على من خالف أمري، ومن تشبه بقوم فهو منهم» ❶

''مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے (تاکہ میں اس سے لڑتا رہوں) حتی کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی جانے لگے، اور میرا رزق میرے نیزے کے نیچے رکھا گیا ہے اور جو شخص میرے حکم کی خلاف ورزی کرے اس پر ذلت و رسوائی (جزیہ وغیرہ) مسلط کی گئی ہے اور جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ ان ہی میں سے ہے۔''

اور صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ بلاشبہ ایک شخص (جس نے کافروں جیسا لباس پہنا ہوا تھا) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا:

«هذه من ثياب الكفار، فلا تلبسها» ❷

''یہ کافروں کے لباس سے ہے اس کو مت پہنو۔''

پس جو مسلمان پتلون پہنتا ہے اس کو ایک کام کرنا ہوگا، وہ یہ کہ پتلون

---

❶ صحیح. مسند أحمد [92/2]

❷ صحیح مسلم، رقم الحدیث [2077]

کے اوپر ایک لمبی سی قمیص پہن لے بالکل اسی طرح جیسے ہمارے پاکستانی اور ہندوستانی بھائی پہنتے ہیں۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا عورت کے لیے مردوں کی طرح پتلون پہننا جائز ہے؟

جواب عورت کے لیے تنگ اور چست لباس استعمال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے اس کے جسم کی حد بندی اور نشاندہی ہوتی ہے اور یہ فتنہ بھڑکانے کا ایک ذریعہ ہے، اکثر پتلون تنگ اور اعضاء بدن کے حجم اور سائز کو ظاہر کرتی ہے، نیز عورت کے پتلون پہننے سے اس کی مردوں سے مشابہت ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال ہماری عورتوں کے ہاں "موضۃ" (جدید فیشن) کا ظہور ہو رہا ہے، بعد اس کے کہ یہ مغربی معاشرے میں ظاہر ہوا، اور اس "موضۃ" (جدید فیشن) کا اطلاق تنگ پتلونوں کے پہننے پر بھی ہوتا ہے اور عورتیں اس کو قبول کر رہی ہیں اور اس کو خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے ایسا لباس پہننا جائز نہیں ہے جس سے مردوں یا کافر عورتوں کی مشابہت ہوتی ہو اور ایسے ہی عورت کے لیے ایسا تنگ لباس پہننا جائز نہیں ہے جو اس کے بدن کے نشیب و فراز کو نمایاں کرتا ہو اس سے فتنہ بھڑکتا ہو۔ پتلونوں میں مذکورہ تمام ممنوعات اور خرابیاں پائی جاتی ہیں لہٰذا عورت کے لیے پتلون پہننا جائز نہیں ہے۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

سوال عورت کے لیے پتلون پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب جب عورت پتلون کے اوپر کوئی ایسا لباس پہنے جو اس کو چھپا لے تو اس

میں مردوں سے مشابہت نہیں ہے، جب تک وہ پتلون کو کسی دوسرے ساتر (چھپانے والا) لباس کے نیچے پہنے، لیکن جب وہ پتلون کے اوپر کوئی ساتر (چھپانے والا) لباس نہ پہنے تو یہ مردوں سے مشابہت ہے، لہٰذا ایسی صورت میں عورت کا پتلون پہننا ممنوع ہے۔ (عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

اونچی ایڑی والا جوتا پہننے کا حکم

سوال اونچی ایڑی والا جوتا پہننے کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

جواب ہائی ہیل جوتا پہننا کم از کم مکروہ ہے، کیونکہ اس میں:

اولاً: فریب کاری اور دھوکا ہے، کیونکہ اس سے عورت لمبی دکھائی دیتی ہے، حالانکہ وہ لمبی ہوتی نہیں۔

ثانیاً: اس میں عورت کے گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

ثالثاً: اس میں صحت کے لیے ضرر اور نقصان ہے جیسا کہ ڈاکٹروں نے تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

سوال عورت کے لیے ہائی ہیل (اونچی ایڑی) والا جوتا پہننے اور ناخنوں پر نیل پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ نیز نیل پالش لگانا افضل اور بہتر ہے یا خضاب اور مہندی لگانا؟ نیز عورت کے لیے حیض کے دوران مہندی لگانے کا کیا حکم ہے؟

جواب ہائی ہیل (اونچی ایڑی) والا جوتا پہننا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ عورت کے گرنے کا پیش خیمہ ہے اور انسان شرعاً خطرات سے بچنے کا مأمور اور پابند ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا عمومی فرمان اس پر دلالت کرتا ہے:

﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ [البقرۃ: 195]

''اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف مت ڈالو۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ [النساء: 29]

''اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔''

جیسا کہ یہ اونچی ایڑی عورت کے قد و قامت اور اس کے سرین کو اصل حالت سے بڑا ظاہر کرتی ہے جس میں فریب کاری اور دھوکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسی زینت کا اظہار ہے جس کے اظہار سے ایک مومن عورت کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں منع کیا گیا ہے:

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ ﴾

[النور: 31]

''اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں (کے لیے)۔''

رہی نیل پالش تو یہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ وضو اور غسل میں پانی کو ناخنوں تک پہنچنے سے روکتی ہے۔

رہا عورت کا حیض کے دوران مہندی کا استعمال کرنا تو ہمیں اس کی ممانعت میں کوئی دلیل معلوم نہیں ہے، جس طرح طہر کی حالت میں مہندی لگانا ممنوع

نہیں ہے اسی طرح حیض کی حالت میں بھی ممنوع نہیں ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم. (سعودی فتویٰ کمیٹی)

عورت کے لیے تنگ اور سفید پوشاک پہننے کا حکم

سوال کیا عورت کے لیے تنگ لباس پہننا جائز ہے؟ اور کیا اس کے لیے سفید کپڑے پہننا جائز ہے؟

جواب عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اجنبیوں کے سامنے ظاہر ہو یا سڑکوں اور بازاروں میں اس حال میں نکلے کہ اس نے ایسا تنگ لباس پہنا ہو جس سے اس کے جسم کی حد بندی اور نشاندہی ہوتی ہو اور جو بھی اس عورت کو دیکھے اس کے سامنے اس کا جسم نمایاں ہو۔ اس لیے بھی تنگ لباس پہننا جائز نہیں کہ تنگ لباس عورت کو ننگی عورت کی طرح ظاہر کرتا ہے اور فتنہ کو بھڑکاتا اور بہت سے شر اور خرابی کا باعث بنتا ہے۔

عورت کے لیے سفید لباس پہننا جائز نہیں جبکہ سفید لباس اس کے ملک کے مردوں کی علامت اور پہچان ہو، کیونکہ ایسی صورت میں عورت کا سفید لباس پہننا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا ہوگا اور نبی کریم ﷺ نے مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

پاؤں میں پازیب پہننے کا حکم

سوال زینت کی خاطر پاؤں میں پازیب پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب عورت کے لیے پنڈلی میں زینت و جمال کی غرض سے پازیب پہننا جائز ہے، لیکن وہ اجنبیوں کے سامنے اسے اس طرح حرکت نہ دے کہ وہ ان

کے سامنے ظاہر ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ [النور: 31]

"اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔" (عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللہ)

ناخنوں کو لمبا کرنے اور ان پر نیل پالش لگانے کا حکم

سوال آبرو سے زائد بال اتارنے کا کیا حکم ہے؟ نیز ناخنوں کو لمبا کرنے اور ان پر نیل پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ واضح ہو کہ میں نیل پالش لگانے سے پہلے وضو کر لیتی ہوں اور چوبیس گھنٹے ناخنوں پر رکھنے کے بعد اتار دیتی ہوں؟

جواب آبروؤں کے بالوں کو کاٹنا اور ہلکا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

اور اہل علم نے صراحت کی ہے کہ بلاشبہ آبروؤں کے بال کاٹنے (حرام) نمص (بال اکھاڑنے) میں داخل ہے۔ اور ناخنوں کو لمبا کرنا خلاف سنت ہے، اور نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب، ونتف الإبط، وقلم الأظافر»[1]

"پانچ چیزیں فطرت ہیں: ختنہ کرنا، (زیر ناف بال صاف کرنے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5550] صحيح مسلم، رقم الحديث [257]

کے لیے) لوہا (استرہ وغیرہ) استعمال کرنا، مونچھیں کاٹنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا اور ناخن تراشنا۔"

اور چالیس دنوں سے زیادہ ناخنوں کو (بڑھتے ہوئے) چھوڑنا جائز نہیں ہے، کیونکہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

«وقت لنا رسول اللهﷺ في قص الشارب، وقلم الظفر ونتف الإبط، وحلق العانة أن لا نترك شيئا من ذلك أكثر من أربعين ليلة»[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے، ناخن تراشنے، بغلوں کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کا وقت مقرر کیا کہ ہم انھیں چالیس دنوں سے زیادہ نہ چھوڑیں۔"

نیز ناخن لمبے کرنا اس لیے بھی جائز نہیں ہے کہ ایسا کرنے میں درندوں اور بعض کافروں کی مشابہت ہے۔ رہی نیل پالش تو اس کو نہ لگانا ہی اولیٰ اور بہتر ہے اور وضو کرتے وقت اس کو اتارنا واجب ہے، کیونکہ یہ پانی کو ناخنوں تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

کیا چہرے اور آبرو کے بال اکھاڑنے والی (بال اکھاڑتے وقت) اپنا چہرہ ڈھانپے؟

سوال جب عورت اپنے چہرے کے بال اتارے اور اپنی آبرو کے بال اکھاڑے کیا اس پر اس وقت اپنا چہرہ ڈھانپنا واجب ہے؟

جواب ہاں، اس حالت میں اس کے لیے اپنا چہرہ ڈھانپنا واجب ہے اور بال

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [258]

اکھاڑنے کی حرمت اور چہرے کو ڈھانپنے میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ سلباً ایجاباً مربوط ہے۔

پس جب ہم کہیں کہ اس پر مطلق (چہرے کے) بال اکھاڑنا حرام ہے تو اس پر چہرے کو چھپانا واجب ہے۔ اور جب ہم کہیں کہ اس کے لیے معمولی سے بال اکھاڑنا جائز ہے تو اس کے لیے چہرے کو نہ ڈھانپنا بھی جائز ہے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کا فرمان: «لعن اللّٰه النامصة و المتنمصة...»[1]

''اللہ تعالیٰ نے نامصہ اور متنمصہ پر لعنت فرمائی ہے...''

اس فرمان کے آخر پر بال اکھاڑنے کی علت کا بیان: ''المغیرات لخلق اللّٰه للحسن'' حسن بڑھانے کی خاطر اللہ کی خلقت کو بدلنے والیاں (ان پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے)

پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلاشبہ بال کم یا زیادہ اکھاڑنا لعنت کا سبب نہیں بلکہ لعنت کا سبب اللہ کی خلقت کو بدلنا ہے، لہٰذا جب عورت اپنی آبروؤں سے کچھ بال اتارے گی تو اس پر لعنت پڑ جائے گی، کیونکہ اس کے فعل کے ساتھ لعنت کی علت و سبب ملا ہوا ہے۔

بعض اہل علم بال اکھاڑنے کی حرمت کو صرف آبروؤں کے بال اکھاڑنے کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور بعض چہرے کے بال اکھاڑنے کے ساتھ خاص کرتے ہیں، لیکن درست بات یہ ہے کہ حدیث کے مطلق ہونے پر عمل کرتے ہوئے (آبرو اور چہرے) دونوں کے بال اکھاڑنا حرام ہے۔

پس عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کے کوئی بال اکھاڑے چہ جائیکہ مرد کے لیے جائز ہو (کہ وہ داڑھی مونڈے) سوائے ان

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4604] صحيح مسلم، رقم الحديث [4170]

بالوں کے جن کے اکھاڑنے کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے، کیونکہ بال اکھاڑنے میں وہ علت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے عمومی نص "المغیرات لخلق اللّٰہ ..." میں منع کیا گیا ہے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ مثلاً ایک عورت کے بازوؤں پر بال ہیں اور اس کا خاوند ان کو ناپسند کرتا ہے تو کیا اس عورت کے لیے اپنے بازوؤں سے بال اتارنا جائز ہے؟

جواب بلاشبہ یہ اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنا ہے، جب اللہ عزوجل نے اس کو کثیر بالوں والی پیدا کیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی خلقت پر راضی ہو کر اس کو بدلنے کی کوشش نہ کرے سوائے اس کے جس کی اللہ نے اجازت دے رکھی ہے، جیسے بغلوں وغیرہ کے بال اکھاڑنا۔

یقیناً آج کے دور میں عورتیں اس آزمائش میں مبتلا ہیں کہ وہ مستعار بال یعنی وگ لگاتی ہیں، بعض علماء کا کہنا ہے کہ بلاشبہ یہ جائز ہے کیونکہ عورت اپنے خاوند کے لیے تزیین و آرائش کرنے کا قصد و ارادہ کرتے ہوئے یہ بال لگاتی ہے، لیکن ابھی جونسی حدیث: "لعن اللّٰہ النامصة..." کا ذکر ہوا ہے اس کی بعض سندوں سے یہ الفاظ بھی ثابت ہیں:

«لعن الواصلة و المستوصلة»[1]

"بال جوڑنے (وگ وغیرہ لگانے) والیوں اور جڑوانے والیوں پر لعنت ہے۔"

نیز صحیح حدیث میں مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنی بیٹی کا ذکر کیا کہ ایک آدمی نے اس سے شادی کی ہے، پس اس کے بال گر گئے ہیں تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے باقی ماندہ بالوں کے ساتھ اضافی

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2124]

بال جوڑ لے؟ فرمایا:

«لعن الواصلة والمستوصلة»❶

''بال جوڑنے (وگ وغیرہ لگانے) والیوں اور جڑوانے والیوں پر لعنت ہے۔''

جس روایت میں ''نمص'' اور ''تفلج'' کے دانتوں کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر ہے تو گزارش یہ ہے کہ یہ تخصیص کے باب اور قبیل سے نہیں ہے، بلکہ نص عام کے بعض افراد کے ذکر کی قبیل سے ہے، پس نص کا عام ہونا اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے اور وہ علت یہ ہے:

«المغيرات لخلق الله للحسن»

''حسن بڑھانے کی خاطر اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنے والیاں (یعنی اس غرض سے بال اکھاڑنے والیوں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے)۔''

حدیث کے اس آخری جملہ سے ہمیں دو اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کی خلقت میں تبدیل کرنے والے پر جو لعنت برستی ہے وہ ایسی تبدیلی ہے جو حسن کو بڑھانے کی غرض سے کی جائے، مگر جب یہ تبدیلی دفع ضرر کے لیے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بلاشبہ آپ ﷺ کا یہ قول: «المغيرات لخلق الله» اللہ کی خلقت میں ہر قسم کی تبدیلی کرنے کو شامل ہے، کیونکہ علت عام ہے جو ہر قسم کی تبدیلیوں کو شامل ہے۔

نیز اس حقیقت سے بھی آگاہ رہنا چاہیے کہ بال اکھاڑنے کی حرمت کا مذکورہ حکم عورتوں اور مردوں کے لیے عام ہے، پس بعض مردوں کے (جبڑوں

---

❶ صحیح مسلم، رقم الحدیث [2124]

کے ساتھ ساتھ) رخساروں پر بھی (داڑھی کے) بال اگ پڑتے ہیں تو وہ ان بالوں کو مونڈ دیتے ہیں، یہ لوگ بھی اس مذکورہ حدیث کی وعید میں داخل وشامل ہیں۔

پس یہ سب اللہ کی خلقت ہے اور اللہ کی خلقت خوبصورت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو اپنا تہبند نیچے (قدموں) تک لٹکائے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو کہا:«ارفع من إزارك» ''اپنا تہبند اونچا کرو (یعنی ٹخنوں سے اونچا رکھو)۔''

اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! بے شک میں باریک قدموں والا ہوں (اسی لیے تہبند کو پاؤں تک لٹکائے ہوئے ہوں) آپ ﷺ نے اس کو کہا: «كل خلق الله حسن»[1] ''اللہ تعالیٰ کی ہر خلقت خوبصورت ہے۔''

جسم کے بال اتارنے کا حکم

سوال ہاتھوں اور ٹانگوں پر آنے والے بالوں کو اتارنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر بال بہت زیادہ ہوں تو ان کو اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ بھدے اور بدنما ہیں۔ اور اگر بال معمول کے مطابق ہوں تو بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ان کو بھی نہ اتارا جائے کیونکہ ان کو اتارنا اللہ عزوجل کی خلقت تبدیل کرنا ہے، اور ان میں سے کچھ اہل علم کا کہنا ہے: بلاشبہ ان کو اتارنا جائز ہے، کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«ما سكت الله عنه فهو عفو»[2]

''جس چیز (کی حلت وحرمت بیان کرنے) سے اللہ نے خاموشی

---

[1] صحیح. مسند أحمد [390/4]

[2] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [3800]

اختیار کی ہو تو اس میں عفو اور درگزر ہے۔"

یعنی نہ وہ چیز تم پر لازم ہے اور نہ ہی تم پر حرام ہے۔ ان علماء نے کہا ہے:

بلاشبہ بال تین قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ پہلی قسم: وہ بال جن کو اتارنے کی حرمت پر شرعی نص موجود ہو۔

۲۔ دوسری قسم: وہ بال جن کو اتارنے کی حلت پر شرعی نص موجود ہو۔

۳۔ تیسری قسم: وہ بال جن سے شریعت نے خاموشی اختیار کی ہو۔

تو جن بالوں کو اتارنے کی حرمت پر شریعت کی کوئی نص موجود ہو ان کو نہ اتارا جائے، جیسے آدمی کی داڑھی اور مرد و عورت کے لیے آبرو کے بال اکھاڑنا۔ اور جن بالوں کو اتارنے کے حکم پر شرعی نص موجود ہو ان کو اتارا جائے، مثلاً بغلوں کے بال، زیر ناف بال اور مرد کی مونچھیں۔

اور جن بالوں سے شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے، ان میں عفو و درگزر ہے، کیونکہ اگر وہ بال ایسے ہوتے کہ جن کی موجودگی کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے تو ان کو اتارنے کا حکم دے دیتے، اور اگر وہ بال ایسے ہوتے کہ اللہ تعالیٰ ان کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو باقی رکھنے کا حکم صادر فرماتے، پس جب اللہ نے ان سے خاموشی اختیار کی ہے تو یہ معاملہ انسان کے اختیار پر موقوف ہے، وہ چاہے تو ان کو اتار لے اور چاہے تو ان کو چھوڑ دے۔ واللہ اعلم

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال میں ایک نوجوان لڑکی ہوں، مجھے ایک ایسا مرض لاحق ہے جس سے میرے جسم کے بال بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ میری آبروؤں کے بال بہت زیادہ گھنے ہیں، اور صورت حال یہ ہے کہ وہ عورتوں کے طبعی اور معمول کے بال سے کہیں زیادہ ہیں۔ تو کیا ان میں

سے کچھ بال اتارنا جائز ہے کیونکہ یہ میرے چہرے کی خوبصورتی پر اثر انداز ہوتے ہیں؟ اور اگر میرے لیے یہ بال اتارنا جائز ہے تو کیا میں سارے بال اتار سکتی ہو یا ایک معین حد تک؟ اور اس کی حد اور مقدار کتنی ہے؟ اور کیا میرے لیے ان کو قینچی سے کاٹ کر چھوٹا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب الحمد للہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے:

«إن الله لعن الواشمة و المستوشمة، والواصلة والمستوصلة، والنامصة والمتنمصة»[1]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے گودنے اور گدوانے والیوں پر، بال جوڑنے اور جڑوانے والیوں پر، اور بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' (بخاری ومسلم)

اور ''نامصہ'' وہ عورت ہے جو اپنی آبروؤں کے بال اکھاڑتی ہے، لیکن اگر معاملہ اس طرح کا ہو جیسا کہ سائلہ نے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ اس کی آبروؤں کے بال گھنے ہیں اور عورتوں کی آبروؤں میں معمول کے بالوں سے زیادہ ہیں تو ان بالوں کو چھوٹا کرنے میں مجھے کوئی مانع اور رکاوٹ دکھائی نہیں دیتی ہے۔

البتہ ان کو اکھاڑنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کو اکھاڑنا ''نمص'' کے حکم میں ہے اور یقیناً ''نامصہ'' پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور ''نامصہ'' وہ ہے جو اپنی آبروؤں کے بال اکھاڑتی ہے اور ''متنمصة'' وہ ہے جو آبروؤں کے بال اکھڑواتی ہے۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن سلیمان المنیع حفظہ اللہ)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4604] صحيح مسلم، رقم الحديث [4170]

کیا عورت کے لیے ضرورتاً وگ استعمال کرنا جائز ہے؟

سوال کیا عورت کے لیے وگ استعمال کرنا جائز ہے تا کہ وہ اپنے خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کرے؟ اور کیا وگ لگانا نہی میں داخل ہے؟

جواب وگ لگانا حرام ہے اور یہ ''وصل'' (اضافی بال جوڑنے کی حرمت) کے حکم میں داخل ہے اور اگر یہ وصل نہ بھی ہو پھر بھی یہ عورت کے سر کو اس کی اصل حیثیت سے زیادہ بڑا ظاہر کرتا ہے، لہٰذا یہ وصل کے مشابہ ہو جاتا ہے اور بلاشبہ نبی ﷺ نے بالوں کو جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

لیکن اگر عورت کے سر پر سرے سے کوئی بال ہی نہ ہو مثلاً وہ گنجی ہو تو اس عیب کو چھپانے کی غرض سے وگ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ عیبوں کا ازالہ جائز ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے اس شخص کو، کہ جس کی ناک ایک جنگ میں کٹ گئی تھی، سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی تھی۔

اس مسئلہ میں بہت وسعت ہے، لہٰذا اس میں خوبصورت بننے کے مسائل کی اجازت اور عیبوں کو زائل کرنے، جیسے بڑی ناک کو چھوٹا کرنے وغیرہ، کی اجازت داخل ہے۔

خوبصورت بننا عیبوں کو زائل کرنے کے حکم میں نہیں ہے، اگر خوبصورت بننا عیب کے زائل کرنے کے ساتھ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً آدمی کی ناک ٹیڑھی ہو تو اس کو سیدھا کرنا یا مثلاً کالے تل کو صاف کرنا تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب خوبصورت بننا عیب کے ازالہ کے بغیر ہو، مثلاً ''وشم'' (گدوانا) اور ''نمص'' (بال اکھاڑنا) تو یہ ممنوع ہے۔

اور وگ کا استعمال کرنا چاہے خاوند کی اجازت اور خوشنودی سے ہی کیوں

نہ ہو حرام ہے، کیونکہ جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہو بلاشبہ کسی کی اجازت اور رضا اس کو حلال نہیں کر دیتی ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

دبلہ (منگنی وغیرہ کی انگوٹھی) پہننے کا حکم

سوال اس انگوٹھی کے پہننے کا کیا حکم ہے جس کو ''دبلہ'' کہتے ہیں اور جسے منگنی کرنے والا دائیں ہاتھ میں اور شادی کرنے والا بائیں ہاتھ میں پہنا کرتا ہے؟ واضح ہو کہ یہ دبلہ سونے کی نہیں ہے۔

جواب ہمیں اس عمل کی شریعت میں کوئی اصل اور دلیل معلوم نہیں ہے، لہٰذا اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ اس کو نہ پہنا جائے، خواہ یہ دبلہ اور انگوٹھی چاندی کی ہو یا کسی اور دھات کی، لیکن جب یہ سونے کی ہو تو مرد پر حرام ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔
(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

الکحل سے ملے عطر استعمال کرنے کا حکم

سوال الکحل ملے عطر استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب الکحل کے عطریات نجس نہیں ہیں، لیکن وہ بعض اوقات حرام ہوتے ہیں، اور وہ حرام تب ہوتے ہیں جب ان میں الکحل شامل ہو کر ان کو مسکر بنا دے تو جب یہ مسکر اور نشہ آور ہو جاتے ہیں تو یہ ان احادیث کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں جو احادیث نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت اور ان کو بنانے سے منع کرتی ہیں۔

تب تو مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان عطریات کو خریدے اور

ان کو بطور خوشبو کے استعمال کرے، کیونکہ ان عطریات کا کسی بھی انداز میں استعمال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عموم میں داخل ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدة: 2]

''اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

اور آپ ﷺ کے اس فرمان میں داخل ہے:

«لعن الله في الخمر عشرة، شاربها وساقيها ومستقيها وحاملها والمحمولة إليه وبائعها ومشتريها...» [1]

''اللہ تعالیٰ نے شراب کی وجہ سے دس قسم کے آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے، اس کو پینے والے، پلانے والے، پینے کے لیے مانگنے والے، اٹھانے والے، جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے، اس کو بیچنے والے اور خریدنے والے (سب پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے)...''

اسی لیے ہم ان الکحلی عطریات کی تجارت سے دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں، خصوصاً جب ان پر لکھا ہو کہ ان میں (60% یا 70%) الکحل شامل ہے، پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو بطور نشہ آور مشروب کے استعمال کرنا ممکن ہے۔

اور شریعت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس کا نام رکھا جاتا ہے ''سد الذریعہ'' (راستہ اور ذریعہ بند کرنا) پس شارع حکیم کا نشہ آور چیز تھوڑی مقدار میں استعمال کرنے کو حرام قرار دینا اسی دروازے اور قسم سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ما أسكر كثيره، فقليله حرام» [2]

---

[1] حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [1295]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [3681]

''جس چیز کی زیادہ مقدار استعمال کرنے سے نشہ ہوتا ہو اس کی قلیل مقدار استعمال کرنا حرام ہے۔''

پس خلاصہ کلام یہ ہے: بلاشبہ الکحل عطریات کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، جبکہ ان میں الکحل بہت زیادہ مقدار میں شامل ہو۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال الکلائن کو بطور خوشبو استعمال کرنے کے متعلق بہت بحث ہوتی ہے، کیا الکلائن لگانے والے مسلمان کو دوبارہ وضو کرنا ہوگا، یا وہ جسم کا صرف وہی حصہ دھولے جس پر یہ لگی ہوئی ہو؟

جواب معروف خوشبو الکلائن جو اسپرٹ کی ملاوٹ سے خالی نہیں ہوتی اور ڈاکٹروں کے بتانے کے مطابق اسپرٹ ایک نشہ آور مواد ہے، لہٰذا اس کے استعمال کو ترک کرنا اور اس کی بجائے ایسی خوشبوئیں استعمال کرنا، جو نشہ آور مواد سے خالی ہوں، واجب ہے۔ رہا مذکورہ الکلائن خوشبو لگانے سے وضو کرنا تو یہ واجب اور ضروری نہیں ہے اور نہ ہی جسم کے اس حصے کو دھونا ہی واجب ہے جس پر الکلائن لگ جائے کیونکہ اس کے نجس ہونے کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

سوال الکحل ملی خوشبوؤں کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر یہ نشہ آور نہ ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ نشہ آور خوشبوؤں کی مخصوص قسمیں ہیں اور الکحل محلول نشہ آور نہیں ہوتا، جیسے ''قشر البرتقال'' (مالٹے کا چھلکا) اس خوشبو میں الکحل تو ہے مگر یہ نشہ آور نہیں۔ (عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

سوال ایسا باڈی اسپرے اور عطر استعمال کرنے کا کیا حکم ہے جس میں الکحل شامل ہو؟

جواب الحمد للہ، مجھے تو اس کے استعمال کا کوئی مانع معلوم نہیں، اگرچہ اس میں کچھ الکحل بھی شامل ہو، مجھے تو یہی درست لگتا ہے کہ الکحل نجس نہیں ہے۔ اس کو صرف مشروب کے طور پر استعمال کرنا حرام ہے، کیونکہ وہ منشیات میں سے ہے، مگر اس کے نشہ آور مشروب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نجس بھی ہو۔ اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض اس کی نجاست کے قائل ہیں اور بعض اس کی طہارت کے، مگر اس کی طہارت کے قائل اہل علم اس کے نشہ آور ہونے کی وجہ سے اس کو پینے کی حرمت کے ہی قائل ہیں۔ اور مذکورہ اہل علم کے دو گروہوں میں سے ہر گروہ اپنے موقف کی توجیہ بیان کرتا ہے۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن سلیمان المنیع ﷾)

اَنگیا (Brassiere) پہننے کا حکم

سوال عورت کے لیے پستانوں پر انگیا (Brassiere) پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب ہماری بعض عورتوں نے یہ عادت بنائی ہے کہ وہ اپنے پستانوں پر اَنگیا پہن کر یا کپڑا باندھ کر ان کو بڑا اور ابھرا ہوا ظاہر کرتی ہے تاکہ وہ اس بات کا وہم ڈالے کہ وہ جوان اور کنواری ہے یا وہ اس قسم کا کوئی اور مقصد پورا کرتی ہیں، پس ایسے مقصد اور ارادے کے ساتھ پستانوں کو ابھارنا دھوکا ہے، جو حرام ہے، اگر تو ضرر و تکلیف وغیرہ کے ازالہ کے لیے ایسا کیا جائے تو یہ بس بقدر حاجت و ضرورت جائز ہے۔ واللہ اعلم

ایسے لباس پہننے کا حکم جو ایسے چمڑوں سے بنے ہوں جن کی حلت مشتبہ ہو

سوال حال ہی میں کھال سے بنے ہوئے کوٹوں کے متعلق ہم میں گرما گرم بحث چھڑ گئی، بعض بھائیوں کا خیال ہے کہ عموماً یہ کوٹ خنزیروں کے چمڑوں سے بنائے جاتے ہیں اور اگر حقیقت یہی ہے تو یہ کوٹ پہننے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا شریعت کی رو سے یہ ہمارے لیے جائز ہے؟ واضح ہو کہ بعض دینی کتب نے جیسے "الحلال والحرام" یوسف القرضاوی کی اور "الفقه علی المذاهب الأربعة" اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ مگر ان دونوں کتابوں کے اشارے اس مشکل اور پیچیدہ مسئلہ پر سرسری تھے، انھوں نے اس مسئلہ کی کامل و مکمل وضاحت نہیں کی اور یہ پیچیدہ مسئلہ ابھی بھی ہمارے پاس بغیر حل ہوئے باقی ہے۔

کیا آپ ہمیں اس مسئلہ کے جواب سے نوازیں گے، چاہے اسپیشل خط لکھ کر یا اپنے با اثر مجلّہ میں مضمون شائع کر کے، خصوصاً یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ ایک نیا پیش آمدہ مسئلہ ہے اور دور حاضر میں مغربی ممالک میں آباد اسلامی دنیا کے اندر پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ شمار کیا جاتا ہے۔

جواب نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إذا دبغ الإهاب فقد طهر» [1]

''جب چمڑے کو دباغت دے لی جاتی ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [366]

«دباغ جلود المیتة طهورها» [1]

''مردار کے چمڑے کو دباغت دینا اس کو پاک کرنا ہے۔''

اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حدیث تمام چمڑوں کو شامل ہے یا اس مردار کے چمڑے سے خاص ہے جو ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے؟

اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ایسے مردار جانور جو ذبح سے حلال ہوتے ہیں، جیسے اونٹ، گائے اور بکری جب ان کے چمڑوں کو دباغت دے لی جائے تو وہ پاک ہوجاتے ہیں اور اہل علم کے متعدد اقوال میں سے اصح قول کے مطابق ہر چیز میں ان کا استعمال جائز ہے۔

رہا خنزیر، کتا اور اس جیسے دیگر جانور جو ذبح سے حلال نہیں ہوتے ان کے چمڑے کی دباغت کے ذریعہ پاکی میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔

اور زیادہ احتیاط اسی میں ہی ہے کہ ان کا استعمال ترک کر دیا جائے، نبی ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے:

«من اتقی الشبهات فقد استبرأ لدینه وعرضه...» [2]

''جو شخص شبہات سے بچا، پس یقیناً اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا...''

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«دع ما یریبك إلی ما لا یریبك» [3]

''جو چیز تجھے شک و شبہ میں مبتلا کرے اس کو چھوڑ دو، اور جو چیز شک و شبہ سے بالا ہو اس کو اختیار کر لو۔''

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

---

[1] صحیح. سنن الدارقطني [48/1]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [52] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1599]

[3] صحیح. سنن الترمذي، رقم الحدیث [2518]

عورت کے لیے اپنے بالوں کو رنگنے (ڈائی کرنے) کا حکم

سوال عورت کا اپنے بالوں کو کالے رنگ کے علاوہ براؤن اور بھورے رنگ سے ڈائی کرنے (رنگنے) کا کیا حکم ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اصل تو جواز ہی ہے، الا یہ کہ ایسے انداز میں بالوں کو رنگا جائے جو کافرہ، زانیہ اور فاجرہ عورتوں کے سروں کے مشابہ ہو جائے، پس بلاشبہ ایسی مشابہت حرام ہے۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بال رنگ برنگے کرنے کا حکم

سوال ایک بہن سوال کرتی ہے کہ کیا ''میش'' (بالوں کو رنگ برنگا کرنا) جائز ہے؟

جواب الحمد للہ، یہ بات مخفی نہیں کہ بلاشبہ وضو کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے: (جسم اور بالوں سے) ہر اس چیز کا ازالہ کرنا جو پانی کو جلد تک پہنچنے سے روکے، پس اگر مذکورہ ''میش'' میں ایسا مواد ہو جو بالوں پر اس طرح کا غلاف بن جائے کہ غسل کرتے ہوئے یا وضو میں سر پر مسح کرتے ہوئے پانی جلد تک نہ پہنچ سکے تو یہ ''میش'' جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ طہارت کے مکمل ہونے میں رکاوٹ ہے، اس ''میش'' کا حکم وہی ہے جو ناخنوں پر نیل پالش لگانے کا حکم ہے۔ اور اگر ''میش'' بالوں پر غلاف اور رکاوٹ نہ بنتا ہو، بلکہ وہ مہندی کی طرح صرف بالوں کو ڈائی (رنگ) کرتا ہو تو اس کے جائز ہونے اور وضو کے صحیح ہونے میں کسی حرج کی کوئی دلیل مجھے معلوم نہیں ہے۔ واللہ المستعان (عبداللہ بن سلیمان المنیع حفظہ اللہ)

سوال بالوں کو سرخ، زرد، سفید اور سنہرا کسی بھی رنگ سے مکمل طور پر رنگنے کا کیا حکم ہے؟ اور بالوں کو ''میش'' یعنی رنگ برنگے کرنے کا کیا حکم ہے؟ میش

وہ ''موضہ'' (چمک دمک اور رونق و جمال) ہے جو مغربی معاشرے سے در آمد ہوا اور ہماری عورتوں نے اس کو قبول کر لیا۔ اس کے ذریعہ بالوں کو ڈائی کرنے کا یہ انداز ہوتا ہے کہ بالوں کی متفرق لٹوں کو بالوں کے اصل رنگ کے مخالف، سفید، سرخ یا سنہری رنگ سے رنگا جاتا ہے حتی کہ بال رنگ برنگے ہو جاتے ہیں، یعنی کچھ بال اصل اور طبعی رنگ کے اور کچھ بال مختلف رنگوں سے رنگے ہوئے۔

جواب بالوں کو رنگنے میں درج ذیل طریقے سے تفصیل ہے:

بالوں کی سفیدی کو کالے رنگ کے علاوہ مہندی، وسمہ (رنگنے کی ایک جڑی بوٹی) کتم (کالا سرخی مائل رنگ پیدا کرنے والا ایک پودا) اور زرد رنگ سے ڈائی کرنا مستحب ہے، رہا بالوں کو کالے رنگ سے ڈائی کرنا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«غیروا هذا الشيب و جنبوه السواد»[1]

''اس سفیدی کو بدلو (یعنی سفید بالوں کو رنگو) اور اس کو کالے رنگ (کے ساتھ رنگنے) سے دور رکھو۔''

اور یہ حکم مردوں اور عورتوں کے لیے عام ہے۔ رہے وہ بال جو سفید نہ ہوں تو ان کو اپنی اصل وضع اور خلقت پر باقی رکھتے ہوئے رنگا نہ جائے الا یہ کہ جب بالوں کا طبعی رنگ بدنما ہو تو ان کو کسی ایسے مناسب رنگ سے ڈائی کر لیا جائے جس سے ان کی بدنمائی ختم ہو جائے۔ لیکن وہ طبعی بال جن میں کسی قسم کی کوئی بدنمائی نہ ہو سو ان کو اپنی طبعی حالت پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ ان کو ڈائی اور رنگ کرنے کا کوئی محرک اور سبب نہیں ہے۔

---

[1] صحیح. مسند أحمد [338/3]

اور جب بالوں کو ایسی ہیئت اور شکل میں رنگا جائے جس سے کافر عورتوں کی مشابہت اور بیرونی ممالک سے درآمد شدہ رواجوں کی اتباع ہو تو بلاشبہ یہ حرام ہے، خواہ ان تمام کو ایک ہی رنگ سے رنگا جائے یا مختلف رنگوں کے ساتھ جس کو "تمبیش" (مختلف رنگوں سے بال رنگ برنگے کرنا) کہا جاتا ہے۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

چہرے پر کاسمیٹک (سنگھار کا سامان سرخی، پوڈر اور کریم وغیرہ) لگانے کا حکم

سوال عورت جو اپنے چہرے پر رنگ و روغن، جیسے لپ اسٹک اور پیشانی پر لگائے جانے والے ٹکے، لگاتی ہے ان کا کیا حکم ہے؟

جواب جب یہ مذکورہ اشیاء پانی کو جلد تک پہنچنے سے نہ روکیں اور عورت اپنے خاوند کے لیے یا اپنی بہنوں کے پاس زیب و زینت کرے تو مجھے اس کا کوئی مانع معلوم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾

[الزخرف: 18]

"اور کیا (اس نے اسے رحمان کی اولاد قرار دیا ہے) جس کی پرورش زیور میں کی جاتی ہے اور وہ جھگڑے میں بات واضح کرنے والی نہیں؟"

اور شاعر کہتا ہے:

وما الحلی إلا زينة من نقيصة
يتمم من حسن إذا الحسن قصرا
وأما إذا كان الجمال موفرا
كحسنك لم يحتج إلى أن يزورا

''زیور تو صرف زیب و زینت دے کر (حسن کے) نقص کو دور کرتا ہے اور ناقص حسن کو پورا کرتا ہے لیکن جب تیرے حسن کی طرح جمال و خوبصورتی روشن اور چمکدار ہو تو اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔''

اور میں امید کرتا ہوں کہ مذکورہ بناؤ سنگھار اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنے کے زمرے میں نہیں آتا ہے، بلکہ وہ مباح اور جائز زیب و زینت ہے۔ واللہ المستعان۔
(مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

عورت کے لیے میک اپ (بناؤ سنگھار استعمال) کرنے کا حکم

سوال کیا عورت کے لیے اپنے خاوند کی خاطر مصنوعی بناؤ سنگھار کرنا جائز ہے اور کیا اس سج دھج کے ساتھ اپنے گھر والوں اور مسلمان عورتوں کے سامنے آنا جائز ہے؟

جواب شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کرنا ان امور میں سے ہے جنھیں عورت کو اختیار کرنا چاہیے، کیونکہ جب بھی عورت اپنے خاوند کے لیے زیب و زینت کرے گی تو اس سے خاوند کے دل میں اس کی اور زیادہ محبت پیدا ہوگی اور ان کے درمیان الفت اور پیار بڑھ جائے گا اور یہی شارع کا مقصود ہے۔

لہٰذا جب بناؤ سنگھار سے عورت کا حسن دوبالا ہوتا ہو اور اس سے عورت کو کوئی ضرر و نقصان نہ پہنچتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ بلاشبہ میک اپ کا سامان چہرے کی جلد کے لیے ضرر رساں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بڑھاپے کی تبدیلی سے قبل ہی چہرے کی جلد میں بدنما

تبدیلی آجاتی ہے، اس لیے میں یہ چاہوں گا کہ عورتیں اس معاملہ میں ڈاکٹروں سے مشورہ کر لیں اور جب اطباء کی مشاورت سے میک اپ کا مذکورہ نقصان ثابت ہو جائے تو میک اپ کا استعمال یا تو حرام ٹھہرے گا یا کم از کم مکروہ، کیونکہ ہر وہ چیز جو انسان کو بدنما اور بدشکل بناتی ہے وہ یا تو حرام ہوتی ہے یا مکروہ۔

اس مناسبت سے میں چاہتا ہوں کی نیل پالش کے متعلق بھی کچھ عرض کر دوں۔ یہ نیل پالش وہی ہے جس کو عورت ناخنوں پر لگاتی ہے اور اس سے ناخنوں پر ایک چھلکا نما تہہ بن جاتی ہے تو نماز ادا کرنے والی عورت کے لیے نیل پالش لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ پانی کو ناخنوں تک پہنچنے سے روکتی ہے، لہٰذا وضو اور غسل کرنے والے کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ ﴾ [المائدة: 6]

''تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔''

اور یہ عورت جب اس کے ناخنوں پر نیل پالش لگی ہوگی اور پانی کو ناخنوں تک پہنچنے سے روکے گی تو اس عورت پر اپنے ہاتھوں کو دھونا صادق نہیں آئے گا اور وہ وضو اور غسل کے فرائض میں سے ایک فرض کو چھوڑنے والی ہوگی، لیکن وہ عورت جو نماز ادا کرنے والی نہیں ہے (حائضہ یا نفساء) اس کے لیے نیل پالش استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، الا یہ کہ یہ فعل کافرہ عورتوں کی خصوصیات میں سے ہو تو پھر یہ ان کی مشابہت کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔

اور یقیناً میں نے سنا ہے کہ لوگوں میں سے کسی نے فتویٰ دیا ہے کہ نیل پالش لگانا، موزے پہننے کی جنس وقبیل سے ہے، لہٰذا عورت کے لیے جب وہ گھر پر ہو تو ایک دن اور ایک رات اور جب وہ سفر پر ہو تو تین دن اور تین راتیں نیل پالش لگائے رکھنا جائز ہے، لیکن یہ فتویٰ غلط ہے، اور ہر وہ چیز، جس سے لوگ

اپنے جسموں کو ڈھانپا کرتے ہیں، موزوں کے حکم میں نہیں ہے۔ شریعت نے ضرورت و حاجت کے پیش نظر موزوں کے مسح کی اجازت دی ہے۔ بلاشبہ قدم کو زمین اور کنکریوں پر چلنے اور سردی وغیرہ کے عوارض کی وجہ سے گرمائش اور پردہ پوشی کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا شارع نے ان کے ساتھ مسح کو خاص کر دیا۔

اور وہ (مذکورہ مفتی) نیل پالش کو پگڑی پر بھی قیاس کرتے ہیں، مگر یہ قیاس بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ پگڑی باندھنے کی جگہ سر ہے اور سر کے فرض کی اصل (دھونے) سے تخفیف کر دی گئی ہے، پس بلاشبہ سر میں فرض اس کا مسح کرنا ہے، برخلاف چہرے کے، اس میں فرض اس کو دھونا ہی ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے عورت کو دستانوں پر مسح کرنے کی اجازت نہیں دی ہے باوجود اس کے کہ وہ ہاتھوں کو چھپاتے ہیں۔

''بخاری و مسلم'' میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

«أن النبي صلى الله عليه وسلم توضأ وعليه جبة ضيقة الكمين، فلم يستطع إخراج يديه، فأخرج يديه من تحت بدنه فغسلها»[1]

''بلاشبہ نبی ﷺ نے اس حال میں وضو کیا کہ آپ ﷺ نے تنگ آستینوں والا جبہ پہن رکھا تھا، پس اس (کی تنگ آستینوں) سے آپ ﷺ کے بازو نہ نکل سکے، لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے بدن کے نیچے سے بازو نکال کر دھوئے۔''

پس یہ حدیث اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کے لیے کسی حائل اور رکاوٹ کو، جو پانی کو جسم تک پہنچنے سے روکتی ہے، پگڑی اور موزوں پر

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5462] صحیح مسلم، رقم الحدیث [274]

قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حق کی معرفت و پہچان کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کرے اور فتوی دیتے وقت یہ سوچا کرے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے اس فتوے کے متعلق سوال کرنے والے ہیں، اور ''مفتی'' یہ تصور بھی ذہن میں رکھے کہ وہ اللہ عزوجل کی شریعت کی ترجمانی کر رہا ہے۔

واللہ الموفق الهادي إلى الصراط المستقيم. (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال کیا بالوں کو مختلف رنگوں سے ڈائی کرنا جائز ہے؟ اور کیا خاوند کے لیے زیب و زینت کی غرض سے میک اپ (بناؤ سنگھار) کرنا جائز ہے؟

جواب بالوں کو کالے رنگ (خضاب) سے رنگنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ سیاہی مائل ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ بالوں کو کالے رنگ سے رنگنے کے متعلق یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«غيروا هذا بشيء وجنبوه السواد»[1]

''اس (سفیدی) کو کسی چیز سے بدلو اور اس کو سیاہی سے دور رکھو۔''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جیسا کہ سنن ابی داود میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے:

«يكون قوم يخضبون بالسواد كحواصل الحمام لا يريحون رائحة الجنة»[2]

''(آخری زمانے میں) ایک قوم ہوگی جو کالا خضاب استعمال کریں گے، جیسے کبوتر کے سینے، وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے۔''

لیکن عورت کا ایسے انداز میں بال ڈائی کرنا کہ اس سے منگنی کرنے والے کو دھوکا نہ لگے (تو یہ جائز ہے)۔ اور اگر اس نے اس طرح بال رنگے ہیں

---

[1] صحیح. مسند أحمد [338/3]

[2] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4212]

جس سے پیغام نکاح دینے والے کو دھوکا ہوتا ہے تو اس کا حکم کالے رنگ سے بالوں کو رنگنے کی طرح ہوگا۔ رہا میک اپ تو جب وہ پانی کو جلد تک پہنچنے سے نہ روکے تو ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

رنگین شیشوں والے چشمے سے زینت حاصل کرنے کا حکم

سوال زینت اور ''موضۃ'' (جدید فیشن) کی خاطر رنگین شیشوں والا چشمہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ واضح ہو کہ اس کی قیمت سات سو ریال سے کم نہیں ہے۔

جواب حاجت و ضرورت کی بنا پر شیشے (چشمہ) پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر جب وہ بلا ضرورت ہو تو اس کا ترک کرنا ہی احسن اور افضل ہے، خصوصاً جب اس کی قیمت بہت زیادہ ہو، کیونکہ تب اس کا شمار حرام فضول خرچی میں ہوگا۔ مزید یہ کہ اس میں تدلیس اور دھوکا بھی ہے، کیونکہ یہ آنکھوں کو بلا ضرورت ان کی حقیقی ہیئت اور شکل کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

لوہے یا تانبے کے زیورات استعمال کرنے کا حکم

سوال کیا لوہے یا تانبے کے زیورات پہننا جائز ہے؟

جواب اس کے متعلق احادیث موجود ہیں کہ بلاشبہ لوہا جہنمیوں کے لباس کا حصہ ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ ان احادیث کو صحیح نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اپنی ''صحیح'' میں وہ فرماتے ہیں: لوہے کی انگوٹھی پہننے کا باب۔ یا اس مفہوم کا باب باندھا ہے، پھر اس کے ذیل میں اس عورت کے متعلق سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور

کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنا نفس آپ ﷺ کو ہبہ کر دیا ہے، پس نبی ﷺ نے اس پر کافی نظر دوڑائی، مگر وہ آپ ﷺ کو پسند نہ آئی، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر جھکا لیا، پس ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ کو اس عورت کی حاجت نہیں تو اس کی شادی مجھ سے کر دو! تو نبی ﷺ نے فرمایا: جاؤ جا کر حق مہر کے لیے کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی لے آؤ۔

ہم نے مذکورہ حدیث سے آپ ﷺ کا یہ قول مشاہدہ کیا:

«التمس ولو خاتما من حديد»[1]

لوہے کی ایک انگوٹھی ہی تلاش کر لاؤ۔"

(لہٰذا لوہے کی انگوٹھی وغیرہ پہننے کا جواز ثابت ہوا) لیکن اگر بطور احتیاط و ورع اور (شبہات سے) بچنے کی خاطر (لوہے کے زیورات) استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے تو یہ افضل ہے، البتہ عورتوں کے لیے سونا اور چاندی کے زیورات پہننے میں وسعت موجود ہے۔ والحمدللہ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

مہمان عورتوں کو خوشبو پیش کرنے کا حکم

سوال اپنے ملک کے رواج پر عمل کرتے ہوئے مہمان عورتوں کو خوشبو کی دھونی اور عطریات پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ عورتوں کو خوشبو کا ہدیہ پیش کرنے میں کوئی حرج و مانع نہیں ہے بشرطیکہ وہ عورتیں جن کو تم خوشبو پیش کرتی ہو وہ تمہارے مکان سے نکل کر سیدھی بازار نہ چلی جائیں بلکہ یا تو وہ گاڑیوں

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4842]

میں بیٹھ کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں یا ان کے گھر اتنے قریب ہوں کہ تمہارے پاس سے نکلنے کے بعد انھیں مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو۔

لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو ان عورتوں کو خوشبو پیش کرنے سے معذرت کر لو۔ اور ان کو بتاؤ کہ عورتوں کا خوشبو لگا کر اجنبی مردوں سے اختلاط جائز نہیں ہے کیونکہ رسول ﷺ نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں فتنہ ہے۔
وباللہ التوفیق۔

عورت کے گھر سے نکلتے وقت خوشبو لگانے کا حکم

سوال کیا عورت کے لیے مدرسہ، ہسپتال جاتے یا قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ملنے کے لیے جاتے وقت خوشبو لگانا جائز ہے؟

جواب عورت کے لیے عورتوں کی محفل میں شرکت کے لیے جاتے وقت خوشبو لگانا جائز ہے، بشرطیکہ اس کا گزر اجنبی مردوں کے پاس سے نہ ہو، لیکن خوشبو لگا کر اس کا بازاروں میں جانا، جہاں پر اجنبی مرد ہوتے ہیں، جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«أيما امرأة أصابت بخوراً فلا تشهدن معنا العشاء»[1]

”جونسی عورت (خوشبو کی) دھونی لے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی باجماعت نماز میں شرکت نہ کرے۔“

نیز اس کے عدم جواز پر دیگر احادیث موجود ہیں۔ اس لیے کہ عورت کا خوشبو لگا کر مردوں کے راستے اور ان مجالس، جیسے مساجد، سے گزرنا فتنہ کے اسباب میں سے ہے، اور ان اسباب فتنہ سے بچنے کے لیے عورت باپردہ ہو اور

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [444]

زینت ظاہر کرنے سے پرہیز کرے، کیونکہ اللہ جل وعلا کا فرمان ہے:

﴿ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ [الأحزاب: 33]

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔''

اور مفاتن ومحاسن جیسے چہرہ، سر اور ان کے علاوہ دیگر (پرکشش) اعضاء کو ظاہر کرنا (ممنوع) ''تبرج'' (زینت ظاہر کرنا) کا حصہ ہے (لہٰذا عورتوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے)۔ وباللہ التوفیق (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

نوکروں اور ڈرائیوروں
کے متعلق فتوے

گھر میں غیر مسلم خدام (نوکر) رکھنے کا حکم

سوال مسلمانوں کے گھروں میں عورتوں اور مردوں کو، جن میں سے کچھ غیر مسلم بھی ہوں، بطور خدام کے رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان مرد کے لیے اپنے گھر میں کافرہ عورت کو داخل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کافرہ نوکرانی عنقریب مسلمہ عورت کی پردے والی باتوں سے آگاہ ہوجائے گی، پس مسلمہ عورت کی پردے والی باتیں کافرہ عورت کے سامنے ظاہر ہونا آدمی کے سامنے ظاہر ہونے کے برابر ہے، لہٰذا مسلمہ عورت کے لیے کافرہ عورت کے سامنے، چاہے وہ خادمہ ہی ہو، چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا کوئی حصہ بدن ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جب کافرہ عورت کو بطور خادمہ کے گھر میں رکھنے کا معاملہ اتنا سنگین ہے تو کافر مرد کو خادم رکھنا بالاولیٰ جائز نہیں ہے اور ایسے ہی مسلم مرد کو خادم رکھنا۔ اور جب میاں بیوی کو خادمہ رکھنا ضروری ہی ہو تو وہ خادمہ مسلمہ ہونی چاہیے۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

کیا عورت غیر مسلم خادمہ سے پردہ کرے؟

سوال ہمارے ہاں گھر میں غیر مسلم نوکرانیاں ہیں، کیا مجھ پر ان سے پردہ کرنا واجب ہے، کیا میرے لیے ان سے کپڑے دھلوا کر ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب غیر مسلمہ نوکرانیوں سے پردہ کرنا واجب نہیں ہے، پس وہ علماء کے دو اقوال میں سے اصح قول کے مطابق دیگر عام عورتوں کی طرح ہیں۔

اور ان کے کپڑے اور برتن دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتی ہیں تو ان سے مزید معاہدے کرنے سے رک جائیں (اور ان کو ان کے ملکوں میں واپس بھیج دیں) کیونکہ اس جزیرۃ العرب میں اسلام کے علاوہ کسی دین کا باقی رہنا جائز نہیں ہے، اس میں مسلمانوں کے علاوہ لوگوں کا رہنا، خواہ وہ کاریگر ہوں یا نوکر، مرد ہوں یا عورتیں، جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے مشرکین کو اس جزیرہ سے نکالنے کی وصیت فرمائی ہے، نیز اس میں دو دینوں کا باقی رہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اسلام کا گہوارہ ہے اور آفتاب رسالت (محمدی) کے طلوع ہونے کی جگہ ہے، لہٰذا اس جزیرہ میں دین حق، جو کہ اسلام ہے، کے سوا کسی دین کا وجود جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اتباع حق اور اس پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے، اور نیز دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے کی راہنمائی کرنے اور جو اسلام کی مخالفت کرے اس سے مستغنی و بے پرواہ ہو جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال کیا مسلمہ عورت کے لیے غیر مسلمہ عورت کے سامنے اپنے بال ظاہر کرنا جائز ہے؟ خصوصاً جب غیر مسلمہ عورت اپنے قریبی غیر مسلم رشتہ داروں کے سامنے اس مسلمہ عورت کے اوصاف بیان کرتی ہو؟

جواب یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان کی تفسیر میں علماء کے اختلاف پر مبنی ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ

بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ ﴾

[النور: 31]

''اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں (کے لیے۔''

پس اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿أو نسائهن﴾ میں ''هن'' ضمیر میں علماء کا اختلاف ہے، ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ بلاشبہ اس سے مقصود جنس ہے یعنی جنس عورت علی العموم مراد ہے اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس ضمیر سے مقصود وصف ہے یعنی صرف مومنہ عورتیں مراد ہیں۔

پس پہلے قول کے مطابق: مسلمہ عورت کے لیے غیر مسلمہ عورت کے سامنے اپنے بال اور چہرہ ظاہر کرنا جائز ہے اور دوسرے قول کے مطابق: جائز نہیں ہے۔

اور ہمارا میلان بھی پہلی رائے کی طرف ہے اور وہی اقرب الی الصواب ہے، کیونکہ عورت عورت کے ساتھ اس میں مسلمہ اور غیر مسلمہ کا کوئی فرق نہیں ہے، یہ جواز تب ہے جب فتنہ کا ڈر نہ ہو، لیکن اگر فتنہ کا ڈر ہو کہ یہ ایک عورت دوسری عورت کے اوصاف و محاسن کا تذکرہ اپنے قریبی مردوں کے سامنے کرے

گی تب تو فتنہ سے بچنا لازم ہوگا، پس ایسی صورت میں عورت کا اپنے جسم کا کوئی حصہ مثلاً ٹانگیں اور بال کسی دوسری عورت کے سامنے، خواہ وہ مسلمہ ہو یا غیر مسلمہ، ظاہر کرنا جائز نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

عورت کا اجنبی ڈرائیور کے ساتھ سوار ہونے کا حکم

سوال عورت کا اجنبی ڈرائیور کے ساتھ اکیلے سوار ہونے کا کیا حکم ہے تاکہ وہ اسے اندرون شہر پہنچا دے؟ نیز جب عورت عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اکیلی سوار ہو تو (شریعت کا) کیا حکم ہے؟

جواب عورت کا غیر محرم ڈرائیور کے ساتھ اس طرح سوار ہونا کہ ان کے ساتھ کوئی (تیسرا محرم) نہ ہو، جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ خلوت کے حکم میں ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ بلاشبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا يخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم»[1]

"کوئی مرد عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے مگر ان کے ساتھ کوئی محرم ہو۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا يخلون رجل بامرأة، فإن الشيطان ثالثهما»[2]

"ہرگز کوئی مرد کسی عورت سے خلوت اختیار نہ کرے، کیونکہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہے۔"

لیکن اگر ان دونوں کے ساتھ کوئی دوسرا ایک یا زیادہ مرد ہوں، یا کوئی دوسری ایک یا زیادہ عورتیں ہوں تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ شک و شبہ کے اسباب نہ پائے جائیں، کیونکہ تیسرے ایک یا زیادہ مردوں کی

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [4935] صحيح مسلم، رقم الحديث [1341]
2. صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [2165]

موجودگی سے خلوت زائل ہو جاتی ہے اور یہ رخصت ایسی صورت میں ہے جب مسافت اتنی ہو کہ اس پر سفر کا اطلاق نہ ہو سکے۔

رہا سفر کا معاملہ تو عورت کے لیے محرم رشتے دار کے علاوہ کسی کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم»[1]

عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔"

اس حدیث کی صحت پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور سفر کے زمینی، فضائی یا سمندری ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (تمام سفروں کا ایک ہی حکم ہے) واللہ ولی التوفیق۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

سوال کیا عورت کا کرائے کی ٹیکسی میں اجنبی ڈرائیور کے ساتھ سوار ہونا ایسی خلوت شمار ہوگی جو شریعت میں حرام ہے؟ نیز کیا دو عورتوں کے اجنبی ڈرائیور کے ساتھ سوار ہونے کا حکم بھی ایک عورت کے سوار ہونے جیسا ہی ہے؟

جواب اکیلی عورت کے اجنبی ڈرائیور کے ساتھ سوار ہونے میں خلوت کے ساتھ ساتھ بعض ان ممنوعہ کاموں کا بھی ارتکاب ہوتا ہے جو عموماً ایسی خلوت کی حالت میں وقوع پذیر ہوا کرتے ہیں جیسی خلوت کی حالت میں یہ مذکورہ عورت ڈرائیور کے ساتھ اس طرح سوار ہے کہ ان کے ساتھ کوئی تیسرا شخص نہیں ہے، پس اس حالت میں میں اس کو صرف خلوت ہی نہیں سمجھتا، بلکہ یہ فتنہ بھڑکانے والی خلوت ہے اور یہ فتنہ کسی دوسری صورت میں نہیں ہے، یعنی وہ صورت جس میں اس کے ساتھ کوئی اور عورت یا کوئی اور مرد سوار ہو تو اس حالت میں فتنہ کا وقوع پہلی حالت میں فتنہ کے وقوع سے دور ہے۔

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1763] صحيح مسلم، رقم الحديث [1341]

عورت کا مسجد جانے کے لیے اجنبی ڈرائیور کے ساتھ سوار ہونا

سوال کیا عورت کے لیے تراویح ادا کرنے کے لیے اجنبی ڈرائیور کے ساتھ مسجد جانا جائز ہے؟ اور کیا ڈرائیور کے ساتھ ایک سے زیادہ عورتیں ہونے کی صورت میں حکم مختلف ہوگا؟

جواب عورت کے لیے مسجد اور کسی اور جگہ جانے کے لیے غیر محرم ڈرائیور کے ساتھ اکیلے سوار ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے مرد کے ایسی عورت کے ساتھ، جو اس مرد کے لیے حلال نہ ہو، خلوت کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

جب ڈرائیور کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت سوار ہو تو پھر ممنوعہ خلوت کے زائل ہونے کی وجہ سے معاملہ ذرا خفیف اور ہلکا ہے، لیکن اس صورت میں عورتوں پر واجب ہے کہ وہ اسلامی آداب اور حیا کا التزام کریں اور ڈرائیور کے ساتھ ہنسی مذاق اور کھلی باتیں نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ [الأحزاب: 32]

”تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔“ (صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

اجنبی ڈرائیور کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت کے سوار ہونے کا حکم۔

سوال بعض عورتیں جب کہیں دور جانا چاہتی ہیں تو وہ دو یا تین سے زیادہ تعداد میں جمع ہو کر گاڑی میں سوار ہو جاتی ہیں، اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟

جواب جب وہ اپنے متعلق اس فتنہ سے بے خوف ہوں کہ ڈرائیور ان کو بھگا کر

لے جائے گا تو یہ خلوت کے حکم میں نہیں ہے، لیکن جب فاصلہ و مسافت اتنی زیادہ ہو کہ اس پر سفر کا اطلاق ہو سکے تو عورت کے لیے محرم کے بغیر سفر کرنا حلال نہیں ہے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

عورت کے گاڑی چلانے کا حکم

سوال کیا عورت کے لیے ضروری کاموں کی خاطر اندرون شہر گاڑی ڈرائیو کرنا جائز ہے، کیونکہ مسلمہ عورتوں کو سڑک پر تنگیوں اور تکلیفوں کا سامنا ہوتا ہے؟

جواب جب عورت خوبصورت ہو بدصورت نہ ہو، اور گاڑی ڈرائیو کر کے جو مسافت وہ طے کرتی ہے اس پر سفر کا اطلاق ہوتا ہو اور اس کے متعلق فتنہ سے بے خوفی نہ ہو تو سمجھو کہ گاڑی نے اس کے لیے فساد و گناہ آسان کر دیا ہے۔ اور اگر عورت نیک اور قابل اعتماد ہو، اور ایسی عورتیں کم ہی ہوتی ہیں، تو اس کے گاڑی ڈرائیو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسند امام احمد میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چتکبرا کوا اور بعض روایتوں میں ہے کہ سرخ چونچ اور پاؤں والا کوا دیکھا اور فرمایا:

«الصالحات من النساء کهذا»[1]

”نیک عورتیں اس طرح کی ہوتی ہیں۔“

پس گاڑیاں ڈرائیو کرنے والی کم ہی ایسی عورتیں ہوں گی جو کبھی فتنہ میں مبتلا نہ ہوتی ہوں گی ورنہ بعض اوقات تو گاڑی ان کے لیے فساد و گناہ میں مبتلا ہونے کے لیے اور اپنے دوستوں سے ملاقات کرنے کے لیے معاون ثابت ہوتی ہوگی۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

---

[1] صحیح. مسند أحمد [197/4]

کیا اجنبی خادمہ اپنے مخدوم سے پردہ کرے؟

سوال کیا گھر میں کام کرنے والی خادمہ کے لیے اپنے مخدوم سے پردہ کرنا واجب ہے؟

جواب ہاں، اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے مخدوم سے پردہ کرے اور اس کے پاس زیب و زینت ظاہر نہ کرے اور عمومی دلائل کے پیش نظر مخدوم کا اپنی خادمہ سے خلوت کرنا حرام ہے، کیونکہ خادمہ کا پردہ نہ کرنا اور زیب و زینت کا ظاہر کرنا اس کے متعلق فتنہ بھڑکائے گا، نیز جب مخدوم خادمہ سے خلوت کرے گا تو یہ ان اسباب میں سے ہے جن سے شیطان اس خادمہ سے گناہ میں ملوث ہونے کو مزین کر دے گا۔

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

کافر عورت کو خادمہ رکھنے کے لیے بلوانے کا حکم

سوال سات مہینوں سے میرے پاس ایک خادمہ تھی جس کو میں نے بغیر محرم کے بلوایا تھا، اور اب میری اس سے ضرورت پوری ہوگئی ہے جس کے لیے میں نے اس کو بلوایا تھا، کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اس کی کفالت کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دو، جس کے اندر انتظامی شرائط وافر مقدار میں موجود ہیں، واضح ہو کہ وہ عورت (اپنے ملک) واپس نہیں جانا چاہتی کیونکہ اس کو نوکری کی ضرورت ہے؟

جواب کافرہ عورتوں کو بلوانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی مسلمہ عورتوں کو بلوانا جائز ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کے ساتھ ان کے محرم رشتہ دار آئیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«لا تسافر المرأة مسيرة يومين إلا مع ذي محرم»[1]

”عورت کے لیے محرم کے بغیر دو دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے کرنا جائز نہیں ہے۔“

پس تم نے جو اس عورت کو بغیر محرم کے بلوایا تمھارے لیے جائز نہیں ہے تم پر لازم ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو اس کے محرم کو بلواؤ تا کہ وہ اس کے ساتھ سفر کرے یا اگر وہ تمھارے پاس یا کسی اور کے پاس نوکری کرنا چاہتی ہے تو وہ اس کے ساتھ رہے، بہرحال تم پر واجب ہے کہ تم اس کو اس کے ملک میں جہاں سے تم نے اس کو بلوایا ہے باحفاظت بھیج دو۔

اس مناسبت سے ہم اس بات سے خبردار کرتے ہیں کہ بلاشبہ اجنبیوں کو مسلمانوں کے ملکوں میں بلوانے میں بہت بڑا خطرہ اور فتنہ ہے، خصوصاً جب وہ بلوائے جانے والے کافر، فاسد عقائد والے اور مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے والے ہوں۔ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے دین و اخلاق کو بگاڑنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی بغیر محرم کے عورتوں کو بلوانے میں بھی عظیم خطرات ہیں، خصوصاً جب وہ جوان ہوں اور فتنہ میں مبتلا کرنے والی ہوں یا بگڑے ہوئے اخلاق کی مالکہ ہوں، پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور اس فتنہ سے بچیں۔ (صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1893] صحيح مسلم، رقم الحديث [827]

عورت کے لیے حلال
اور
حرام کھیلیں

عورت کے ورزش کی خاطر مقابلہ کرنے کا حکم

سوال کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرنے سے عورت کے ورزش کی خاطر مقابلہ کرنے کا حکم اخذ کر سکتے ہیں؟ میں اس مسئلہ کی وضاحت کی امید رکھتا ہوں۔

جواب رسول اللہ ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا یہ مقابلہ خاص جگہ پر تھا، بظاہر یہ رات کے وقت تھا جب لوگ سو چکے تھے تو آپ ﷺ کا یہ مقابلہ مسجد یا بستی یا شہر کے کنارے پر ہوا تھا۔

شاید آپ ﷺ کا اس مقابلے میں مقصد و ارادہ یہ ہو کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عورتوں کے ساتھ اچھا رہن سہن کرنے کے حکم کو پورا کریں اور یہ کہ اس سے میاں بیوی کے درمیان پیار اور محبت پیدا ہو، لہٰذا اس مقابلہ میں اس قسم کی اغراض کو پورا کرنے کے لیے استدلال کیا جا سکتا ہے، پس خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اس قسم کا مقابلہ کرے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ مقابلہ مخفی اور فتنہ سے محفوظ و مامون ہو۔

رہا اعلانیہ ورزش کا مقابلہ خواہ وہ کھیل کے میدان میں ہو یا دوڑ کے، کشتی لڑنے میں ہو یا کسی اور چیز میں، بہر حال اس قصہ سے اس کی دلیل نہیں لی جا سکتی، بلکہ اس کو صرف میاں بیوی کے درمیان اس انداز میں محدود رکھا جائے گا جو ہم نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم (صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

سوال اس عورت کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے جو گھر میں یا گھر سے باہر ورزش کرتی ہے؟

جواب جب یہ ورزش گھر میں ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ہم ورزش گھر میں ہی کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ پس جب عورت کے پاس اپنے گھر اور مکان میں کرنے کے کام ہوں تو اس کو چاہیے کہ وہ پہلے ان کو سر انجام دے۔ اسی طرح اگر عورتوں کے ساتھ مل کر اس طرح ورزش کی جائے کہ ان عورتوں کو اجنبی مرد ورزش کرتے ہوئے نہ دیکھیں تو ان شاء اللہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ہم عورتوں کو ورزش کرنے کی نصیحت کرتے ہیں، کیونکہ تن آسان ہو کر پڑے رہنے سے بعض اوقات اکتاہٹ و ملال، ضعف حافظہ اور جسمانی کمزوری جیسے عوارض لاحق ہو جاتے ہیں، لہٰذا ہر مسلمان مرد و عورت کو شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ورزش کی ضرورت ہے۔ (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

ٹیلی ویژن دیکھنے کا حکم

سوال دینی گفتگو یا اجتماعی بامقصد پروگرام دیکھنے کی غرض سے ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھنا جائز ہے، بشرطیکہ جو کچھ اس میں سے سنا جائے حرام نہ ہو، مثلاً تلاوت قرآن، دینی لیکچرز اور تقریریں، تجارتی نشریات اور سیاسی خبریں۔

اور ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھنا ممنوع ہے اگر اس سے ایسی چیزیں سنی جائیں جن کا سننا حرام ہو، مثلاً آوارہ گانے، بے حیائی والے کلمات، گانے والیوں کی آوازیں اگرچہ وہ بے حیائی والے گانے نہ گا رہی ہوں، اور ان مردوں کے گانے جو گانا گاتے ہوئے ہیجڑوں کی طرح اپنے جسموں کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں۔

قصہ مختصر! سننے کے لیے بیٹھنا اس کے تابع ہے جو سنی جانے والی چیز کے حلال اور حرام ہونے پر لگایا جائے گا۔ اور کبھی ایسی جائز چیز کو سننے اور اس کے لیے بیٹھنے کو اس میں موجود زیادتی اور وقت کے ضیاع کی وجہ سے روک دیا جاتا ہے، اور کبھی اس کو سننے میں مشغول ہونے کی انسان کو اتنی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اس کا اپنا، اس کے خاندان کا اور امت کا بہت زیادہ فائدہ اور خیر کثیر ہوتی ہے۔

لیکن زیادہ احتیاط ٹیلی ویژن کے دیکھنے کو ترک کرنے میں ہی ہے، کیونکہ یہ بعض دفعہ انسان کو ایسی چیزیں سنانے اور دکھانے کا سبب اور وسیلہ بن جاتا ہے جن چیزوں کو دیکھنا اور سننا حرام ہوتا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

گانے سننے کا حکم

سوال گانے سننے کا کیا حکم ہے؟

جواب ایسے گانے سننا جو ایسے مواد پر مشتمل ہوتے ہیں جس سے وجد و سرور کی کیفیت طاری ہو جائے، ہر سننے والے پر حرام ہیں، خواہ سننے والا مرد ہو یا عورت، اپنے گھر میں سنے یا گھر سے باہر جیسے گاڑیوں یا عام و خاص مجلسوں میں، کیونکہ وہ یہ گانے سن کر ایسی چیز کی طرف مائل ہو کر اس کو اختیار کر لیتا ہے جس کو شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ [لقمان: 6]

”اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا

ہے، تا کہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اُسے مذاق بنائے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔"

اور سائل نے جس گانے کا ذکر کیا ہے وہ "لہو الحدیث" (غافل کر دینے والی بات) میں سے ہے، پس بلاشبہ وہ دل کے لیے باعث فتنہ ہے اور وہ دل کو خیر و بھلائی سے پھیر کر شر کی طرف مائل کر دیتا ہے اور بے فائدہ انسان کا وقت ضائع کرتا ہے، لہٰذا وہ اس اعتبار سے "لہو الحدیث" کے حکم میں داخل ہے اور یہ گانے سننے اور گانے والے تمام اس آیت کے عموم و مفہوم میں داخل ہیں جس میں ان لوگوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، جو غافل کرنے والی بات خریدتے ہیں تا کہ وہ ان کے نفس وغیرہ کو اللہ کی راہ سے پھیر دے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والے کی مذمت کی ہے اور رسوا کن عذاب کی وعید سنائی ہے۔ جس طرح قرآن مجید کی مذکورہ آیت اپنے عموم کے ساتھ گانا گانے اور سننے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے ایسے ہی سنت و حدیث بھی اس کی حرمت کو بیان کرتی ہے، چنانچہ اس کے بیان میں آپ ﷺ کا یہ بیان ہے:

«ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف، ولينزلن أقوام إلى جنب علم يروح عليهم بسارحة، يأتيهم ـيعني الفقيرـ لحاجة فيقولون: ارجع إلينا غدا، فيبيتهم الله ويضع العلم، ويمسخ آخرين قردة وخنازير إلى يوم القيامة»[1]

"میری امت میں سے کچھ ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور معازف (آلاتِ لہو ولعب) کو حلال ٹھہرائیں گے، کچھ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5268]

لوگ پہاڑی کے کنارے اتریں گے ان کے پاس چرواہا بکریاں لے کر آئے گا۔ جب ایک فقیر مانگنے کے لیے آئے گا تو وہ اسے کہیں گے کہ کل آنا۔ تو رات کو ان پر اللہ تعالیٰ پہاڑ الٹا دے گا اور ان کو قیامت تک بندر و خنزیر بنا دے گا۔''

گزشتہ حدیث میں ''معازف'' سے مراد لہو اور اس کے آلات ہیں اور اس میں گانا گانا اور سننا بھی شامل ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو زنا، مردوں کے ریشم پہننے، شراب پینے، آلات لہو اور ان کی آوازیں سننے کو حلال ٹھہرائیں گے۔ آپ ﷺ نے ''معازف'' کو اس سے پہلے ذکر کردہ کبیرہ گناہوں کے ساتھ بیان کیا اور حدیث کے آخر پر مذکورہ گناہ کے مرتکبین کو عذاب کی وعید سنائی۔ گانے کو کبیرہ گناہوں کے ساتھ ملا کر بیان کرنا اور اس پر عذاب کی وعید سنانا، اس گانے، آلات لہو اور گانے سننے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔

رہا بغیر قصد کے اور کان لگائے بغیر سننا، جیسے وہ شخص جو راہ چلتے ہوئے دکانوں پر لگے یا گزرتی ہوئی گاڑیوں سے گانوں کی آواز سنتا ہے اور جس کے پاس اپنے گھر میں ہوتے ہوئے اس کے پڑوسیوں کے گھروں سے گانوں کی آواز آتی ہے اور وہ ان کی طرف کان لگائے بغیر سنتا ہے تو یہ شخص مجبور ہے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ نصیحت کرے اور منکر سے حکمت و دانائی اور اچھے وعظ کے ساتھ منع کرے۔

اور اس کی وسعت و طاقت میں جس چیز سے بچنا ممکن ہے اس سے بچنے کی کوشش کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جان کو اس کی وسعت اور طاقت کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

ایسے پروگرام دیکھنا جن میں موسیقی چلتی ہو

سوال بعض ایسے مفید پروگرام جیسے ''اقوال صحف'' وغیرہ سننے کا کیا حکم ہے جن میں موسیقی چلتی ہے؟

جواب ایسے پروگرام سن کر استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ موسیقی شروع ہوتے وقت ریڈیو کو موسیقی ختم ہونے تک لاک کر دیا جائے، کیونکہ موسیقی آلات لہو میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو چھوڑنا آسان کرے اور ان کے شر سے محفوظ فرمائے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

نغمات کا حکم

سوال ان ترانوں کا کیا حکم ہے جن میں دف بجائی جاتی ہے؟

جواب یہ ترانے جن کا آج کل ان کے ناموں کے سوا اور نام رکھا جاتا ہے، پس ان کا نام اسلامی ترانے رکھا جاتا ہے، اسلام میں دینی ترانے نہیں پائے جاتے، اسلام میں شعر پائے جاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«إن من الشعر لحكمة»[1]

''بلاشبہ بعض شعر پُر حکمت ہوتے ہیں۔''

یا تو ہم شعر پڑھیں اور ان کا نام ترانے رکھ لیں۔ اور دینی ترانے یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو ہمارے سلف صالحین نہیں پہچانتے تھے، خصوصاً جب ان کے ساتھ دف کی طرح بعض آلات موسیقی کا بھی استعمال ہو۔

بات کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ دینی ترانوں کا کوئی تصور نہیں ہے، اسلام میں تو صرف لطیف معانی پر مشتمل اشعار ہیں، ان کو انفرادی طور پر یا بعض

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5793]

اجتماعات جیسے شادی میں پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ بلاشبہ وہ انصار کی ایک شادی میں شرکت کر کے گھر لوٹیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے سوال کیا: «هل غنيتم لهم؟ فإن الأنصار يحبون الغناء»[1] ''کیا تم نے ان کے لیے کچھ گایا ہے؟ کیونکہ انصار گانے کو پسند کرتے ہیں۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم کیا گائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أتيناكم أتيناكم... فحيونا نحياكم... ولولا الحبة السمراء لم تسمن عذاراكم»[2]

''ہم تمھارے پاس آئے ہیں، ہم تمھارے پاس آئے ہیں، تم ہمیں سلام کہو ہم تمھیں سلام کہیں گے اور اگر گندمی رنگ کی گندم نہ ہوتی تو تمھاری کنواری لڑکیاں موٹی نہ ہوتیں۔''

پس یہ شعر ضرور ہے، لیکن دینی شعر نہیں ہے، البتہ یہ صرف مباح کلام کے ساتھ نفس کو راحت پہنچانا ہے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال اکثر نوجوانوں کے درمیان رائج ترانوں کا کیا حکم ہے، جبکہ وہ ان کا نام ''اسلامی ترانے'' رکھتے ہیں؟

جواب اگر یہ ترانے اسلامی مفہوم و معانی پر مشتمل ہوں اور ان کے ساتھ کوئی ساز اور آلات موسیقی نہ ہوں جیسے دف اور طبلے وغیرہ تو ان ترانوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن ان ترانوں کے جواز کی ایک اہم شرط بیان کرنا لازم اور ضروری ہے اور وہ یہ کہ وہ ترانے مخالفات شرعیہ، جیسے لغو وغیرہ، سے خالی اور محفوظ ہوں۔ پھر ان کے لیے ایک اور شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ترانوں کے سماع کو

---

1. صحيح. صحيح ابن حبان [185/13]
2. حسن. تحريم آلات الطرب للألباني [ص: 133]

عادت نہ بنایا جائے، کیونکہ اس کو عادت بنانا سامعین کو قرآن مجید کی تلاوت سے دور کر دے گا حالانکہ نبی ﷺ کی سنت مطہرہ میں تلاوتِ قرآن پر برانگیخت کیا گیا ہے۔ اور ایسے ہی ترانے سننے میں مشغول رہنا ان کو نفع مند علم حاصل کرنے سے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف دعوت دینے سے دور کر دے گا۔

رہا ترانوں کے ساتھ دف کا استعمال تو یہ عورتوں کے لیے آپس میں مردوں کے علاوہ جائز ہے اور وہ بھی صرف عید اور نکاح کے موقع پر۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

بچوں کے دینی ترانے سننے کا حکم

سوال اس سے پہلے ہم نے آپ جناب سے ترانے سننے کے بارے میں استفسار کیا تھا اور جناب نے جواب دیا تھا کہ بلاشبہ بے حیا اور آوارہ گانے سننا حرام ہے، لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ دینی اور ملی ترانے اور بچوں اور عید میلاد کے ترانے سننے کا کیا حکم ہے؟ واضح ہو کہ ان ترانوں کے ساتھ ساز وموسیقی چلتی ہے، خواہ ریڈیو پر ہوں یا ٹیلی ویژن پر۔

جواب ساز وموسیقی مطلق حرام ہے، دینی ترانے، ملی نغمے اور بچوں کے گیت جب موسیقی کے ساتھ ہوں تو حرام ہیں، اور عید میلاد تو ویسے ہی بدعت ہے جس میں جانا اور شرکت کرنا حرام ہے۔

وہ گیت اور ترانے جن کے ساتھ ساز وموسیقی چلے ان کی حرمت کے دلائل میں سے نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

«ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف...»[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5268]

"میری امت میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلات لہو ولعب اور موسیقی کو حلال ٹھہرا لیں گے ....."

اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ اس مضمون کی اور احادیث بھی ثابت ہیں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

دینی فلمیں دیکھنے کا حکم

سوال دینی فلمیں اور ڈرامے دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب متعدد اسباب کی بنا پر اسلام میں ڈرامے اور فلمیں مشروع نہیں ہیں۔ چند اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلا سبب: بلاشبہ ان میں کافروں کی تقلید ہے اور یہ کافروں کا عمل وطریقہ ہے، جو انھی کے لائق ہے، مسلمانوں کے لائق نہیں ہے، کیونکہ کفار یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو ایسے سہاروں اور محرکات کی ضرورت ہے جو ان کو خیر و بھلائی کی طرف لے جائیں اور ان کے پاس وہ شریعت نہیں جو الحمد للہ ہمارے پاس ہے جس میں خیر و بھلائی کے وافر ذخائر موجود ہیں، پس قرآن مجید کی ایک آیت کئی ڈراموں اور فلموں سے مستغنی و بے پرواہ کر دینے والی ہے۔

لہٰذا وہ امت جو اللہ کے حرام کردہ کو حرام اور اس کے حلال کردہ کو حلال نہیں سمجھتی ہم ان کے طریقے، ثقافت اور طور اطوار کیسے اختیار کر لیں؟

پس یہ وسائل (جن کو وہ خیر و بھلائی اور ترقی کے وسائل سمجھتے ہیں) انھی کے لائق ہیں ہمارے لائق نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے پاس اس سے بہتر چیز موجود ہے، جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک کاغذ دیکھا اور سوال کیا: "ما ھذہ؟" (یہ کیا ہے؟)

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ ایک کاغذ ہے جو ایک یہودی نے مجھے تورات سے لکھ کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کہا:

«أمتهوكون أنتم كما تهوكت اليهود والنصارىٰ؟! لو كان موسىٰ حيا لما وسعه إلا اتباعي» ❶

۲۔ دوسرا سبب: لازمی طور پر ان ڈراموں اور فلموں میں ایسی جھوٹی باتیں ہوتی ہیں جن کی تاریخ اسلامی یا سیرت نبوی میں کوئی حقیقت و اصلیت موجود نہیں ہوتی ہے۔

۳۔ تیسرا سبب: لازمی طور پر ان ڈراموں اور فلموں میں مردوں کی عورتوں اور عورتوں کی مردوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے یا مردوں کا عورتوں کے ساتھ اختلاط بایا جاتا ہے۔

اور یہ حدیث ثابت شدہ ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک سفر پر رواں دواں تھے، ناگہاں وہ ایک درخت کے پاس سے گزرے جس پر مشرک اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے بھی ایک ''ذات أنواط'' (مشرکوں کے اس مذکورہ درخت کا نام) مقرر کردو، جیسے ان (مشرکوں) کا ''ذات انواط'' ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الله أكبر! هذه السُّنن ـوفي رواية: السَّنن ـ لقد قلتم كما قال قوم موسىٰ لموسىٰ: اجعل لنا الٰها كما لهم آلهة» ❷

''اللہ اکبر! یہ تو وہی (بنی اسرائیل والی) عادات ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے۔ یہ تو وہی (بنی اسرائیل والا) انداز اور طرز ہے، تم

---

❶ حسن. مسند أحمد [387/3]

❷ صحيح. مسند أحمد [218/5]

نے تو وہی بات کر دی جو قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی، (انھوں نے ایک قوم کو بچھڑے کی پوجا کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا: اے موسیٰ!) ہمیں بھی کوئی الٰہ بنا دو جیسے ان کے الٰہ ہیں۔''

مگر یہودیوں کے موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہنے: "اجعل لنا إلٰها كما لهم آلهة" (ہمیں کوئی معبود بنا دو جیسے ان کے معبود ہیں) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے: "اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذات أنواط" (ہمارے لیے کوئی ذات انواط مقرر کردو جیسے ان کا ذات انواط ہے) کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ان کو ایک بت بنا دیں جس کی وہ عبادت کریں، لیکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے درخت کی طرح ایک درخت مقرر کرنے کا مطالبہ کیا جس پر وہ اسلحہ لٹکائیں، مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنی اسرائیل کے ساتھ) لفظی مطابقت کا انکار کیا اور مسلمانوں کے کفار کی مشابہت اختیار کرنے کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

پھر یہ بات بھی محل غور ہے کہ کفار کو آخر یہ ڈرامے اور فلمیں بنانے اور دیکھنے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے؟! وہ چیز یہ ہے کہ بلاشبہ ان کے پاس روحانی غذا نہیں ہے، جو ہمارے پاس ہے، پس اس لیے جب ہم ان سے (جعلی ترقی و بہتری کے) یہ وسائل اخذ کریں گے تو یہ ایک الگ چیز ہے، اور ہمارا ان سے گاڑیاں اور ہوائی جہاز وغیرہ لینا ایک دوسری چیز ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں داخل نہیں ہیں:

«من تشبه بقوم فهو منهم»[1]

''جس نے کسی قوم کی مشابہت کی پس وہ ان ہی میں سے ہے۔''

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4031]

اور جب ٹیلی ویژن پر صرف ضروری اشیاء پیش کی جائیں تو (استفادے کا) یہ ایک جائز ذریعہ اور وسیلہ ہے، لیکن جب ٹیلی ویژن پر (اچھا اور برا) سب کچھ پیش کیا جانے لگے تو یہ گزشتہ صورت سے مختلف صورت ہے اور ہمارے لیے یہ اہم نہیں کہ ہم مفروضے قائم کریں جبکہ ہماری واقعاتی زندگی اس کے خلاف ہو۔

پس ہم یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ اس ٹیلی ویژن کا کیا حکم ہے جو آج ہم عالم عرب میں دیکھتے ہیں؟ مثلاً ہم صرف یہی کیوں نہیں پوچھا کرتے: علمی مجلسوں کا کیا حکم ہے؟ پس ہم ایسی چیز کے متعلق ہی سوال کریں جس کے جائز ہونے کا امکان ہو، اور ہم ان اشیاء سے چشم پوشی کرلیں جو یقیناً ناجائز ہیں۔

حتی کہ مثلاً کوئی ٹیلی ویژن کا چینل یہ کام کر پایا کہ وہ مسلمان علماء میں سے کسی عالم کو (ٹیلی ویژن پر) پیش کرے کہ وہ مناسک حج بیان کرے اور مسلمان ان کو سیکھ لیں؟

بلکہ اس سے بھی زیادہ وسعت پیدا کی جائے، کیا کوئی عالم رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھتا ہوا ٹیلی ویژن کی سکرین کے ذریعہ لوگوں کو دکھایا گیا تاکہ لوگ صحیح نماز نبوی کو جان سکیں؟ پس ہم ایسی چیز کی فکر اور اہتمام کیوں نہیں کرتے جو یقینی طور پر مسلمانوں کے لیے مفید ہو؟ بلکہ اس کے برعکس ہم بیٹھے یہی سوال پوچھے جاتے ہیں کہ کیا جائز ہے اور کیا جائز نہیں ہے؟!

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

عورت کا عورتوں یا اپنے خاوند کے سامنے رقص کرنے کا حکم

سوال عورت کا اپنے خاوند کے سامنے رقص کرنا، اور اسی طرح عورتوں کے ساتھ مل کر یعنی ڈانس کرنا اور اسی طرح مردوں کے دھمال اور بھنگڑا ڈالنے

کے متعلق ہم یہ تو جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حرام ہے، لیکن اس کے حرام ہونے کی دلیل کیا ہے؟ ہمیں جواب سے نوازیں۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب یہ سوال تین چیزوں کو پر مشتمل ہے:

اولاً: عورت کا اپنے خاوند کے سامنے رقص اور ڈانس کرنا۔

ثانیاً: عورت کا اپنے جیسی عورتوں کے ساتھ مل کر ڈانس اور رقص کرنا۔

ثالثاً: مردوں کا دھمال اور بھنگڑا ڈالنا۔

پہلا امر: اور وہ یہ ہے کہ عورت کا اپنے خاوند کے سامنے رقص کرنا، اگر تو وہ فطری رقص ہے تو ممنوع نہیں ہے، یعنی اس نے باقاعدہ رقص کی تعلیم حاصل کر کے اس کو نہیں سیکھا ہے، جیسا کہ یہ دور حاضر کا جدید فیشن ہے۔ اور اگر عورت کا وہ رقص مرد کی شہوت کو تحریک دینے والا ہو تو اس رقص کی حرمت پر کوئی نص موجود نہیں ہے، بشرطیکہ یہ رقص میاں بیوی کے درمیان ہی ہو۔

لیکن اگر اس نے اس رقص کو بطور مشغلہ کے اختیار کر رکھا ہو اور موجودہ دور میں چلنے والے رقص کے باقاعدہ اصول و ضوابط پڑھے اور سیکھے ہوں تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ اپنے خاوند کے سامنے رقص کرتی ہے تو وہ کبھی اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور کے سامنے بھی رقص کرے گی۔

رہا اس کا عورتوں کے سامنے رقص کرنا؛ تو میں کہوں گا: اگر تو اس رقص سے مراد موجودہ دور کا رقص ہے تو یہ بالکل واضح ہے، بلاشبہ وہ جائز نہیں ہے، اور اگر کہا جائے: آپ کے اس قول کی دلیل کیا ہے؟ تو میں کہوں گا: بلاشبہ معاملات میں اعتدال و میانہ روی بہت نادر ہے، اکثر افراط و تفریط کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، خاص طور پر جب لوگ ایک مخصوص چیز سے انحراف کر کے لمبا عرصہ زندگی گزار چکے ہو تو جب ان کے سامنے حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ چیز جس

میں وہ مبتلا ہیں اس میں شریعت سے انحراف پایا جاتا ہے اور شریعت اس کے درست ہونے کا انکار کرتی ہے تو وہ (بجائے مان لینے کے) شریعت سے اعراض وانحراف کرتے ہیں، پس اس سے اس کے خلاف شدید ردعمل پیدا ہوجاتا ہے۔

اور یہ ہے وہ چیز جس کا ہمیں دور حاضر میں سامنا ہے، عام مسلمانوں نے کئی صدیاں ایسی گزاری ہیں کہ وہ اس کے علاوہ کسی چیز سے واقف نہ تھے، یہ فلاں مذہب ہے، یہ فلاں مذہب ہے، چار مذاہب اہل السنّت والجماعت کے مذاہب ہیں اور یہ ان مذاہب سے جدا ہیں جو مذہب اہل سنت والجماعت کے طریقے سے ہٹے ہوئے ہیں، رہا قال اللہ وقال الرسول پر اعتماد تو یہ ان زمانوں میں موجود تھا جس کے خیر و بہتر ہونے کی (نبی ﷺ کی طرف سے) گواہی دی گئی ہے، پھر ایک عرصہ تک یہ اعتماد ختم رہا حتی کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے مخلص شاگردوں کا دور آیا تو انھوں نے مسلمانوں کو اس بات سے خبردار کیا کہ سلف کے کتاب وسنت پر اعتماد والے منہج کی طرف لوٹ جانا واجب ہے۔

اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کی اس دعوت کا بڑا اچھا اثر تھا، لیکن ان کے دور میں اس کا حلقہ انتہائی کمزور تھا اور فکری جمود عام لوگوں پر ہی نہیں بلکہ خاص لوگوں پر بھی غالب و طاری رہا، پھر اس کے بعد وہ دور آیا کہ یہ بیداری پھر سے دب کے رہ گئی جس کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پیدا کیا تھا، اور لوگ پھر سے فقہی جمود کا شکار ہوگئے، سوائے اس دور کے اور کچھ تھوڑا سا اس سے پہلے کے دور میں، چنانچہ بہت سے علماء کھڑے ہوئے جنھوں نے اس بات سے خبردار کیا کہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کی ضرورت کی دعوت کی تجدید ہونی چاہیے اور اس کام کی طرف سبقت کرنے

والے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ تھے، کیونکہ انھوں نے فی الواقع کتاب وسنت کی اتباع کی طرف دعوت دی، لیکن ان علاقوں کی طرف دیکھتے ہوئے جن میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے ملک میں نجدی عرب زندگی بسر کر رہے تھے اور ان بت پرستوں کی صورت پر غور وفکر کرتے ہوئے جو شیخ کے علاقوں میں آباد تھے، اس وقت شیخ کی سب سے بڑی کوشش اور کاوش توحید کی دعوت کو کھڑا کرنے کا اہتمام تھا۔

اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ یہ ایک انتہائی طبعی معاملہ ہے کہ بے شک انسان کی طاقت محدود ہے، پس وہ جیسے لوگ کہتے ہیں چومکھی لڑائی نہیں لڑ سکتا، اسی بنا پر شیخ کی تمام کاوشیں دعوت توحید کو پھیلانے اور اسباب شرک و بت پرستی کے خلاف لڑنے پر صرف ہوئیں، اور وہ اس معاملہ میں بہت زیادہ توفیق دیے گئے اور بعد میں ان کی یہ پاکیزہ دعوت عالم اسلام میں پھیل گئی، اور انتہائی افسوس کہ ان کے اور ان کے مخالفین کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں۔ اپنی مخلوق کے متعلق اللہ تعالیٰ کی یہی سنت اور طریقہ ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقے کو بدلا ہوا نہیں پاؤ گے۔

لیکن موجودہ دور میں بعض علماء نے کتاب وسنت کی دعوت کی تجدید کا اہتمام کیا اور عربی ممالک میں عام اور خاص حلقوں میں اس مسئلہ میں کافی بیداری پیدا ہوئی، لیکن عجمی ممالک کے متعلق افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی بیہوشی میں ہی مبتلا رہے۔

مگر ان عرب ممالک میں ایک کمزوری باقی رہی، جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے وہ یہ کہ ان میں سے بعض لوگوں میں میانہ روی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک چیز سے آگاہ تھے تو دوسری چیز سے یکسر جاہل تھے، پس آپ ان میں سے عامی شخص کو، جو کچھ بھی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا، دیکھیں گے کہ جب وہ کسی عالم

سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ خواہ اس کا جواب نفی اور منع میں ہی ہو مگر وہ جلدی سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی دلیل کیا ہے؟

اور بعض اوقات اس عالم کے لیے دلیل پیش کرنا ممکن نہیں ہوتا، خصوصاً جب دلیل استنباط کی ہوئی ہو، اور کتاب وسنت میں وہ مسئلہ منصوص علیہ نہیں ہوتا کہ اس کی دلیل پیش کی جائے، لہٰذا اس قسم کے مسئلہ میں سائل کے لیے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ گہرائی اور باریکی میں جاتے ہوئے کہے: اس (مسئلہ) کی دلیل کیا ہے؟ اسے اپنے نفس کو پہچاننا چاہیے کہ کیا وہ اہل دلیل میں سے ہے یا نہیں؟ کیا اس کے پاس عام و خاص، مطلق و مقید اور ناسخ و منسوخ کی معرفت کا علم ہے؟ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں سمجھتا ہے تو کیا اس کو یہ کہنا مفید ہوگا: اس کی دلیل کیا ہے؟ اور اس کی بنیاد کیا ہے؟

میں کہتا ہوں: عورت کے اپنے خاوند کے سامنے رقص کرنے یا عورت کے اپنی مسلمہ بہن کے سامنے رقص کرنے کے جائز یا ممنوع ہونے پر اور مردوں کے دھمال اور بھنگڑا ڈالنے کے حکم پر وہ سائل دلیل چاہتا ہے تو فی الحقیقت ہمارے پاس اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی منصوص دلیل موجود نہیں ہے، اس کی دلیل کا انداز تو صرف نظر وفکر، استنباط اور تفقہ ہوگا۔

اسی لیے ہم بعض اوقات کہتے ہیں: ہر مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس پر تفصیلی دلیل ہو جس کو کوئی مسلمان سمجھ سکے، خواہ وہ عام آدمی ہو یا جاہل ہو یا وہ طالب علم ہو، اور مسائل میں سے ہر مسئلہ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: 43]

''اگر تمہیں علم نہیں تو اہل علم سے سوال کر لو۔''

حد اعتدال سے تجاوز کرنے کا ایک انداز، جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے، یہ بھی ہے کہ لوگوں میں سے جاہل (استنباطی) دلیل سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ بلاشبہ بہت سے کتاب و سنت کی طرف دعوت کی طرف منسوب لوگ تہمت لگاتے ہیں کہ عالم سے جب کسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس میں ''قال اللہ'' اور ''قال الرسول'' کہے۔

میں کہتا ہوں: یہ واجب نہیں ہے اور یہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے منہج اور ان کی سیرتوں کی طرف منسوب فوائد میں سے ایک ہے، اور ان کے فتوی جات، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، استنباطی دلیل پر مشتمل ہوتے تھے۔

سو اس بنا پر دلیل کا ذکر کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب امر واقعی اس کا تقاضا کرتا ہو، لیکن اس پر واجب نہیں ہے کہ جب بھی اس سے کوئی سوال دریافت کیا جائے تو وہ کہے: اللہ نے یوں فرمایا، یا اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے، خصوصاً جب وہ مسئلہ فقہ کے دقیق اور اختلافی مسائل میں سے ایک ہو۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: 43] کا اولاً تقاضا یہ ہے کہ آپ کے ذمہ مطلق طور پر واجب ہے کہ آپ اس شخص سے سوال کریں جس کے متعلق آپ کو گمان ہو کہ وہ اہل علم میں سے ہے، پس جب آپ اس سے پوچھے گئے سوال کا جواب سن لیں تو آپ پر اتباع واجب ہوگا، الا یہ کہ آپ کو کوئی شبہہ ہو جس کے متعلق آپ نے کسی اور عالم سے کچھ سن رکھا ہو تو اس شبہے کو پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لہٰذا تب اس عالم پر واجب ہوگا کہ اس سائل کو جو شبہہ درپیش ہے وہ اپنے علم کے مطابق اس شبہہ کو دور کرنے کی پوری کوشش کرے۔

خلاصہ کلام: عورت کا اپنے خاوند کے سامنے رقص کرنا مذکورہ قید کے ساتھ جائز ہے، لیکن عورت کا اپنے جیسی دیگر عورتوں کے سامنے رقص کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں، جس طرح میں نے ابھی خاوند کے سامنے رقص کرنے کی دو صورتیں بیان کی ہیں: اگر رقص اس کا مشغلہ نہ ہو بلکہ اس میں صرف ہاتھوں کو ہلا کر تفریح کا اہتمام کیا جائے، اور اس میں سرین اور دیگر اعضاء کو یوں حرکت نہ دی جائے کہ اس سے نفس میں (گناہ و زنا کی) تحریک پیدا ہو، یا اس سے (رقص کرنے والی کے بدنیت و بدکردار ہونے کے) شبہات پیدا ہوں تو اگر اس مذکورہ انداز کو رقص کہا جا سکتا ہے تو یہ رقص کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن اگر مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی اس رقص میں موجود ہو تو پھر اس میں اصل یہ ہے کہ اس سے روک دیا جائے۔ رہا مردوں کا دھمال، پس اگر تو وہ اس دھمال سے مشابہت رکھتا ہے جس کو عموماً ہم صرف گانے کے ساتھ ملا ہوا دیکھتے ہیں، چہ جائیکہ اس میں غیر مشروع الفاظ ہوں تو لہو و تفریح کا یہ انداز ایسا نہیں ہے کہ اس میں رغبت اور دلچسپی ظاہر کی جائے بلکہ اس سے کنارہ کشی کرنا ہوگی، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كل لهو يلهو به ابن آدم باطل، إلا مداعبته لامرأته، وملاعبته لفرسه، ورميه بقوسه، والسباحة»[1]

''ہر وہ کھیل جس سے ابن آدم غفلت کا شکار ہو جاتا ہے وہ باطل ہے اور اگر کوئی کھیل جائز ہے تو وہ یہ کہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی، گھوڑے، تیر چلانے اور تیراکی کا کھیل کھیلے۔''

تو ہم اس حدیث سے یہ دیکھتے ہیں کہ مذکورہ رقص باطل ہے اور جب

[1] صحیح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1637]

اس کھیل کی یہ حالت ہے، جو وہ کسی بھی لحاظ سے غیر مشروع چیز سے محفوظ ہو، کہ وہ کنارہ کشی کیے جانے کے لائق ہے، حق اور جائز نہیں ہے، تو تب تو ہم کہیں گے: مذکورہ رقص جائز تو ہے لیکن اس حدیث کے پیش نظر، جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے، وہ راجح نہیں بلکہ مرجوح ہے۔

پس میرے گمان کے مطابق (واللہ اعلم) بلاشبہ میں اس قسم کے دھمال کے متعلق یہ گواہی نہیں دیتا کہ اس کا خلاف شرع چیزوں سے محفوظ ہونا ممکن نہیں، اور یہ اس طرح مثلاً ہم بعض اوقات دھمال سنتے ہیں جس میں موسیقی شامل ہوتی ہے اور ادھر سے مؤذن اذان دے رہا ہوتا ہے اور امام قرآن کی جہری قراءت کر رہا ہوتا ہے، لیکن وہ ان میں سے کسی چیز کی طرف توجہ نہیں دیتے بلکہ وہ اپنے اس لہو ولعب میں مگن رہتے ہیں۔

تب تو یہ دھمال مرجوح لہو ولعب سے ہوگا۔ اور ہم یہ نہیں کہیں گے کہ وہ حرام ہے، الا یہ کہ اس کے ساتھ کسی بھی پہلو سے کوئی خلاف شرع چیز ملی ہوئی ہو تو اس وقت یہ بلاشبہ حرام ہوگا۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

شادیوں کے موقع پر عورتوں کا آپس میں رقص کرنے کا حکم

سوال شادی وغیرہ کی محفل میں عورتوں کا آپس میں رقص کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب شادی کی مناسبت سے عورتوں کے رقص کرنے اور دف کے ساتھ خلاف شرع الفاظ سے محفوظ گیت گانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ اس اعلان نکاح کا جزو اور حصہ ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے، بشرطیکہ یہ رقص صرف عورتوں کے حلقے میں ہو اور اس میں گانے کی آواز اتنی بلند نہ

ہو کہ وہ اس جگہ سے باہر نکلے، نیز اس میں یہ شرط ہے کہ رقص میں جیسے اس کی پنڈلیاں، ذراعین (ہاتھوں سے کہنیوں تک بازو) اور عضدین (کہنیوں سے کندھوں تک کے بازو) اس طرح مکمل باپردہ ہوں کہ دوران رقص عورت کے ستر کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو، بس صرف اس کے جسم کا وہی حصہ کھلا ہوا ہو جو عام طور پر ایک مسلم عورتوں کی موجودگی میں کھولا کرتی ہے۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ حفظہ اللہ)

بوسہ لینا، مصافحہ کرنا اور سلام کے مسائل

عورت کا مرد کے سر پر سلام کرنا۔

سوال ہمارے ہاں کچھ عادات و رواج ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بلاشبہ عورت مرد کے سر پر سلام کرتی ہے اور اس کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے: جب مرد آکر عورتوں کو سلام کرتا ہے تو عورتیں جواب میں مرد کے سر پر سلام کرتی ہیں، بشرطیکہ اس کے سر پر غترہ یا ٹوپی ہو اور یہ سلام عورتوں کی طرف سے مرد کو بوسہ دیے اور اس کے سامنے ادباً جھکے بغیر ہوتا ہے، جناب فضیلۃ الشیخ مجھے اس قسم کی سلام کے حکم کے متعلق بتایئے گا، واضح ہو کہ عورتوں کی طرف سے مرد کو یہ سلام اس کو بوسہ دینے یعنی مرد کو رخسار پر بوسہ دیے بغیر ہوگا؟

جواب عورت کے لیے باپ، بھائی اور دیگر محرم رشتہ داروں کو ایسا سلام کرنا جائز ہے، جیسا کہ ان محرم رشتہ داروں سے مصافحہ کرنا جائز ہے، رہا اجنبی مرد تو عورتوں کے لیے فتنہ سے بچتے ہوئے نہ اس سے مصافحہ کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے سر کو بوسہ دینا خواہ اس کے سر پر غترہ ہو یا نہ ہو۔

(سعودی فتویٰ کمیٹی)

اجنبیوں سے مصافحہ کرنے کا حکم۔

سوال ہم ایک ایسی بستی میں رہتے ہیں جہاں کے لوگوں کی عادتیں بہت بری ہیں، مثلاً جب گھر میں کوئی مہمان آتا ہے تو گھر کے تمام افراد خواتین و حضرات اس سے مصافحہ کرتے ہیں، پس جب میں کسی مرد مہمان سے مصافحہ

نہیں کرتی ہوں تو وہ مجھے "شاذہ" (نامناسب و نامانوس طرز عمل اختیار کرنے والی) ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ عزوجل کا حکم مان کر اور اس کی نہی سے رک کر اس کی اطاعت بجا لائے، ایسی اطاعت کرنے والے کو "شاذ" (مانوس طرز عمل اختیار کرنے والا) نہیں کہا کرتے، بلکہ شاذ تو وہ ہے جو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور سوال میں جس عادت کے متعلق سوال کیا گیا ہے یہ بری عادت ہے، لہٰذا عورت کا غیر محرم مرد سے مصافحہ کرنا، خواہ وہ کسی حائل اور رکاوٹ کے ساتھ ہو یا ننگے ہاتھ کے ساتھ، حرام ہے، کیونکہ عورت کے ہاتھ کو غیر محرم مرد کے ہاتھ کو چھونے سے فتنہ بھڑکتا ہے اور اس کی وعید میں کئی احادیث موجود ہیں، اگرچہ ان کی سندیں قوی اور مضبوط نہیں ہیں، لیکن ان کا معنی ومفہوم ان کی صحت کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم

میں مذکورہ سائلہ سے کہوں گا کہ وہ اس عادت بد کے ترک کرنے پر اپنے گھر والوں کے اعتراض و احتجاج پر کان نہ دھرے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نصیحت کرے کہ وہ اس بری عادت کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی والے اعمال بجا لائیں۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

اجنبی بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنے کا حکم۔

سوال اجنبی عورت سے مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ اپنے ہاتھ پر کپڑے وغیرہ کی رکاوٹ و آڑ بنا لے تو پھر کیا حکم ہے؟ اور کیا مصافحہ کرنے والے کے جوان یا بوڑھا ہونے اور جس عورت سے مصافحہ کیا جاتا

ہے اس کے بوڑھی ہونے سے حکم مختلف ہوگا؟

جواب غیر محارم عورتوں سے چاہے وہ جوان ہوں یا بوڑھی اور چاہے مصافحہ کرنے والا جوان ہو یا بوڑھا کھوسٹ کسی صورت میں مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے دونوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔

صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے:

«إني لا أصافح النساء» [1]

''بلاشبہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے:

«ما مست يد رسول الله صلى الله عليه وسلم يد امرأة قط، ما كان يبايعهن إلا بالكلام» [2]

''رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، آپ ﷺ تو ان سے صرف زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔''

عمومی دلائل کی وجہ سے اور اسباب فتنہ کا سد باب کرنے کے لیے ہاتھ پر (کپڑے وغیرہ) کی رکاوٹ اور بغیر رکاوٹ کے مصافحہ کرنے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنے کا حکم۔

سوال کیا عمر رسیدہ بیمار بوڑھی عورت کی زیارت کرنا اور اس سے مصافحہ اور خلوت کرنا جائز ہے؟

---

1. صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4181]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [4983] صحيح مسلم، رقم الحديث [1866]

جواب اگر ہم مندرجہ ذیل مقولہ کو ذہن میں نہ لائیں تو اس سوال میں مذکورہ کاموں کے جواز کا فتویٰ دینا ممکن ہے، مقولہ اور ضرب المثل یہ ہے:
"لكل ساقطة في الحي لاقطة" (ہر گری پڑی چیز کو کوئی اٹھانے والا ہے)، لہٰذا بوڑھی عورت کی زیارت، مصافحہ اور خلوت سے دور رہنا ہی اولیٰ و بہتر ہے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

اجنبی عورت کو سلام کہنے کا حکم۔

سوال میں ایک یونیورسٹی کا طالب علم ہوں اور بعض اوقات میں نوجوان لڑکیوں کو سلام کہتا ہوں، پس کیا طالب علم کا کالج (یونیورسٹی وغیرہ) میں اپنی ساتھی لڑکی کو سلام کرنا حرام ہے یا حلال؟

جواب اولاً: ایک جگہ، ایک سکول اور ایک کرسی پر جوان لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنا ہی جائز نہیں ہے، بلکہ یہ تو فتنہ کے بڑے اسباب میں سے ہے، لہٰذا طالب علم لڑکے اور لڑکی کے لیے اس قسم کا پرفتن اختلاط و اشتراک جائز نہیں ہے۔

رہا سلام کہنا تو اس طالب علم لڑکے کے لڑکی کو ایسا شرعی سلام کرنے میں، جس میں اسبابِ فتنہ کی آمیزش نہ ہو، کوئی حرج نہیں ہے، اور نہ ہی طالب علم لڑکی کے لڑکے کو بغیر مصافحے کے سلام کہنے میں کوئی حرج ہے، کیونکہ اجنبی مرد سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ وہ دور سے حجاب کے ساتھ اسباب فتنہ سے دور رہتے ہوئے خلوت اختیار کیے بغیر سلام کہے، لہٰذا ایسے شرعی سلام میں، جو فتنہ انگیز نہ ہو، کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر لڑکے کا لڑکی کو یا لڑکی کا لڑکے کو سلام کرنا باعث فتنہ ہو یعنی شہوت کے ساتھ اور اللہ کے حرام کردہ کاموں میں

رغبت کی غرض سے ہو تو یہ سلام شرعاً ممنوع ہے، وباللہ التوفیق

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

سوال کیا بغیر مصافحہ کے عورت کا مردوں کو سلام کہنا جائز ہے؟

جواب فقہاء کے ہاں اس مسئلہ میں تفصیل ہے، اور (واللہ اعلم) راجح بات یہ ہے کہ بلا شبہ نوجوان عورت کے لیے مردوں کو سلام کہنا جائز نہیں ہے۔

لیکن جب عورت ایسی عمر رسیدہ ہو اور ظن غالب ہو کہ اس کے سلام کہنے سے کوئی فتنہ برپا نہیں ہوگا تو اس کے مردوں کو سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے مرد کے بوڑھی عورت کو سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہم سلف صالحین کی کوئی ایسی سنت اور طریقہ نہیں جانتے کہ وہ جب عورتوں کے پاس سے گزرتے ہوں تو بغیر کسی عمر کا فرق کیے ان کو سلام کہتے ہوں۔ اور نوجوان عورت کے مردوں کو سلام نہ کرنے سے سببِ فتنہ کا سدباب ہو جاتا ہے، بہت سی شرعی نصوص اس قاعدہ پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے واضح ترین نص آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«كتب على ابن آدم حظه من الزنا، فهو مدركه لا محالة، فالعين تزني وزناها النظر، والأذن تزني وزناها السمع، واليد تزني وزناها البطش، والرجل تزني وزناها المشي، والفرج يصدق ذلك أو يكذبه»[1]

''ابن آدم پر اس کا حصہ زنا (اس کی تقدیر میں اس) پر لکھ دیا گیا ہے، پس وہ لازمی طور پر اس کو حاصل کرنے والا ہے، لہٰذا آنکھ زنا کرتی ہے اور اس کا زنا (ناجائز) دیکھنا ہے، اور کان زنا کرتا ہے اور اس کا زنا (ناجائز) سننا ہے، اور ہاتھ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5889] صحيح مسلم، رقم الحديث [2657]

(ناجائز) چھونا ہے، اور پاؤں زنا کرتا ہے اور اس کا زنا (ناجائز) چلنا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔" یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے۔

سنن ابی داود میں صحیح سند والی ایک روایت میں آپ ﷺ کے اس قول «والرجل تزني» کے بعد یہ الفاظ ہیں: «والفم يزني، وزناها القبل» "اور منہ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا کسی کو (ناجائز) بوسہ دینا ہے۔"

سو اس حدیث میں دو قسم کی حرام چیزوں کا بیان ہے:

۱۔ پہلی وہ ہے جو کسی دوسری (حرام) چیز کی وجہ سے حرام ہے اور وہ ہے سبب کا سد باب کرنا۔

۲۔ دوسری وہ ہے جو بذات خود حرام ہے اور وہ زنا ہے۔

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

اجنبی عورت کے ساتھ گفتگو کرنے کا حکم۔

سوال جب آدمی کسی سے بات کرنے کے لیے ٹیلی فون کرتا ہے تو سامنے سے عورت اس سے مخاطب ہو جاتی ہے، پس وہ اس کے بھائی یا خاوند یا کسی اور فرد کے متعلق پوچھتا ہے، تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

جواب جب مجبوراً کلام کرنا پڑے تو اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ پہلے سلام کیا جائے۔ اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ مرد فتنہ کا سد باب کرتے ہوئے عورت سے کلام نہ کرے، اور اگر اس کلام کے پیچھے کسی فتنے فساد کا ڈر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسے ہی جب عورت اپنی بہن یا سہیلی سے ٹیلی فون کے ذریعہ رابطہ کرے تو سامنے سے مرد اس سے مخاطب ہو جائے تو وہ ضرورتاً اس سے اپنی بہن یا سہیلی کے متعلق پوچھے۔ اور جب عورت کو مجبوراً مرد سے کلام کرنا پڑے تو وہ کلام سے

پہلے سلام کہے، کیونکہ بعض صحیح احادیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

«من بدأكم بالكلام قبل السلام، فلا تجيبوه» [1]

''جو شخص سلام کرنے سے قبل ہی تم سے مخاطب ہو جائے تو اس کو جواب نہ دو۔'' (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

اجنبی کو بوسہ دینے کا حکم۔

سوال میں گاہے گاہے اپنے گھر والوں اور خاندان کے افراد کی بعض اوقات چھ ماہ بعد اور بعض اوقات پورے سال کے بعد زیارت کرتا ہوں، اور جب میں گھر پہنچتا ہوں تو چھوٹی بڑی سب خواتین میرا استقبال کرتی ہیں اور مجھے شرم و لجاجت کے ساتھ بوسہ دیتی ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ بلاشبہ یہ عادت ہمارے ہاں بہت پھیل چکی ہے اور میرے خاندان والوں کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی رائے کے مطابق اس کو حرام نہیں سمجھتے ہیں، لیکن میں چونکہ الحمد للہ احکام اسلامیہ کو اختیار کرنے والا ہوں، اس لیے میں اس معاملہ میں حیرانی و غفلت کا شکار ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ عورتوں کی تقبیل (بوسہ دینا) کی تلافی کس طرح میرے لیے ممکن ہے؟ واضح رہے کہ اگر میں ان سے مصافحہ نہ کروں تو وہ مجھ سے سخت ناراض ہوں گی اور یقیناً وہ کہیں گی یہ ہمارا احترام نہیں کرتا، ہمیں ناپسند کرتا ہے اور ہم سے وہ محبت نہیں کرتا۔ اور محبت سے مراد وہ محبت ہے جو خاندان کے افراد کو آپس میں جوڑتی ہے نہ کہ وہ محبت جو نوجوان لڑکے اور لڑکی کو آپس میں (غلط تعلقات کے ساتھ جوڑتی ہے)؟

---

[1] صحيح. صحيح الجامع، رقم الحديث [6122]

جواب مسلمان کے لیے اپنی بیوی اور محارم عورتوں کے سوا کسی سے مصافحہ کرنا اور اس کا بوسہ لینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ حرام کاموں اور فتنہ کے اسباب اور بے حیائیوں کے پھیلانے سے ہے۔

یقیناً آپ ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے:

«إني لا أصافح النساء» [1]

''بلاشبہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

نیز فرمایا:

«ما مست يد رسول الله صلى الله عليه وسلم يد امرأة قط، ما كان يبايعهن إلا بالكلام» [2]

''رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، آپ ﷺ تو ان سے صرف زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔''

اور غیر محارم عورتوں سے مصافحہ کرنے سے بھی زیادہ بری چیز ان کا بوسہ لینا ہے، خواہ وہ چچا کی بیٹیاں ہوں یا ماموں کی، یا پڑوسیوں کی عورتیں ہوں یا قبیلہ کی دیگر عورتیں، یہ تمام امور مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ حرام ہیں، اور حرام بے حیائیوں میں مبتلا ہونے کے بڑے وسائل و اسباب میں سے ہیں۔

لہٰذا مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس سے پرہیز کرے اور رشتہ دار و غیر رشتہ دار عورتوں میں سے جو اس کی عادی بن چکی ہیں ان کو اس بات پر قائل کرتے ہوئے مطمئن کرے کہ یہ عمل حرام ہے، اگرچہ لوگ اس کے عادی بن چکے ہیں۔ مسلمان مرد ہو یا عورت اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ

---

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4181]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [4983] صحيح مسلم، رقم الحديث [1866]

ان کے قرابت دار اور اہل شہر اس کے عادی ہو چکے ہوں، بلکہ ان پر اس کا انکار کرنا اور معاشرے کو اس سے بچانا واجب ہے، اور چاہیے کہ اس معاملہ میں مصافحہ اور تقبیل (بوسہ دینا) کے بغیر زبانی سلام پر اکتفاء کیا جائے۔

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

اجنبی عورت مصافحہ کرنے کا حکم۔

سوال اجنبی عورت سے مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ حرام ہے۔ ''بخاری و مسلم'' میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں:

«ما مست يد رسول الله ﷺ يد امرأة قط»[1]

''رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔''

''جامع ترمذی'' میں امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إني لا أصافح النساء»[2]

''بلاشبہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

اور ''بخاری و مسلم'' میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كتب على ابن آدم حظه من الزنا، فهو مدركه لا محالة، فالعين تزني وزناها النظر، والأذن تزني وزناها السمع، واليد تزني وزناها البطش، والرجل تزني وزناها المشي، والفرج يصدق ذلك أو يكذبه»[3]

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [4983] صحيح مسلم، رقم الحديث [1866]
2. صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [4181]
3. صحيح البخاري، رقم الحديث [5889] صحيح مسلم، رقم الحديث [2657]

"ابن آدم پر اس کا حصہ زنا (اس کی تقدیر میں اس) پر لکھ دیا گیا ہے، پس وہ لازمی طور پر اس کو حاصل کرنے والا ہے، لہٰذا آنکھ زنا کرتی ہے اور اس کا زنا (ناجائز) دیکھنا ہے، اور کان زنا کرتا ہے اور اس کا زنا (ناجائز) سننا ہے، اور ہاتھ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا (ناجائز) چھونا ہے، اور پاؤں زنا کرتا ہے اور اس کا زنا (ناجائز) چلنا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔"

امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی "معجم" میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لأن يطعن أحدكم بمخيط من حديد في رأسه خير له من أن يمس امرأة لا تحل له»[1]

"تم میں سے کسی شخص کا اپنے سر میں لوہے کی سوئی سے سوراخ کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔" (مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ)

بیٹی کو بوسہ دینے کا حکم۔

سوال کیا آدمی کے لیے اپنی بیٹی کا بوسہ لینا جائز ہے، جب وہ بڑی ہو جائے اور سن بلوغت سے آگے بڑھ جائے، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، خواہ اس کے رخسار، یا منہ یا کسی اور حصے کا بوسہ لے؟ اسی طرح جب بیٹی باپ کا ان جگہوں سے بوسہ لے تو کیا حکم ہے؟

جواب آدمی کے لیے اپنی چھوٹی اور بڑی بیٹی کا بغیر شہوت کے بوسہ لینا جائز ہے، بشرطیکہ بیٹی کے بڑی ہونے کی صورت میں بوسہ اس کے رخسار پر ہو،

[1] صحیح۔ المعجم الكبير للطبراني [211/20]

کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ بلاشبہ انھوں نے اپنی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان کے رخسار سے بوسہ لیا تھا۔ اور اس لیے بھی کہ منہ پر بوسہ دینا جنسی خواہش میں تحریک پیدا کر دیتا ہے، لہٰذا منہ پر بوسہ دینا چھوڑنا ہی بہتر اور احوط ہے۔ اسی طرح بیٹی کے لیے اپنے باپ کی ناک یا سر پر بغیر شہوت کے بوسہ دینا جائز ہے۔ رہا شہوت کے ساتھ بوسہ لینا تو یہ فتنہ کو دباتے ہوئے اور بے حیائی کے اسباب کا سد باب کرتے ہوئے دونوں پر حرام ہے، واللہ ولی التوفیق (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

منہ کا بوسہ لینے کا حکم۔

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ باپ اپنی بیٹی اور ماں اپنے بیٹے کا منہ سے بوسہ نہ لے؟

جواب ہاں یہ صحیح اور درست ہے، پس آدمی کے لیے اپنی ماں کا اور اپنی بیٹی کا ان کے منہ سے بوسہ لینا لائق نہیں ہے، اور ایسے ہی بھائی کو لائق نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن، پھوپھی، خالہ اور اپنی محارم عورتوں میں سے کسی کا بھی منہ سے بوسہ لے، لہٰذا منہ سے بوسہ لینا خاوند کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم

(عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ)

داماد کا اپنی ساس سے مصافحہ کرنا اور اس کے ساتھ سفر کرنے کا حکم۔

سوال کیا بیوی کی ماں (خوشدامن) سے مصافحہ کرنا اور اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے؟

جواب جی ہاں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اس کی محارم عورتوں میں سے ہے، کیونکہ بلاشبہ اللہ جل وعلا نے بیوی کی ماں (ساس) اس کی بیٹی کے خاوند (داماد) پر ابداً حرام قرار دی ہے، پس وہ تیری محارم عورتوں

میں سے ہے، اسی لیے تیرے اس سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور تیرے اس کے ساتھ سفر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ تو اس کے لیے محرم ہے، الا یہ کہ جب تمھیں فتنہ کا ڈر ہو تو پھر اس کے ساتھ سفر نہ کرو۔ جیسے اگر تمھیں اس سے مصافحہ کرتے ہوئے فتنہ کے آموجود ہونے کا یا شہوت کے بھڑکنے کا ڈر ہو تو اس سے مصافحہ بھی نہ کرو۔ لیکن جب کسی خرابی اور محذور (ممنوع) کا خدشہ نہ ہو تو تیرے لیے اس سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی حرج ہے کہ تو اس کے ساتھ سفر کرے، کیونکہ تو اس کا محرم ہے، اور تیرے اس کی بیٹی کے ساتھ عقد نکاح کرنے کی وجہ سے وہ تیری محارم عورتوں میں شامل ہوچکی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ یعنی تم پر تمھاری بیویوں کی ماؤں (خوشدامنوں) سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔

(صالح بن فوزان بن عبداللہ ﷾)

تصویر کے
متعلق فتوے

حرام تصویروں کا بیان

سوال بعض لوگوں کی طرف سے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ بلاشبہ تصویریں حرام ہیں اور یقیناً اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوتی ہیں، کیا یہ صحیح اور درست ہے؟ اور کیا ان حرام تصویروں سے مراد آدمی یا حیوان کی ہیئت پر بنائی گئی مجسم تصویریں ہیں؟ یا یہ حرمت تمام تصویروں کو شامل ہے جیسے وہ تصویر جو شناختی کارڈ اور نوٹوں پر موجود ہوتی ہے؟ اگر تصویر کی حرمت ان تمام تصاویر کو شامل ہے تو گھر کو ان سے پاک کرنے کا کیا حل ہے؟ ہمیں جواب سے نوازیں۔

جواب جی ہاں، بلاشبہ تمام زندوں، جیسے آدمی یا حیوان، کی تصاویر حرام ہیں، خواہ وہ مجسم تصویریں ہوں یا کاغذ وغیرہ پر نقش کی گئی ہوں، یا کپڑے پر بُنی ہوئی ہوں یا کیمرے سے بنائی گئی تصویریں ہوں، بلاشبہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، کیونکہ صحیح احادیث کا عموم اس پر دلالت کرتا ہے۔

اور ان تصویروں کے بنانے کی رخصت ہے جن کے بنانے کی ضرورت اور مجبوری ہو، مثلاً مجرم اور مشکوک لوگوں کی تصویریں چھاپنا تاکہ ان کو گرفتار کیا جاسکے، پاسپورٹوں پر لگائی گئی تصویریں اور شناختی کارڈز پر لگائی گئی تصویریں ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ اور اس جیسی تصویریں فرشتوں کو گھروں میں داخل ہونے سے نہیں روکتی ہیں۔ اسی طرح ان بستروں اور تکیوں کی تصویریں جن کو کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ تصویر کی حرمت پر وارد ہونے والی احادیث میں سے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ويقال لهم أحيوا ما خلقتم»[1]

''بلاشبہ تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان کو کہا جائے گا جو تصویریں تم نے بنائی تھیں ان کو زندہ کرو۔''

اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے:

«أن النبي صلى الله عليه وسلم لعن آكل الربا وموكله والمصور»[2]

''بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے اور تصویریں بنانے والے پر لعنت کی ہے۔'' (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

گھروں میں تصویریں لٹکانے کا حکم

سوال گھروں اور دیگر مقامات پر تصویریں لٹکانے کا کیا حکم ہے؟

جواب ان تصویروں کا حکم، جبکہ ذی روح لوگوں کی تصویریں ہوں، یہ ہے کہ ان کا بنانا حرام ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

«ألا تدع صورة إلا طمستها ولا قبرا مشرفا إلا سويته»[3]

''(میں تمھیں اس مشن پر روانہ کرتا ہوں کہ) تو ہر تصویر کو مٹا دے اور ہر ابھری ہوئی قبر کو برابر کر دے۔'' اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

نیز عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انھوں نے اپنی ایک الماری کے سامنے ایسا پردہ لٹکا دیا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4886]
[2] المعجم الكبير [117/22]
[3] صحيح مسلم، رقم الحديث [969]

تو اس کو وہاں سے ہٹا دیا اور غصے سے آپ ﷺ کا چہرہ بدل گیا اور فرمایا:

«يا عائشة أن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ويقال لهم أحيوا ما خلقتم»[1]

''اے عائشہ! بلاشبہ ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان کو کہا جائے گا جو تم نے تصویریں بنائی ہیں ان کو زندہ کرو۔'' اس کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

لیکن جب تصویر گدے اور بستر میں ہو جس کو اکثر استعمال کیا جاتا ہے، یا تکیے میں جس سے ٹیک لگائی جاتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے: بلاشبہ آپ ﷺ کی جبریل علیہ السلام سے ملاقات طے ہوئی، پس جب جبریل علیہ السلام ملاقات کے لیے آئے تو وہ گھر میں داخل ہونے سے رک گئے تو نبی ﷺ نے ان سے سوال کیا، انھوں نے جواب دیا: بے شک گھر میں ایک مجسمہ ہے، اور ایک پردہ ہے، جس میں تصویریں ہیں اور ایک کتا ہے (ان کی وجہ سے میں گھر میں داخل نہیں ہوا) لہٰذا مجسمے کے متعلق حکم دیجیے کہ اس کا سر کاٹ دیا جائے اور پردے کے دو تکیے بنا لیے جائیں جن کو روندہ جائے، اور کتے کے متعلق حکم دیجیے کہ اس کو گھر سے نکال دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے جب یہ مذکورہ کام کیے تو جبریل علیہ السلام تب گھر میں داخل ہوئے، اس روایت کو نسائی وغیرہ نے عمدہ سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور مذکورہ حدیث میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ وہ کتا دراصل حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کا ایک پلا تھا جو گھر میں ایک چار پائی کے نیچے تھا۔

اور صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4886]

«لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة ولا كلب»[1]

''جس گھر میں تصویر اور کتا ہو فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔'' بخاری و مسلم نے اس کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔

اور جبریل علیہ السلام کا مذکورہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بستر وغیرہ کی تصویر فرشتوں کو گھر میں آنے سے نہیں روکتی۔ اسی طرح کی ایک روایت صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے مذکورہ پردے (جس میں تصویریں تھیں) سے ایک تکیہ بنا لیا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگایا کرتے تھے۔

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

کیا آدمی کا اپنی تصویر بنا کر اپنے گھر والوں کو بھیجنا جائز ہے؟

سوال کیا انسان کے لیے اپنی تصویر بنانا اور عید وغیرہ کے موقع پر اپنے گھر والوں کو بھیجنا جائز ہے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی احادیث مروی ہیں جن میں تصویر سے منع کیا گیا ہے، تصویریں بنانے والوں پر لعنت کی گئی ہے اور کئی طرح سے ان کی وعید بیان کی گئی ہے، لہٰذا مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی یا کسی اور ذی روح چیز کی تصویر بنائے سوائے ضرورت و مجبوری کے، مثلاً پاسپورٹ اور اس قسم کی کسی اور ضرورت کے لیے۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے احوال درست کر دے اور حکمرانوں کو اپنی شریعت کے ساتھ تمسک اور شریعت کی خلاف ورزی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہی سب سے بہتر ہے جس سے سوال کیا جائے۔ واللہ الموفق

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3053] صحيح مسلم، رقم الحديث [2106]

کیمرے کے ذریعہ بنائی جانے والی تصاویر کا حکم

سوال بعض لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ کیمرے کے ذریعہ بنائی جانے والی تصاویر ان تصویروں کے حکم میں داخل نہیں ہیں جن سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ وہ تو سائے کو روکنا ہے لہٰذا آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟

جواب یہ تو دور حاضر کا ایک جدید اشکال اور دھوکا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سائے کو روکنے والا کون ہے؟

بلاشبہ وہ (رسول اللہ ﷺ) انسان ہی تو ہیں جنھوں نے تصویر سے اور تصویروں کی کمائی سے منع کیا ہے، لہٰذا مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسی دو چیزوں میں فرق کرے جو آپس میں ملتی جلتی ہوں۔

پس برابر ہے کہ تصویر ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا آلہ (کیمرہ) کے ساتھ، آلے (کیمرے) سے بنائی گئی تصویر ہاتھ سے بنائی گئی تصویر کے حکم سے باہر نہیں ہے، کیونکہ ہاتھ ہی ہے جس نے تصویریں تیار کرنے والا کیمرہ ایجاد کیا ہے اور ہاتھ ہی اس کیمرہ کو استعمال کرتا ہے۔ اور شروع میں جب کیمرے کی تصویریں لوگوں میں عام ہوئیں تو قاہرہ سے اس کے جواز اور مذکورہ توجیہ کا فتویٰ صادر ہوا، پھر یہ فتویٰ لوگوں میں عام ہوگیا کیونکہ لوگوں کے دلوں میں خواہش پائی جاتی ہے، پھر یہ فتویٰ پھیلتا چلا گیا، حتی کہ بعض اسلامی مجلوں نے اس کو شائع کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ مجلّے الٹے پاؤں واپس لوٹ جائیں گے، پس یہ ان تصویروں کو مباح اور جائز قرار دیں گے جن کو وہ ان کیمرے کی تصویروں کو جائز قرار دینے سے پہلے حرام کہا کرتے تھے، پس وہ ہاتھ کی بنی ہوئی تصویروں کو بھی جائز قرار دیں گے۔

مجسم اور غیر مجسم تصویروں میں فرق کرنے کے متعلق پرانے دور سے علماء کے دو قول چلے آتے ہیں، بعض علماء تو تمام تصویروں کو حرام کہتے ہیں اور یہی درست موقف بھی ہے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی (تصویروں والا) پردہ پھاڑنے کی حدیث اس (تصویر کے حرام ہونے) پر دلالت کرتی ہے۔

اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ تصویروں کی حرمت صرف مجسم تصویروں کو شامل ہے، مجلّہ ''نور الاسلام'' جس کا موجودہ نام ''الازھر'' ہے، میں نے تصویر کے متعلق ایک مقالہ پڑھا تھا، جس میں تصویر کے متعلق علماء کا اختلاف بیان کیا گیا تھا، پس اس مقالے کے مصنف نے مجسم تصویروں کی حرمت کو تو اختیار کیا ہے اور تصویر کو مطلقاً حرام قرار دینے کے درست و صحیح مؤقف سے اعراض کیا۔

پھر اس نے اسی پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس حکم شرعی پر حیلوں کا ایک دروازہ کھول دیا ہے، پس اس نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ بلاشبہ جب تصویر اس طرح سے بدل دی جائے کہ جب آپ اس کی طرف دیکھیں تو آپ کو گمان ہو کہ وہ زندہ نہیں ہے، تو پھر تصویر حلال اور جائز ہو جاتی ہے، اور یہ تبدیلی اس طرح کی جائے کہ اس کی گردن پر خط کھینچ کر اس کا گلا کاٹ دیا جائے۔

لیکن تصویر میں شرعی تبدیلی یہ ہے کہ تصویر کی نمایاں چیزوں اور اعضاء کو بدل ڈالا جائے، جیسا کہ عائشہ، ام سلمہ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں جبریل علیہ السلام کے گھر میں داخل نہ ہونے کا ذکر ہے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وعدہ کر رکھا تھا، مگر وہ نہ آئے، پھر بعد میں آئے تو بتایا کہ بلاشبہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو، نیز انھوں نے کہا: دیکھیے کہ گھر میں ایک پردہ ہے جس میں مردوں کی تصویریں ہیں، لہٰذا ان کے بدلنے کا حکم دیجیے کہ ان کو بدل کر درخت کی طرح بنا دیا جائے۔

چنانچہ تصویر کے گناہ سے بچنے کے لیے اس میں مذکورہ مشروع تبدیلی کرنا پڑے گی، اور (علماء کرام) اس تبدیلی کو بھی بدلتے رہے، حتی کہ وہ صرف اس بات پر آ گئے کہ تصویر کی گردن پر خط لگا دو تا کہ اس کو بے جان فرض کیا جائے۔

لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ ہاتھ سے بنی ہوئی اور کیمرے کے ذریعہ کھینچی ہوئی تصویر میں مذکورہ تفریق سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ یہ صرف بظاہر تفریق ہے۔ پس وہ تصویر جو ہاتھ سے بنائی جاتی ہے اس میں بھی اللہ کی خلقت کی مشابہت ہے اور ایسے ہی کیمرے کے ذریعہ بنائی گئی تصویر میں بھی۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

تصویریں دیکھنے، مردوں سے خلوت اختیار کرنے اور ان سے اختلاط کے متعلق فتوے

مردوں کا ٹیلی ویژن پر اداکار عورتوں کو دیکھنے کا حکم

سوال مردوں کے لیے اداکار اور گلوکار عورتوں کو ٹیلی ویژن یا سینما یا ویڈیو کی سکرینوں پر یا کاغذ پر بنی ہوئی عورت کی تصویر کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ تمام صورتوں میں عورت کو دیکھنا حرام ہے، کیونکہ اس سے فتنہ برپا ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ سورۂ نور میں موجود آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾

[النور: 30]

"مومن مردوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔"

تمام عورتوں کو شامل ہے، چاہے وہ تصاویر کی شکل میں ہوں یا کسی اور صورت میں، اوراق پر بنی ہوئی ہوں یا ٹیلی ویژن کی سکرین پر یا اس کے علاوہ کسی حالت میں ہوں۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

سوال جو شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حبشی مردوں کے کھیل کو دیکھنے سے دلیل پکڑ کر ٹیلی ویژن یا مجلّہ میں عورت کو دیکھنے کے مباح اور جائز ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا جواب کیا ہوگا؟

جواب کوئی شخص عورت کی تصویر کو دیکھنے کے مباح و جائز ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس بنا پر کہ بلاشبہ تصویر کو دیکھنا تو صرف خیال کو دیکھنا ہے، لیکن عورت

کی شخصیت کو دیکھنا حقیقت کو دیکھنا ہے۔

درحقیقت یہ (گناہ کے) سبب کے سد باب سے غفلت کا نتیجہ ہے، ورنہ تو ٹیلی ویژن یا مجلّہ پر عورت کی تصویر دیکھنے اور عورت کو حقیقتاً دیکھنے میں کیا فرق ہے؟ فقہاء نے آخر عورت کی تصویر دیکھنا کیوں حرام قرار دیا ہے؟ فقہاء کا کہنا ہے: فتنے کے ڈر سے (تصویر دیکھنا حرام ہے) اور فتنہ کا یہ ڈر اور خوف عورت کی تصویر اور خود عورت کو دیکھنے میں پایا جاتا ہے۔

رہا عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں (کے کھیل) کو دیکھنا تو یہ ان کے لیے رخصت تھی ان کے علاوہ کسی اور عورت کو اس کی رخصت نہیں ہے، کیونکہ وہ کھیل دیکھ رہی تھیں نہ کہ کھلاڑیوں کے اشخاص کو۔ گویا کہ جب عورت معرکہ جنگ کو دیکھے گی تو اس وقت عورت کے دل میں یہ خیال نہیں گزرے گا کہ شیطان اس خیال کے ذریعہ اس عورت کے دل میں وسوسہ ڈالے اور وہ اس لڑنے والے آدمی کو دیکھے۔ بہر حال اس معاملہ میں چھوٹ اور اجازت ہے، کیونکہ فتنہ کا ڈر نہیں ہے۔

لہٰذا یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مخالف نہ ہوگی:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ [النور: 30]

”مومن مردوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“

اور نہ ہی اس فرمان باری تعالیٰ کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ہوگا:

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ [النور: 31]

”اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی

شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“

پس نظر سے مراد قصد و ارادہ کے ساتھ دیکھنا ہے، لہٰذا جب برے ارادے کے ساتھ دیکھا جائے تو یہی دیکھنا اس آیت میں مقصود ہے، لیکن اچھے ارادے کے ساتھ دیکھنا مذکورہ دونوں آیتوں کی نہی میں داخل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہا:

«يا علي لا تتبع النظرة النظرة فإن النظرة الأولى لك والثانية عليك»[1]

”اے علی! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر نہ دیکھ، پس بے شک پہلی نظر تیرے لیے گناہ نہیں ہے اور دوسری تیرے لیے گناہ ہے۔“

یعنی جس شخص نے پہلی اچانک نظر پڑ جانے کے بعد دوبارہ عورت کو دیکھا تو یہ دیکھنا شیطان کی طرف سے (وسوسہ) ہے۔

صحیح بخاری میں خثعم قبیلے کی عورت کا ذکر ہے کہ جب وہ نبی ﷺ سے اپنے باپ کے متعلق سوال پوچھنے کے لیے کھڑی ہوئی کہ اس کے باپ پر ایسی حالت میں حج فرض ہوا ہے کہ وہ اتنا بوڑھا کھوسٹ ہو چکا ہے کہ وہ سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتا، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے اس کو جواب دیا: «حجي عنه»[2] ”(ہاں) تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو“ اس وقت نبی ﷺ کے پیچھے سواری پر فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سوار تھے، فضل اس عورت کی طرف اور وہ عورت فضل کی طرف دیکھنے لگی، تو رسول اللہ ﷺ فضل کی نظر کو دوسری طرف پھیر رہے تھے تاکہ کہیں ان دونوں کے درمیان شیطان (وسوسہ ڈالنے کے لیے) نہ آ جائے۔

---

1. حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [2149]
2. صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [928]

لہٰذا عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بار بار مرد کی طرف دیکھے، جیسا کہ مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کو بار بار دیکھے۔ ہاں ایک حالت میں عورت کو دیکھنا جائز ہے، وہ یہ کہ جب اس عورت سے منگنی کرنے کا ارادہ ہو۔

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

عورت کے ٹیلی ویژن پر مرد کی تصویر دیکھنے کا حکم

سوال عورت کے ٹیلی ویژن پر یا سڑک چلتے آدمی کو طبعی نظر دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب ٹیلی ویژن یا کسی اور ذریعہ سے عورت کے مرد کو دیکھنے کی دو حالتیں ہیں:

۱۔ پہلی: شہوت اور حصول لذت کے فائدے کی غرض سے دیکھنا، تو یہ حرام ہے، کیونکہ اس میں فتنہ وفساد ہے۔

۲۔ دوسری وہ نظر جو شہوت اور لذت اٹھانے کے فائدہ سے خالی ہو، تو اہل علم کے متعدد اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ وہ جائز ہے، کیونکہ بخاری و مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ بلاشبہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حبشیوں کو (جنگی کھیل) کھیلتے ہوئے دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حبشیوں کی نظر سے چھپا کر دیر تک ان کو یہ کھیل دکھاتے رہے۔

اور اس لیے بھی کہ بلاشبہ عورتیں بازاروں میں چلتی ہوئی مردوں کو دیکھتی ہیں اگرچہ انھوں نے پردہ کیا ہوتا ہے، لہٰذا عورت مرد کو دیکھ رہی ہوتی ہے اگرچہ مرد اس کو نہیں دیکھ رہا ہوتا، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عورت مرد کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھے اور اس دیکھنے میں کسی فتنہ کا بھی ڈر نہ ہو۔ لیکن اگر عورت کے مرد کو دیکھنے میں غرض شہوت ہو اور فتنہ کا بھی ڈر ہو تو یہ دیکھنا حرام ہے، خواہ مرد کو ٹیلی ویژن پر دیکھے یا کہیں اور۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

فیشن سے بھرپور مجلّے خریدنے کا حکم

سوال ان مجلوں کو خریدنے کا کیا حکم ہے جو لباس کے فیشن پیش کرتے ہیں تاکہ عورتوں کے نئے اور مختلف قسم کے ملبوسات کی بناوٹ میں ان سے مدد لی جائے؟ اور ان سے فائدہ اٹھانے کے بعد پھر ان مجلوں اپنے پاس ہی رکھنے کا کیا حکم ہے جبکہ وہ عورتوں کی تصاویر سے بھرے ہوتے ہیں؟

جواب بلاشبہ ایسے مجلّے خریدنا جو تصاویر سے بھرپور ہوں حرام ہے، کیونکہ تصاویر رکھنا حرام ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة»[1]

''جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

اور اس لیے بھی کہ جب آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چادر و پردے میں تصویر دیکھی تو آپ ﷺ دروازے میں ٹھہر گئے اور گھر کے اندر داخل نہ ہوئے اور آپ ﷺ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے اثرات تھے۔ یہ مجلّے جو فیشن ڈسپلے (نمائش) کرتے ہیں ان میں تصویروں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اور پھر یہ کہ ہر فیشن حلال بھی نہیں ہے، کبھی تو لباس کے اس فیشن میں لباس کی تنگی وغیرہ سے بے پردگی ہوتی ہے اور کبھی یہ فیشن ان ملبوسات سے لیا گیا ہوتا ہے جو کفار کے ساتھ خاص ہیں اور کفار سے مشابہت ویسے بھی حرام ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«من تشبه بقوم فهو منهم»[2]

''جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ ان ہی میں سے ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3053] صحيح مسلم، رقم الحديث [2106]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4031]

لہٰذا میں اپنے مسلمان بھائیوں کو بالعموم اور مسلمانوں کی عورتوں کو بالخصوص نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان فیشنوں اور طور اطوار سے پرہیز کریں، کیونکہ ان میں سے بعض تو غیر مسلموں سے مشابہت رکھتے ہیں اور کچھ ان میں سے بے پردگی کا باعث بنتے ہیں، پھر یہ کہ اگر عورتیں ہر نئے فیشن پر مطلع ہوں تو اس سے لازم آئے گا کہ ہماری عادت و اطوار، جو دین کے مطابق ہونی چاہییں، وہ دوسری ہی قسم کی عادات و اطوار میں تبدیل ہوتی چلی جائیں گی جو غیر مسلموں سے درآمد کی گئی ہیں۔ (محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

بامر مجبوری عورت کے ستر کو دیکھنے کا حکم

سوال ایک طالب علم میڈیکل کالج میں عورتوں کے امراض اور ولادت کے متعلق پڑھتا ہے، اس میں عملی مشقیں بھی ہوتی ہیں جس کو دیکھنا طالب علم کے لیے ضروری اور لازمی ہے، دوسرے سمیسٹر میں پروموٹ (منتقل) ہونے کے لیے اس مضمون میں پاس ہونا ضروری ہے اس سے ہمارے لیے بہت سی مشکلات کھڑی ہوجاتی ہیں، ہم آپ جناب سے اس موضوع پر فتویٰ کے طلبگار ہیں؟

جواب اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے ستر کو چھپانا واجب ہے، مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اور آزاد عورت کا سارا جسم ستر ہے، سوائے حالت نماز و احرام کے کہ ان حالتوں میں اس کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر نہیں ہیں۔ اور جب وہ اجنبی مردوں کو دیکھے اور اجنبی مرد اس کو دیکھیں تو اس پر اپنے چہرے سمیت پورا بدن ڈھانپنا واجب ہے، چاہے وہ نماز میں ہو یا حج وعمرہ کے احرام میں۔

اور ضرورت کے تحت ستر کو ظاہر کرنا جائز ہے، اور جب شرعی مصلحت کا تقاضا ہو تو اس کو دیکھنا بھی جائز ہے اسی ضرورت و مصلحت کے تحت طالب علم مردوں اور عورتوں کے لیے ان پریکٹیکلز (عملیات) کے دوران جو عورتوں کے امراض اور ولادت کے متعلق ہوتے ہیں، ستر کو دیکھنا جائز ہے تاکہ وہ آئندہ سمیسٹر میں پرموٹ (منتقل) ہونے کے لیے اور سند فراغت حاصل کرنے کے لیے اس مضمون میں کامیابی کے لیے مطلوبہ نمبر حاصل کرسکیں۔

اور ستر کو دیکھنے کے قول کی شرعی مصلحت یہ ہے کہ کافی تعداد میں مسلمان ڈاکٹرز اور لیڈی ڈاکٹرز پیدا کیے جاسکیں اور جب مسلمان ایسا کرنے سے رک جائیں گے تو پھر مجبوراً غیر مسلم ڈاکٹرز اور لیڈی ڈاکٹرز کے پاس جانا پڑے گا جس میں بہت سے مفاسد ہیں، جبکہ شریعت اسلامیہ کا تقاضا یہ ہے کہ مصالح کو حاصل کیا جائے اور مفاسد کو دور کیا جائے۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

پُر امن جماعت کے ساتھ عورت کے سفر کرنے کا حکم

سوال عورت کا محرم کے بغیر عورتوں کی ایک پُر امن جماعت کے ساتھ سفر کرنے کا کیا حکم ہے؟ بعض اس کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "إن الظعينة تسير من اليمن إلى العراق لا تخشىٰ إلا الله والذئب على الغنم"

جواب مذکورہ حدیث میں کوئی ایسی دلیل اور ثبوت نہیں ہے جو عورت کے اکیلے سفر کرنے کے جواز پر دلالت کرتا ہو، کیونکہ حدیث میں تشریع اسلامی کا بیان نہیں ہے، بلکہ اس میں تو صرف ایک غیبی خبر دی گئی ہے، اور غیبی خبریں تو صرف امر واقع کو بیان کرتی ہیں، قطع نظر اس کے کہ وہ واقع میں

قابل تعریف ہو یا قابل مذمت؟

لہٰذا آپ ﷺ کا مذکورہ فرمان آپ ﷺ کے اس فرمان کی مثل ہوگا:

«لا تقوم الساعة حتی یتسافد الناس في الطرقات تسافد الحمیر»[1]

''جب تک لوگ راستوں پر گدھوں کے جفتی کرنے کی طرح جفتی نہ کرنے لگ جائیں گے اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔''

پس یہ اس امر واقع کی خبر ہے جو عنقریب وقوع پذیر ہونے والا ہے اس میں مخبر عنہ (جس کے متعلق خبر دی گئی ہے) کے شرعی حکم کا بیان نہیں ہے۔

اور اس حدیث سے استدلال کرنا جو حدیث متعدد الفاظ سے وارد ہوئی ہے:

«لا تسافر المرأة سفراً ثلاثة أیام إلا و معها محرم»[2]

''عورت محرم کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے۔''

اور بعض روایات میں ''یومین'' (دو دن) کے الفاظ بھی آتے ہیں اور بعض دوسری روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«لا تسافر امرأة سفراً ـ أي مطلقا ـ إلا و معها محرم»

''عورت (مطلق طور پر) محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''

پھر مذکورہ موقف یعنی محرم کے بغیر عورت کا دیگر عورتوں کی (پُرامن) جماعت کے ساتھ سفر کا فی الواقع پُرامن اور باعث اطمینان ہونا ممکن نہیں ہے۔

ابن حزم کی کتاب ''طوق الحمامۃ'' میں ایک واقع درج ہے کہ بلادِ مغرب سے کچھ عورتیں حج کی غرض سے روانہ ہوئیں اور حج کرنے کے بعد وہ ایک کشتی میں سوار ہو کر واپس لوٹ رہی تھیں کہ وہ کشتی کے عملہ میں سے ایک مرد کے

---

[1] صحیح. صحیح ابن حبان [169/15]

[2] صحیح. سنن الدارمي [374/2]

ساتھ زنا کی مرتکب ہوئیں۔

نیز محرمات کی دو قسمیں ہیں: محرم لذاتہ اور محرم لغیرہ.

مثلاً بے شک رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے عورت کو دیکھنے اور اس نظر سے لذت حاصل کرنے سے برائی کا سد باب کرتے ہوئے منع کیا ہے، لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ ہم تصور کریں کہ ہر وہ عورت جو بغیر محرم کے سفر کرے وہ لازمی طور پر زنا کاری کرتی ہے، یا عورتوں کی ایک جماعت جب بغیر محرم کے سفر کرے تو وہ زنا کا ارتکاب کریں گی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے لیے محرم کے ساتھ سفر کرنے کی شرط اس لیے عائد کی ہے کہ کہیں وہ زنا کی مرتکب نہ ہو جائیں۔

مثلاً آج کل انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے یا اس سے کم یا زیادہ ہوائی جہاز کے سفر میں عورت کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے کیونکہ (اس مختصر سفر میں بھی) عورت کے زنا میں مبتلا ہونے کا امکان باقی ہے اور یقیناً اس طرح کے حوادث پیش آ چکے ہیں۔

متفرق فتوے

سوال یہ قول: ''لا حياء في الدين'' (دین میں حیا نہیں ہے) کہاں تک صحیح ہے؟

جواب اگر مذکورہ قول کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ہم اس طرح کے قول کی دلیل ایک مسنون کلمہ میں پاتے ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

((رحم الله نساء الأنصار، لم يمنعهن حياؤهن أن يتفقهن في الدين))[1]

''اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے، ان کی حیا ان کو دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے سے نہیں روکتی۔''

لیکن مذکورہ قول ''دین میں حیا نہیں ہے'' قید کا محتاج ہے (کہ کس معاملے میں حیا دین کا حصہ نہیں) کیونکہ مسنون اقوال ایک دوسرے کی تفسیر کرتے ہیں، تو ہم کہتے ہیں: جب یہ کلمہ کسی علمی بحث کی مناسبت سے یعنی سوال جواب کے دوران کہا جائے، یا دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی مناسبت سے بولا جائے یا کسی اور مناسب مقام پر بولا جائے تو صحیح ہے۔

لیکن جب بغیر قید کے ''لا حياء في الدين'' کہا جائے تو صحیح نہیں ہے، کیونکہ ''الحياء من الإيمان''[2] (حیا ایمان کا حصہ ہے) جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال قرآن مجید کی تلاوت سے فارغ ہو کر ''صدق الله العظيم'' (اللہ عظیم

---

[1] حسن. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [642]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [24] صحيح مسلم، رقم الحديث [36]

نے سچ فرمایا) کہنے کا کیا حکم ہے؟

جواب الحمد لله وحده والصلاة والسلام علی رسوله و آله وصحبه و بعد: قرآن مجید کی تلاوت سے فارغ ہوکر "صدق الله العظیم" کہنا بدعت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ، خلفاء راشدین، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف رحمہم اللہ نے قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنے اور اس کی طرف توجہ کرنے اور اس کی شان وعظمت کو پہچاننے کے باوجود مذکورہ الفاظ کو ادا نہیں کیا لہٰذا تلاوت کے بعد ان الفاظ کو پڑھنا اور ان کا التزام کرنا ایک نئی چیز اور بدعت ہے۔ اور بلاشبہ نبی ﷺ سے ثابت ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد»[1]

"جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی چیز ایجاد کی، پس وہ مردود ہے۔" اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔

اور مسلم کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد»[2]

"جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے حکم کے مطابق نہیں ہے، پس وہ مردود ہے۔" وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال تلاوت قرآن کے بعد "صدق الله العظيم" کہنے کا کیا حکم ہے؟

جواب قرآن کریم کی تلاوت کے بعد "صدق الله العظيم" کہنے کی حدیث میں کوئی اصل اور دلیل نہیں ہے اور نہ ہی عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے،

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2550] صحيح مسلم، رقم الحديث [1718]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [1718]

یہ بعد کے زمانے میں شروع ہوا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی کہنے والے کا یہ قول "صدق اللّٰه العظیم" اللہ عزوجل کی پس وہ عبادت ہوئی، اور جب وہ عبادت ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ ہم کسی شرعی دلیل کے بغیر ان الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور جب اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے تو قرآن مجید کی تلاوت کو ان الفاظ سے ختم کرنا غیر مشروع ہے اور یہ کوئی مسنون طریقہ نہیں ہے، جو انسان کے لیے سنت قرار دیا گیا ہو کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت مکمل کرنے کے بعد "صدق اللّٰه العظیم" کہے۔

اگر کوئی کہے: کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہتا: "قل صدق اللّٰه" (کہہ دیجیے اللہ نے سچ فرمایا) تو اس کا جواب یہ ہے: کیونکہ اللہ نے یہ فرمایا اور ہم بھی کہتے ہیں اللہ نے سچ کہا، لیکن کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کہیں فرمایا ہے کہ جب تم قرآن مجید کی تلاوت ختم کرو تو کہو: "صدق اللّٰه العظیم" اور نبی کریم ﷺ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ (تلاوت قرآن سے فارغ ہو کر) "صدق اللّٰه العظیم" کہتے ہوں، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو سورۃ نساء کے کچھ حصے کی تلاوت سنائی، حتی کہ اس آیت پر پہنچ گئے:

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾ [النساء: 41]

"پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔"

تو نبی ﷺ نے فرمایا: ((حسبك))[1] "تجھے کافی ہے" (یعنی اب قرآن کی

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4763] صحیح مسلم، رقم الحدیث [969]

تلاوت بس کر دو) اور یہ نہیں کہا کہ کہہ "صدق اللّٰه العظیم" اور نہ ہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا۔

جو اس بات کی دلیل ہے کہ تلاوتِ قرآن کے مکمل ہونے پر کہنے والے کا "صدق اللّٰه العظیم" کہنا مشروع نہیں ہے، ہاں اگر بالفرض اللہ اور اس کے رسول کی دی ہوئی خبر کے مطابق کوئی چیز واقع ہو جائے تو تم کہو: اللہ نے سچ فرمایا ہے اور تم اس پر قرآن کریم کی کوئی آیت بطور گواہی کے پیش کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ تو اللہ عزوجل کے کلام کی تصدیق کرنے سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً تم ایک شخص کو دیکھو کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت سے غافل ہے تو تم اس پر کہو: اللہ عظیم نے سچ فرمایا ہے:

﴿ اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ [الأنفال: 28]

"تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمائش کے سوا کچھ نہیں۔"

اور اس طرح کے تصدیقی کلمات کے بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ)

سوال تلاوت قرآن کے خاتمے پر "صدق اللّٰه العظیم" کے التزام کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ بدعت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو قرآن پڑھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مذکورہ الفاظ کہنے ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ بدعت ہے۔ (عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

سوال بعض لوگ اس عبارت کے پڑھنے والے کو ناپسند کرتے ہیں: "جل من لا یسھو" (جلیل القدر ہے وہ ذات جو بھولتی نہیں ہے) تو کیا یہ مذکورہ عبارت غلط ہے؟

جواب نہیں، بلکہ یہ صحیح عبارت ہے، اس میں غیر اللہ کے لیے سہو (بھول جانے) کو ثابت کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو سہو (بھول جانے) سے پاک قرار دیا گیا ہے۔ اس مذکورہ عبارت میں یہ اشارہ ہے کہ بلاشبہ انسان اپنے سہو میں معذور ہے چاہے وہ نبی ہو ولی یا نیک لوگوں میں سے کوئی صالح اور نیک آدمی ہو۔ (عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ)

سوال "إیاکم و خضراء الدمن" کا کیا معنی ہے؟

جواب یہاں اس سوال کے جواب سے پہلے میں اس بات سے خبردار و آگاہ کروں گا کہ بلاشبہ مذکورہ حدیث سخت ضعیف بلکہ موضوع ہے، لہٰذا ہم اس سوال کا جواب فائدہ لغویہ کے طور پر دیں گے۔ ورنہ معاملہ تو وہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''میت اتنی زیادہ اس تعزیت کی مستحق نہیں ہے'' سوال میں مذکورہ حدیث سخت ضعیف اور موضوع ہے۔

"الدمن" کا معنی ہے مینگنیاں اور گوبر جو ایک دوسرے پر ڈھیر ہوتا ہے، پھر جب اس کو رطوبت اور نرمی پہنچتی ہے تو اس میں کچھ نباتات اگ آتی ہے جس میں چستی اور پھرتی آجاتی ہے۔

جیسا کہ اس حدیث کا انداز اس بات کو واضح کرتا ہے۔ جس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے: ''خوبصورت عورت اگنے کی بری جگہ میں'' اسی لیے اس حدیث کے طرز بیان میں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے: "إیاکم وخضراء الدمن" غلاظت کے سبزے سے بچو۔''

(محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)

سوال نبی کریم ﷺ کے اس فرمان: "لا یخلون رجل بامرأة إلا مع زوج أو المحرم" کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ اس کے خاوند اور محرم کے

بغیر خلوت نہ کرے'' کیا معنی ہے؟ اور کیا عورت کے خاوند کی موجودگی میں اس کے پاس بغیر کسی پردے اور رکاوٹ کے ایک ہی گھر میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی اجنبی عورت کے ساتھ کسی ایسی جگہ بیٹھے جہاں ان دونوں کو کوئی دیکھ نہ رہا ہو، الا یہ کہ ان کے ساتھ اس عورت کا خاوند یا محرم ہو، کیونکہ ان کے اس طرح خلوت کرنے میں فتنہ کا ڈر ہے، نیز اس بات کا ڈر ہے کہ وہ دونوں اس زنا کاری یا اس کے اسباب کے مرتکب ہو جائیں گے جن پر اللہ تعالیٰ ناراض اور غصے ہوتے ہیں۔

ہاں اجنبی مرد کے لیے عورت اور اس کے خاوند یا اس کے محرم کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے، بشرطیکہ عورت نے پردہ کر رکھا ہو اور اس کا ستر اور پردے والے اعضاء ظاہر نہ ہو رہے ہوں۔ (سعودی فتویٰ کمیٹی)

سوال « النساء شقائق الرجال »[1] ''عورتیں مردوں کی مانند ہیں''، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ نیز ''شقائق الرجال'' کا کیا معنی ہے؟

جواب جی ہاں، یہ حدیث صحیح ہے۔

اور اس کا معنی یہ ہے (واللہ اعلم) بلاشبہ عورتیں مردوں کی مانند اور ان کی مثل ہیں، سوائے ان چیزوں کے جو عورت اور مرد کی طبیعت سے تعلق رکھتی ہیں اور شارع نے ان کو اس مثلیت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اور جو چیزیں اس استثناء کے علاوہ ہیں تو اس میں اصل یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی مثل ہیں۔

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

---

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [236]

سوال وہ قول کہاں تک درست اور صحیح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت اپنی زندگی میں صرف تین مرتبہ نکلتی ہے، ایک مرتبہ اپنی ماں کے پیٹ سے اس دنیا کی طرف، اور ایک مرتبہ اپنے باپ کے گھر سے اپنے خاوند کی طرف اور تیسری مرتبہ اپنے خاوند کے گھر سے اپنی قبر کی طرف؟

جواب مذکورہ قول حدیث تو نہیں ہے، یہ تو صرف لوگوں کے کلام کا ایک حصہ ہے، شاید کہ یہ ان لوگوں کے کلام سے ہے جو عورت کو گھر سے باہر نکل کر بلا مقصد مٹرگشت کرنے سے روکنا اور بچانا چاہتے ہیں۔

(عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ)

سوال بعض احادیث میری سوچ میں التباس پیدا کرتی ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے: "من نزعت ثيابها أو خمارها في غير بيت زوجها..." الحدیث، اس حدیث کا معنی و مفہوم کیا ہے، بالتفصیل بیان کیجیے؟

جواب اس حدیث کا معنی، جیسا کہ "فیض القدیر شرح الجامع الصغیر" میں ہے، یہ ہے:

«من نزعت ثيابها أو أيما امرأة وضعت ثيابها في غير بيت زوجها فقد هتكت ما بينها وبين الله من الستر»[1]

''جس (عورت) نے کپڑے اتارے'' یا ''جونسی عورت نے اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ کہیں اپنے کپڑے اتارے اس نے اپنے اور اللہ کے درمیان پردہ چاک کر دیا۔''

یا اس مفہوم کی یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انھوں نے ابوالملیح بن اُسامہ سے کہا: بلاشبہ تمھارے ہاں عورتیں حمام میں جاتی ہیں، پھر انھوں نے

[1] صحیح. سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث [3750]

مذکورہ حدیث بیان کی۔

اس حدیث کو ابن الجوزی رحمہ اللہ نے معلول قرار دیا ہے لیکن جب اس کا مراجعہ کیا گیا تو اس کی علت غیر قادحہ نکلی۔ اور اس کا سبب یہ ہے، بلاشبہ جریر بن عبدالحمید نے اس روایت کو منصور سے، منصور نے سالم بن ابی الجعد سے اور سالم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے اور سالم بن ابی الجعد کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے، تو یہ حدیث منقطع ہوئی، لیکن اس کو سفیان ثوری اور شعبہ نے منصور سے متصل بیان کیا ہے اور سفیان وشعبہ جریر بن عبدالحمید سے زیادہ راجح ہیں۔

تو اس حدیث کا مقصود یہ ہے: (عورتوں کو) زینت ظاہر کرنے سے ڈرانا اور خبردار کرنا، ورنہ اگر عورت شرعی لباس پہن کر دوسری عورتوں کو ملنے کے لیے جائے، پھر وہاں جا کر وہ پہنے ہوئے کپڑوں میں سے کچھ کپڑے اتار کر ہلکے کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، حدیث میں تو صرف زینت کو ظاہر کرنے سے روکا گیا ہے۔ (محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ)
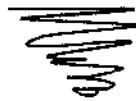
تالیف
فضیلۃ الشیخ محمد عبدالرحمن عمر حفظہ اللہ

ترجمہ
پروفیسر حافظ عبدالجبار حفظہ اللہ
فاضل کنگ سعود یونیورسٹی ریاض

مکتبہ بیت السلام الریاض

جمع و ترتیب

فضیلۃ الشیخ محمد امین انصاری حفظہ اللہ

ترجمہ

حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ

مدرس جامعہ نصر العلوم اہل حدیث
گوجرانوالہ

مکتبہ بیت السلام الریاض

300

جواب في

للزوجين

لأصحاب الفضيلة

- محمد ناصر الدين الألبانی
- عبدالعزيز بن عبدالله بن باز
- محمد بن صالح العثيمين
- محمد بن ابراهيم آل الشيخ
- عبدالله بن حميد
- مقبل بن هادی الوادعی
- صالح بن فوزان بن عبدالله الفوزان
- عبدالرزاق عفيفی
- عبدالله بن عبدالرحمن الجبرين
- عبدالله بن سليمان المنيع

مكتبه بيت السلام لاهور / رياض

Tel: 4381155 - 4381122 Fax: 4385991

Mob: 0542666646,0566661236,0532666640

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

Tel: 042-37361371

Mob: 0321-9350001

Facebook page :Baitussalam book store

Email: bait.us.salam1@gmail.com

Web: baitussalam.exai.com